عصمت

رسالہ عصمت

چھتیسواں سال	اگست ۱۹۴۳ عیسوی	جلد ۷۱ نمبر ۲

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی (مع محصول ڈاک وغیرہ) چار روپیہ — فی پرچہ ۶/ — ممالک غیر سے دس شلنگ

امرا سے دس روپیہ — رؤسا سے پچیس روپیہ — والیان ریاست سے سو روپیہ

عصمت کی اشاعت

میں خدا کے فضل و کرم سے کبھی ایک دن کی بھی تاخیر نہیں ہوتی۔ ہمیشہ ۳۰ تاریخ کو شائع ہو کر پہلی دوسری تاریخ تک ہندوستان کے تمام خریداروں کو پرچہ پہنچ جاتا ہے اگر کسی ماہ کا رسالہ وقت مقررہ پر آپ کو نہ ملے تو سمجھ لیجئے کہ ڈاکخانہ میں ضائع ہوا۔ اس لئے ۵ تاریخ کے بعد مگر ۱۰ تاریخ سے پہلے خریداری نمبر کے حوالہ سے ہمیں اطلاع دیجئے تاکہ دوبارہ بھیجدیا جائے۔ چونکہ کاغذ کی گرانی اور نایابی کی وجہ سے کم سے کم تعداد میں صرف ضرورت کے مطابق اب پرچہ چھپوایا جاتا ہے اس لئے اگر کسی ماہ کا پرچہ نہ ملنے کی فوراً اطلاع نہ دی تو آپ کا فائل نامکمل رہ جائے گا۔ جولائی تک ۱۹۴۳ء کے ۷ پرچوں میں ۳ پرچے بالکل ختم ہو گئے اور کسی قیمت پر اب نہیں مل سکتے۔

منیجر

(باہتمام رازق الخیری اڈیٹر پرنٹر پبلشر محبوب المطابع دہلی میں چھپ کر دفتر عصمت کوچہ چیلاں دہلی سے شائع ہوا)

موجودہ گرانی اور [illegible] معاشرت

سال ڈیڑھ سال سے سارے ملک میں اشیا کی گرانی بری طرح محسوس کی جارہی ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں۔ کپڑا۔ روزانہ ضرورت اور استعمال کی چیزیں مثلاً کاغذ پنسل۔ دوائیں سنگھار کی چیزیں غرض ہر ایک نرخ بے حد بڑھ گئی ہے۔ ہر طرف سے لوگ شاکی ہیں لیکن اپنے طرزِ معاشرت کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ یہ تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ حالات پھر ویسے ہی ہو جائیں گے۔ یہ خیال غلط ہے۔ لڑائی کے بعد بھی برسوں حالات ویسے نہیں ہوں گے۔ جیسے پہلے تھے۔ اس لئے عقلمندی یہ ہے کہ زمانہ کی حالت کے مطابق اپنی معاشرت کرلی جائے۔

امیروں کو اپنے اخراجات کم کرنے اور غریبوں کو اپنی آمدنی بڑھانے کے طریقے سوچنے چاہئیں۔

بے شمار اور بے ضرورت نوکر بیچاسوں جوڑے کپڑے سیر و سفر خواہ مخواہ دواؤں اور سنگھاری چیزوں کا استعمال۔ امیر طبقہ کی کیا ہندوستان کے متوسط طبقہ کی معاشرت میں بھی داخل ہے۔ نوکر اب بہت مشکل سے ملتے ہیں اور بہت زیادہ تنخواہیں مانگتے ہیں۔ ان کی تعداد کم کرنی چاہیئے۔ بنگلوں اور کوٹھیوں میں باورچی بیرا شعلچی آیا مالی دھوبی چپراسی خدمت گار کی جو پوری پلٹن رکھی جاتی ہے اس میں فوراً تخفیف کر دینی چاہیئے۔ زیادہ سے زیادہ تین نوکر امیروں کے لئے۔ اور صرف ایک نوکر متوسط حیثیت کے گھروں کے لئے کافی ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ پچاس روپیہ جہاں آمدنی ہے وہاں بھی کم از کم ایک ماما اور ایک چھوکرا ضرور ہوگا۔ آخر کیوں؟ اپنے ہاتھوں کام کرنے میں کیا عیب ہے۔ خود کام کرکے تو دیکھئے، جتنا وقت نوکروں سے سر کھپانے میں ضائع ہوتا ہے۔ اس سے آدھے میں سارا کام ہو جائے گا۔ گھر پہلے سے دوگنا صاف نظر آئے گا۔ اور صحت یقیناً بہتر ہو جائے گی۔

نوکروں کے بعد کپڑے پر متوسط اور امیر دونوں طبقے سب سے زیادہ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ دونوں طبقوں میں اَن گنت اور بے ضرورت کپڑے بنائے جاتے ہیں۔ جہاں کوئی کپڑا پسند آیا لے لیا۔ کسی تقریب میں جانا ہوا فوراً ایک جوڑا بنوالیا کسی نئے شہر گئے کپڑے خرید لئے۔ لیکن اب جبکہ لٹھا اور ململ تک ڈیڑھ دو روپیہ گز کو مل رہی ہے۔ ان باتوں کو ترک کرنا پڑے گا اور سوچ سمجھ کر کپڑے بنائے جائیں گے۔ اگر ہر سال چار جوڑے بنائے جائیں تو کافی ہیں۔ پہلے اور دوسرے سال کے جوڑوں کے ساتھ مل کر بارہ جوڑے ہو جائیں گے کیونکہ کپڑا تین سال میں پھٹتا ہے۔ بلکہ امیر عورتوں کو تو دو تین سال تک مطلق کپڑے نہیں بنانے چاہئیں ان میں سے ہر ایک کے پاس کئی کئی درجن جوڑے ہونگے۔ اگر وہ چار سال کپڑے نہ بنائیں تو انہیں مطلق تکلیف نہ ہوگی۔ ہاں فیشن کا سوال الگ ہے۔ تو اگر کوئی نئے کپڑے خریدنے بند کر دے تو نت نئے فیشن کا شوق بھی رک جائے گا۔ دوکان پر چیزیں جب ہی آئیں گی جب ان کی مانگ ہوگی۔

بچوں کے کپڑوں میں اور مزید کفایت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ بڑوں کے کپڑوں سے کاٹ کر بچوں کے بنا دیئے جائیں خصوصاً گرم کپڑے۔ جو آج کل بہت زیادہ مہنگے ہیں۔

سنگھاری اشیاء کا استعمال بھی آج کل بہت ہو گیا ہے۔ کریم پوڈر۔ لپ سٹک اب سب ہی استعمال کرتے ہیں۔ جلد نرم کرنے کے لئے پہلے بیبیاں روغن بادام لگاتی تھیں۔ یا صرف بادام پیس کر لگاتی تھیں۔ اور تو اور معمولی سرسوں کا تیل تک جلد کو نرم رکھنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ پوڈر کا بدل تجویز کرنے سے میں قاصر ہوں۔ صرف یہ کہہ سکتی ہوں کہ کم لگائیے اور کم سے کم دفعہ لگائیے۔ ویسے بھی زیادہ پوڈر جلد کے لئے بہت نقصان دہ ہے کئی کئی دفعہ صابن سے منہ دھونا بھی جلد کے لئے مضر ہے۔ اس کے بدلے بیسن سے دھوئیں جو مفید بھی ہے۔

انگریزی دوائیں بے حد گراں اور نایاب ہیں اس لئے معمولی زکام کھانسی میں جوشاندہ پیا کریں۔ بد ہضمی ہو تو انگریزی دواؤں کی جگہ عرق بادیان اور سونف کا استعمال کریں۔ لکس کی جگہ ریٹھے ریشمی کپڑوں کے لئے اور "ڈریں شمپو" کی جگہ آنولے یا [illegible]

کے لئے استعمال کریں۔ ناشتہ وغیرہ کی چیزیں بھی اب بیحد گراں ہیں اور جو ملتی ہیں وہ باسی اور ان کا استعمال [illegible] خالی نہیں۔ ان کی جگہ تازی چیزیں استعمال کیجئے۔ جام جیلی۔ اور بسکٹ بھی بڑی آسانی سے گھر میں بنائے جاسکتے ہیں۔ کیک اور پیسٹری بھی ہوٹلوں سے منگوانا چھوڑ دیجئے۔ ماہوار ایک بڑی رقم بچ جائے گی۔

لیکن یہ سب باتیں تو امیروں کی تھیں جو پہلے سے ان باتوں کے عادی نہ تھے وہ کیا کریں جن کی معاشرت میں خرچ کم کرنے کی گنجائش نہیں۔ انہیں آمدنی بڑھانے کے ذرائع سوچنے چاہئیں۔ گھی اور دودھ، مرغی اور انڈے کھانے کی چیزوں میں یہ بیحد گراں ہیں۔ گھر میں مرغیاں اور گائے پال لینے سے خرچ کی ایک بڑی رقم میں کمی ہو جائے گی۔ چھوٹے سے چھوٹے گھر میں بھی اس کا انتظام کوشش کریں تو ہو سکتا ہے۔ گائے نہیں تو بکری بڑی آسانی سے پل سکتی ہے اور اس کا دودھ بچوں کے لئے بے حد مفید ہے۔ گھی البتہ اس سے نہیں نکل سکتا لیکن اس کی دیکھ بھال نسبتاً آسان ہے۔ اور یہ آمدنی کا معقول ذریعہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بچے اچھے داموں میں بک جاتے ہیں۔

میں نے جنوری ۱۹۴۳ء کے پرچہ میں ایک طویل مضمون میں گھر بیٹھے آمدنی بڑھانے کے طریقے لکھے تھے یعنی نئے فیشن کے مطابق سلائی ایمبرائڈری وغیرہ کیک جام بنانا اور بیچنا (آجکل اس میں دو گنی کامیابی ہوگی۔ اس لئے کہ ولایتی چیزیں قطعی نہیں آ رہی ہیں) رنگ کیٹرنگ وغیرہ ایک اور آمدنی کا "پینگ گیسٹس" کا رکھنا ہے۔ ہم ابھی تک اسے عیب ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن سوچئے کہ اس میں کیا عیب ہے۔ ہر ایک بڑے شہر میں بے شمار اسٹوڈنٹ اور کلرکس وغیرہ ہیں جو ہوٹلوں میں نہایت تکلیف سے رہتے اور اپنی حیثیت سے زیادہ کرایہ دیتے ہیں۔ ایسے لوگ بخوشی پرائیویٹ گھروں میں اپنا خرچ دے کر رہنے پر راضی ہو جائیں۔ انہیں کم خرچ میں گھر کا سا آرام ملے اور جہاں ۵ - ۶ - آدمیوں کا کھانا پکتا ہو وہاں ایک اور آدمی کے کھانے میں کچھ بھی خرچ نہ ہو۔ اور ایک مستقل رقم کا آمدنی میں اضافہ ہو جائے۔ انگلستان میں اچھے اچھے لوگ اس کو عیب نہیں سمجھتے۔ یہاں ہندوستان تک میں انگریز افسر اگر اکیلا ہو تو دوسرے کے یہاں رہتا ہے۔ اور اپنے کھانے کا خرچ دیتا ہے۔ اس میں کسی قسم کا عیب کوئی بھی محسوس نہیں کرتا۔

دراصل گذشتہ جنگ عظیم کی گرانی نے بھی ولایت کی طرز معاشرت میں یہ زبردست انقلاب پیدا کر دیا جو ہم اب دیکھتے ہیں۔ یقین ہے کہ یہاں بھی ایسا ہی ہوگا۔

جب نوکر نہ ملیں گے تو اپنا کام خود کرنا پڑے گا۔ جب خود کرنا پڑے گا تو کام کم کیا جائے گا یعنی دسترخوان پر دس کے بدلے دو چیزیں ہوں گی۔ سلائی اور کپڑے مہنگے ہوں گے تو کم کپڑے بنوائے جائیں گے۔ اور انہیں گھر میں دھلائی اور استری سے صاف رکھا جائے گا۔ غرض موجودہ گرانی ایک زبردست معاشرتی انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ جو عورتیں جس قدر جلد بدلی ہوئی حالت کے مطابق اپنی زندگی کریں گی۔ وہ اتنی ہی آرام میں رہیں گی۔ ورنہ پرانے طریقوں کی پابندی موجودہ حالت میں تباہی کا باعث ثابت ہوگی۔

شائستہ اختر سہروردی

برسات

یہ رُت ساون کی، یہ شادیاں، یہ جشن گلشن کا
یہ ہنستے پھول، گاتی ندیاں، مہکا ہوا صحرا
یہ رعنائی گلستاں کی، یہ شادابی بیاباں کی
ہوا کا لحن، نغمے کوئلوں کے ساز بوندوں کا
نہائی آب کوثر سے تر و تازہ شگفتہ کلیاں
لچکتی نرم شاخیں، یہ چٹکنا نرم پھولوں کا
فلک پہ بدلیوں کا گرب ملے بھینی ہواؤں کی
چمن میں کروٹوں پہ کروٹیں لیتا ہوا دریا
یہ تھم تھم کر برسنا ابر کا، محشر کا سا عالم
ہر اک لمحہ پہ یہ بڑھتا ہوا سیلاب کا دھارا
مچی ہے دھوم آبادی میں رونق ہے بیاباں میں
بپا ہے جنگلوں میں ہر طرف طوفان نغموں کا
نشاط روح ہیں یہ حُسن میں ڈوبے ہوئے منظر
پیام زندگانی ہے ہر اک مہکا ہوا جھونکا
فروغ رنگ گل سے روشنی ہے کوہساروں میں
اُتر آئی ہے جنت آج شاید لالہ زاروں میں

صفیہ شمیم ملیح آبادی

عصمت دہلی

مُشترکہ رہائش

عصمت کے مئی اور جولائی کے پرچوں میں محترمہ ڈاکٹر شائستہ اختر صاحبہ سہروردی اور محترمہ صدیقہ خاتون صاحبہ کے مضامین مشترکہ خاندان کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر شائستہ اختر صاحبہ نے مشترکہ خاندان کو اقتصادی نقطۂ نظر سے جو مفید بتایا ہے۔ وہ ایک حد تک صحیح ہو سکتا ہے۔ مگر صدیقہ خاتون صاحبہ نے اس پر اپنی گرانقدر رائے کا جو اظہار کیا ہے مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ وہ سطحی معلوم ہوتا ہے۔ اور اس میں عملی جدوجہد کی نسبت خیال آرائیوں کا دخل زیادہ ہے۔ بے شک اشتراک عمل کی ہمیں اشد ضرورت ہے۔ مگر مشترک خاندان کی افادیت پسندی مختلف طبائع وماحول کے لئے یکساں ثابت نہیں ہو سکتی اور نہ اس امر میں مغربیت کو خاص دخل ہے۔ آخر اکبری خانم کو کس مغربی تقلید نے جداگانہ رہائش اختیار کرنے پر ابھارا تھا۔ اس زمانے میں نسوانی حلقہ کو تو چھوڑیئے۔ مردوں میں بھی "ابن الوقت" کو کوئی پسندیدہ نظروں سے نہ دیکھتا تھا۔

"پردہ"۔ "اپنی پسند کی شادی"۔ یا "کورٹ شپ" اور چیزیں ہیں۔ مگر مشترک خاندان اور مشترک رہائش کو اب وہ اہمیت نہیں رہی۔ اگلے وقتوں کی نانیاں اور دادیاں بڑے بڑے محلوں میں کثیر مصارف کے ساتھ رہتی سہتی تھیں۔ مگر اقتصادی زبوں حالی جوں جوں بڑھتی گئی محلسراؤں، عظیم الشان بالاخانوں اور کوٹھیوں میں مشترک رہائش مشکل نظر آنے لگی۔ پھر چھوٹے چھوٹے کم خرچ مکانوں میں علیحدہ رہنا پڑا۔ اور اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانی پڑی۔ جس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ مشترکہ رہائش میں جو آئے دن کے تنازعات برپا ہوا کرتے تھے۔ ان سے نجات مل گئی۔

جن لوگوں کو مشترکہ رہائش کا اتفاق نہیں ہوا وہ اس کی خوبیوں اور برائیوں پر نا قدانہ رائے قائم نہیں کر سکتے مگر جنہیں مدتوں اس کا تجربہ ہوا ہے۔ وہ اس علیحدہ رہائش کو ہر طرح قابل ترجیح قرار دیں گے۔ مشترک رہائش میں پہلے ساس یا بڑی نندیا بڑی بھاوج سردار اور سب کی مالک ہوتی تھیں۔ تمام آمدنی ان کے ہاتھ میں آتی۔ اور وہ مناسب موقع سے سارے خاندان کی خوراک وپوشاک کا انتظام کرتی تھیں۔ اگر ایک بھائی ۵۰۰ کماتا تھا اور دوسرا ۲۰۰۔ تو دونوں کی آمدنی ان کے ہاتھ میں آتی۔ اور مساویانہ حیثیت سے دونوں کی بیوی اور بچوں سے سلوک کرتی تھیں اور وہ ان کے دست نگر ہوتے تھے۔ مگر اب حالات بدل گئے ہیں۔ جو دوائیں اور نسخے انسائیکلوپیڈیا و برٹش فارما کوپیا میں اب سے ۵۰ سال پیشتر مفید سمجھے جاتے تھے۔ اب منسوخ ہو چکے ہیں۔ حالانکہ طبائع۔ بیماریاں اور آثار امراض وہی ہیں۔ مگر زمانہ کی ایجادات اور آب وہوا کے لحاظ سے اب ان کا اثر قائم نہیں رہا۔ اور نئی اختراعات کو اختیار کرنا لازم ہو چکا ہے۔

میکے میں مل جل کر رہنا الگ بات ہے۔ مگر سسرال کے ماحول میں ہر شخص کو خوش رکھ کر مشترکہ رہائش کے زیر اصول مشترکہ زندگی بسر کرنا دوسری چیز ہے۔ یہ امر تو تسلیم شدہ ہے۔ کہ دنیا میں آپ ہر شخص کو خوش نہیں رکھ سکتیں۔ ایک آپ کے حسن سلوک کا گرویدہ ہے۔ تو دوسرا آپ کی کج خلقی اور خشک مزاجی کا شاکی۔ کوئی آپ کو فضول خرچ قرار دیتا ہے۔ تو دوسرا آپ کو جزرس اور کنجوس۔ پس ان حالات کے زیر نظر علیحدہ زندگی بسر کرنے کا صرف تصور ہی نہیں عمل بھی پسندیدہ ہے۔ دوری کی صاحب سلامت اور تھوڑی دیر کی ملاقات زیادہ پُر لطف ہوا کرتی ہے اور ہمیشہ ساتھ رہنے سے معمولی معمولی اختلاف پرکشیدگی اور رنجش پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ جن کے ہاں اولاد ہوتی ہے انہیں اس کا سب سے زیادہ تلخ تجربہ ہوتا ہے۔ اکثر جٹھانیوں دیورانیوں اور نند بھاوجوں میں بچوں کی وجہ سے خانہ جنگی کی نوبت آجاتی ہے یا اپنے بچے کی بیجا ہٹ پر تنبیہ کرنے کی پاداش میں ساس ناخوش ہو جاتی ہیں۔ پھر قاعدہ کی بات ہے کہ بیجا طرفداری پر بیٹی نے ماں کو منع کیا یا صرف یہی کہہ دیا کہ آپ مہربانی سے دخل نہ دیں۔ تو اس قدر برا نہیں ہوتا لیکن اگر ستم رسیدہ بہو سے یہ بے ادبی سرزد ہو گئی تو پھر دوسری دیورانیاں، جٹھانیاں اور نندیں، ساس کی طرفداری میں اس پر

ٹوٹ پڑتی ہیں۔ اور اٹھتے بیٹھتے ایسے طعنے دیئے جاتے ہیں کہ وہ دل ہی دل میں گھلتی رہتی ہے۔ اسی طرح اگر ساس نے بہو سے بہو کے معاملے میں دخل دیا۔ یا پوتے پوتیوں یا نوکرانیوں کی حمایت میں ایک جملہ بھی کہا یا بطرزِ نصیحت کوئی بات کہہ دی تو ساس کی نصیحت کڑوی محسوس ہوتی ہے اور ان کی باتوں کو تنگ نظری اور دشمنی سمجھا جاتا ہے۔ اور ایک کی دس لگا کر شوہر کو سناتی ہیں۔ جس سے ماں بیٹے میں اختلافات اور رنجش کی بنیاد پڑتی ہے۔ بیٹا اگر سعادتمند ہو تو حتی الامکان اس فساد کو بحسن وخوبی رفع دفع کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ مگر کب تک روز روز کے جھگڑوں کو چکانا آسان کام نہیں۔ گو وہی ساس نندیں یا بھاوجیں اگر مہینہ یا ہفتہ عشرہ کے لئے مہمان آتی ہیں۔ تو ان کی جس قدر خاطریں اور آؤ بھگت ہو کم ہوتی ہے۔ آپ مشترک زندگی بسر کیجئے یا نہ کیجئے مگر بھائی کو بھائی بہن کو بہن اور ماں کو ماں ضرور سمجھتی رہیں گی۔ ان سے انحراف ممکن نہیں۔ مگر سسرال میں رہ کر اور مشترک زندگی بسر کرنے کے بعد ساس کو محبت سے خالی۔ اور نند کو بیری اور دیور کو اپنا حریف ضرور تصور کرنے لگتی ہیں۔ اور ان محبوب اور عزیز رشتہ داریوں کا احترام ساتھ رہنے کی وجہ سے زائل ہوجاتا ہے۔

محترمہ کا یہ کہنا بھی سراسر سطحی ہے کہ انگریزی تمدن میں mother in law کا کردار کوئی مخصوص چیز ہے۔ ہر ملک میں ساس کو درحقیقت داماد اور بہو دونوں ہی غیر ضروری سمجھتے ہیں داماد مرد ہونے کی حیثیت سے چونکہ الگ تھلگ رہتا ہے۔ اس لئے اس قدر بدنام نہیں۔ اور بہو چونکہ ۲۴ گھنٹے ساتھی ہے اس لئے وہ ساس کی نظر میں بُری۔ اور اس کی نظروں میں ساس بُری ہے۔

محترمہ ایک جگہ ارقام فرماتی ہیں کہ بہو ساس کے نزدیک لڑکے کی دلہن ضرور ہوتی ہے مگر وہ یہ کبھی گوارا نہیں کرتی کہ بہو شرم ولحاظ سے انحراف کر جائے اُسے توقع ہوتی ہے کہ وہ ایک خورد کی طرح رہے اور اپنے شوہر سے ملنے جلنے میں اس خوردی کا لحاظ رکھے۔ مگر شرم ولحاظ کا سوال تو چند ماہ یا چند سال تک محدود ہوتا ہے۔ وہ ساس کی نظروں میں ہمیشہ خورد ہی رہتی ہے اور کوئی بہو بھی خود کو ساس سے بزرگ نہیں خیال کرتی مگر شوہر سے خوردی کا کونسا لحاظ رکھے گی یہ میری ناقص سمجھ میں مطلق نہیں آیا۔ شوہر اور بیوی تو ایک گاڑی کے دو مساوی پہیئے ہیں۔ اگر بیوی ہمیشہ خوردسال رہے گی۔ تو یہ گاڑی کیونکر چلے گی۔ اور پھر آنے والی نسلوں کی سرکردگی کون کرے گا۔

مشترک خاندان سے میرے خیال میں حیا و خوردی اور بزرگی کا کوئی تعلق نہیں۔ بزرگوں کا ادب۔ اور چھوٹوں کا لحاظ اسلامی تہذیب ہمیں سکھاتی ہے۔ ہمیں انگریزی ضرب الامثال نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اتحاد واشتراک عمل ہماری دینی تعلیم ہے۔ مگر مشترکہ رہائش میں ہر فرد یہی خیال کرسکتا ہے۔ کہ میرا روپیہ دوسروں پر بے دریغ خرچ ہورہا ہے۔ اگر ہم علٰیحدہ رہتے تو اس سے کم خرچ میں گزارا کر کے کچھ پس انداز کرسکتے۔ لڑکوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ بھیج سکتے۔ لڑکیوں کو یونیورسٹی کے لئے تیار کرتے بچوں کو اپنے حسب منشاء تربیت کرتے۔

سسرال میں خورد کی حیثیت سے صرف نئی بیاہی بہو دیں رہ سکتی ہیں۔ لیکن جہاں ان کے بال بچے ہوگئے۔ ان کی تعلیم وتربیت کے لئے بہوؤں کو "خورد سالی" کے خیال کو دور کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ بچوں کی تنبیہ اور نگہداشت ماں ہی اچھی طرح کرسکتی ہے۔ چنانچہ نسل آئندہ کی ماؤں اور باپوں کی تعلیم وتربیت کے لئے پُرسکون علٰیحدہ اور خود مختار فضاء کی ضرورت ہوتی ہے۔

پاس رہ کر درد دل اور پاس وفا کی پابندی آسان نہیں ہے میرے خیال میں دُور رہ کر محبت و درد دل زیادہ ہوتا ہے۔ جدائی سے محبت بڑھتی ہے۔ جدائی اگر نہ ہو تو ملنے کا مزا نہیں۔ اور نہ علٰیحدہ رہنے سے ہم میں بے حیائی پیدا ہوسکتی ہے مغربی اقوام میں علٰیحدہ رہائش کی وجہ سے کیا شرم وحیا کا فقدان ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ اپنے اپنے ملک کی رسم ہے۔ اور زمانے کا رنگ ہر وقت زمانہ نت نئے دستور اختراع کرتا ہے۔ ان میں سے یہ آزاد خیالی بھی ہے۔ مشترکہ رہائش نہ صرف باہمی اختلافات اور مناقشات کی ذمہ دار ہے۔ بلکہ ہمارے خیالات کو پست اور ذہنیت کو محدود اور غلامانہ بنانے میں بھی معاون ہے۔

جمیلہ بیگم کلکتہ

عصمت دہلی

اولاد پر والدین کے اثرات

ہر بچہ اپنے مزاج، طبعی مناسبت اور شخصیت کے لحاظ سے دوسرے سے مختلف ہوتا ہے مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ماحول، تعلیم و تربیت کا بھی بڑا اثر قبول کرتا ہے۔ پھر چونکہ بچے کو آنکھ کھولتے ہی سب سے پہلے اپنے گھر اور بالخصوص والدین کا ماحول ملتا ہے۔ اس لئے وہ ان کے اثرات بہت جلد اور آسانی سے قبول کرنے لگتا ہے، اگر والدین میں کچھ کمزوریاں، نقائص اور برائیاں ہیں تو ان کا بچے کی سرشت میں داخل ہونا ناگزیر ہے، یہ بات الگ ہے کہ آئندہ اعلیٰ تعلیم و تربیت یا ماحول کی تبدیلی اور کچھ بڑا ہو جانے کی وجہ سے ان میں کچھ تبدیلی یا کمی ہو جائے۔ مگر یہ بچے کی سرشت میں داخل ضرور ہو جاتی ہیں، اور زندگی میں کبھی ان کا اظہار ہوتا رہتا ہے، چنانچہ بعض انسانوں میں ان کے عام مزاج اور سرشت کے خلاف جو کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ اس کا سبب یہی ہے، اس لئے یہ کہنا بالکل ٹھیک ہے کہ والدین کو یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ صحیح بچے پیدا کرنا ان کی اصلاح سے بدرجہا بہتر ہے، بنی نوع انسان کی بھلائی چاہنے والے افراد جو بالغوں کی اصلاح کرتے ہیں۔ یقیناً ایک بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں، اور وہ والدین بھی اچھے ہیں جو اپنے بچوں کی صحیح پرورش اور تعلیم و تربیت کرتے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ قابل تعریف وہ لوگ ہیں جو اپنے بچوں کی پیدائش سے قبل ہی تربیت شروع کر دیتے ہیں۔ اور اچھے اثرات کی بدولت ان کے مزاج، سیرت اور کردار میں دخیل ہو کر ان کی زندگی کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتے ہیں، توریت کا ایک جملہ ہے کہ "بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے بدی اس وقت داخل ہو جاتی ہے اور ایسے بچے پیدا ہوتے ہی بھٹکنے لگتے ہیں" یہی صورت نیکی کی ہے، اور اس کا اثر بھی وہیں سے شروع ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ لڑکے پر باپ کا اور لڑکی پر ماں کا اثر زیادہ پڑتا ہے۔ چنانچہ ایک مثل مشہور ہے کہ "باپ پر پوت پتا پر گھوڑا، بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا" اس کی وجہ یہ ہے کہ لڑکے کے سامنے باپ کی اور لڑکی کے سامنے ماں کی نظیر ہوتی ہے، وہ ہر بات میں ان ہی کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہاں ماں اور باپ میں تھوڑا سا فرق ہو جاتا ہے، بچہ لڑکا ہو یا لڑکی باپ کا اثر کچھ دیر میں قبول کرتا ہے، مگر ماں کا اثر اس پر صرف ولادت کے بعد بلکہ اس سے قبل ہی شروع ہو جاتا ہے اس لئے یہ کہنا کچھ غلط نہیں کہ بچے کی حقیقی تربیت ولادت کے دن سے شروع نہیں ہوتی بلکہ داغ بیل اسی وقت سے پڑ جاتی ہے۔ جبکہ وہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، اس طرح بچوں کی پرورش و پرداخت میں عورت کا دخل بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ جب بچہ شکم مادر میں ہوتا ہے تو ماں کے خیالات و رجحانات کا اثر نہ صرف اس کی سیرت و کردار کو متاثر کرتا ہے بلکہ اُن کے ذائقے، اطوار، بدن کی ساخت ان کی خواہشات کو بھی یہی چیزیں متعین کرتی ہیں، ذیل کی چند مثالوں سے اس کی بخوبی وضاحت ہو جائے گی۔

نپولین بوناپارٹ جب پیٹ میں تھا تو اس کے باپ کو ایک جنگی مہم پیش آ گئی، جس میں اس کی ماں بھی گھوڑے پر سوار اس کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ وہ کئی ماہ تک فوجی ماحول میں رہی اور فنونِ جنگ سے اچھی خاصی واقف ہو گئی، اور بعض فوجی فرائض بھی انجام دینے لگی، ان تمام چیزوں کا اثر بچہ پر پڑا، نپولین کو بچپن ہی سے فوجی کھیلوں کا بڑا شوق تھا، وہ برف کے قلعے بناتا اور اپنے کمسن ساتھیوں کے ہمراہ لڑائیاں لڑا کرتا تھا۔ اس کو جنگ اور فتوحات کی گفتگو سے بڑی دلچسپی تھی۔ ان سب چیزوں نے اس کو دنیا کا ایک مشہور جنرل بنا دیا۔

شہنشاہ اکبر کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے وہ اس وقت ماں کے پیٹ میں تھا، جبکہ اس کا باپ ادھر سے ادھر مارا مارا پھر رہا تھا، اس کی ماں گھوڑے پر سوار شوہر کے ہمراہ رہتی تھی جہاں کہیں دشمن مل جاتے ان سے ایک آدھ جھپٹ ہو جاتی

اور بھوکوں ہی نوبت آجاتی، اسی زمانے میں اکبر پیدا ہوا اور اس کی زندگی میں ان چیزوں نے کافی اثر ڈالا، یہی وہ پوشیدہ تربیت تھی، جس نے اس کو تخت پہ بیٹھنے کے کچھ عرصے بعد ہی شاہ گجرات کی سرکوبی کے لئے تین دن میں دہلی سے گجرات پہنچا دیا۔ اکبر میں باپ کی نرمی اور روا داری کا اثر بھی آیا، ہمایوں نے ہمیشہ اپنے بھائیوں کو معاف کیا، اکبر نے باغی سرداروں کا سر اپنے ہاتھ سے قلم کرنا گوارا نہ کیا، بیرم خاں نے بغاوت کی مگر جب گرفتار ہو کر سامنے آیا تو اکبر نے اس کو گلے سے لگایا اور قصور معاف کر دیا۔

رابرٹ برنس انگریزی کا ایک مشہور شاعر گذرا ہے، اس کی ماں ایک خوش طبع عورت تھی۔ اور اس کو گیتوں اور گانوں سے بڑی دلچسپی تھی، اور وہ اپنے گھر کا کام کرتے ہوئے ان ہی کو گنگنایا کرتی تھی۔ چنانچہ جب اس کے یہاں بچہ پیدا ہوا تو بچپن ہی سے اس میں یہ ذوق جھلکنے لگا اور آخر کار ایک دن وہ بڑا شاعر بن گیا۔ اسی طرح کی ایک اور مثال فلاکس مین کی ہے جو بڑا بھاری مصور گذرا ہے۔ جس کی تصویروں کی خوبصورتی اور نزاکت کی بڑی تعریف کی جاتی ہے۔ اس کی ماں کو فنونِ لطیفہ سے بڑی دلچسپی تھی، اور جب یہ لڑکا پیٹ میں تھا تو وہ گھنٹوں مجسموں اور اعلیٰ قسم کی تصویروں کو بغور دیکھا کرتی اور ان کی نفاستوں اور باریکیوں پر غور کیا کرتی تھی، چنانچہ وہ اس بات کا پختہ یقین رکھتی تھی کہ اس کے بیٹے میں جو کمال پیدا ہوا وہ در اصل خود اسی کی محنت کا نتیجہ ہے۔

سر سید کی تربیت میں ان کی والدہ کی کوششوں کا خاص دخل رہا ہے، دُنیا کے اکثر مشاہیر کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے۔ اور ان کی فطری صلاحیتوں کو بہت زیادہ اجاگر کرنے والی ان کی مائیں ہی تھیں۔ ایک اور ماں کا ذکر ہے کہ وہ ولادت سے قبل اپنا سارا وقت کتب بینی میں گذارا کرتی تھی اس کے کچھ عرصہ بعد اس کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی، جب یہ لڑکی دو ڈھائی سال کی ہو گئی تو اس کو کتابوں سے دلچسپی پیدا ہو گئی، اور جب اس کو کوئی کھلونا دیا جاتا تو وہ اتنی خوش نہیں ہوتی جتنی کہ ایک کتاب پا کر خوش ہوتی تھی، خود میرا بڑا بچہ جو سوا سال کا ہے۔ کتاب یا اخبار دیکھتے ہی بُری طرح اس پہ گرتا ہے، اور گھنٹوں اس کو الٹ پلٹ کر دل بہلایا کرتا ہے۔

جس طرح اچھی باتوں کا اثر پڑتا ہے، اسی طرح بچہ بُری باتوں کا اثر بھی قبول کرتا ہے۔ چنانچہ مسٹر سی، جی، بیر بیر نے اپنی کتاب "مادری اثرات" میں ایک عورت کی مثال دی ہے جس کو اس کا شوہر گھر کے خرچ کے لئے کچھ رقم دیا کرتا تھا۔ مگر اخراجات کی زیادتی کی وجہ سے وہ اکثر اپنے شوہر کی کچھ رقم اڑا لیا کرتی تھی، اس زمانے میں اس کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا جو بڑا چور نکلا۔ مگر اس کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہمیشہ صرف اپنے عزیز و اقارب کی چیزیں چرایا کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے باپ، ماں، بہن بھائی، اور دوسرے قریبی عزیزوں کی مختلف چیزیں مثلاً گھڑی، زنجیر، کوٹ، سوٹ وغیرہ چرائے۔ مگر کبھی کسی غیر آدمی کی چوری نہیں کی۔

ایک ماں کو چائے پینے کی بڑی عادت تھی، اور وہ دن میں کئی بار چائے پیا کرتی تھی، جب اس کے یہاں بچہ پیدا ہوا تو وہ دودھ کے بجائے چائے بڑی رغبت سے پیتا تھا۔ صرف یہی نہیں ہوتا کہ ماں جو کچھ کرتی ہے، یا جو کھاتی پیتی ہے، اس کا اثر اولاد پر پڑتا ہے بلکہ محض اس کے تخیلات کا اثر بھی اولاد قبول کرتی ہے، یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ شادی کے بعد اگر بچہ جلد پیدا ہو جائے تو عموماً وہ شکل و شباہت میں باپ سے ملتا جلتا ہوتا ہے کیونکہ نئی نویلی دولہن کا مرکزِ خیال اس کا شوہر ہی ہوتا ہے لیکن دوسرے بچوں کی پیدائش میں چونکہ کافی وقت گزر جاتا ہے۔ اور مرکزِ خیال ایک نہیں رہتا۔ اور وہ اگلی سی خوش وقتی باقی نہیں رہتی، عورت گھر کے کام دھندوں یا بچوں کی پرورش میں لگ جاتی ہے۔ اس لئے دوسرے بچے باپ سے اتنے زیادہ مشابہ نہیں ہوتے، یہ بھی صحیح ہے کہ وہ بچے جو والدین کی خوشحالی میں پیدا ہوتے ہیں فیاض بلکہ فضول خرچ ہوتے ہیں، تنگ دستی اور معاشی مشکلات

کے زمانے میں پیدا ہونے والے بچے چڑچڑے یا بعض اوقات کنجوس ہوتے ہیں۔

بعض اوقات بچوں پر چند پیدائشی نشانات پائے جاتے ہیں، اکثر صورتوں میں ان کا تعلق بھی ماں کے تخیلات یا واقعات سے ہوتا ہے، چنانچہ ڈاکٹر ریگر نے مثال دی ہے کہ ایک عورت کو جب پیٹ میں بچہ سات ماہ کا تھا۔ ایک کتے نے کاٹ کھایا۔ اس وقت وہ بہت ہی وحشت زدہ ہوئی، لیکن دو ایک روز بعد وہ اس واقعہ کو بالکل بھول گئی۔ دس ہفتے بعد جب اس کے یہاں بچہ ہوا تو اس کی داہنی ٹانگ پر کتے کے دانتوں کے نشانات موجود تھے، مگر دو تہائی نشان صرف پانچ ہفتے میں غائب ہو گئے اور باقی بھی کچھ دنوں کے بعد بالکل مٹ گئے۔ اس کے برخلاف ایک دوسری عورت کے گھوڑے نے لات مار دی۔ اس کو کچھ زیادہ چوٹ نہ آئی، مگر اس نے اس واقعہ کو بڑی اہمیت دی، اور ہر شخص سے اس کا اندیشہ ظاہر کرتی تھی کہ کہیں اس کے بچے کے بدن پر اس کا نشان نہ پڑ جائے، چنانچہ جب اس کے یہاں بچہ پیدا ہوا تو اس کے سر پر ایک جگہ سے بال اڑے ہوئے تھے اور گھوڑے کے سم کی علامت موجود تھی، یہ نشان عمر بھر نہ مٹ سکا، غالباً یہی سبب ہے کہ آج بھی ہمارے اکثر گھروں میں زچہ کو گرہن کے وقت کسی چیز کے توڑنے، کاٹنے یا کترنے سے منع کیا جاتا ہے۔ اور اس کو بے حس و حرکت پلنگ پر چت لیٹ جانے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ خیال یہ ہے کہ اگر اس وقت وہ کوئی کام کرے گی تو اس کا اثر بچہ پر پڑے گا، چونکہ پرانے زمانے میں چاند یا سورج گرہن کو ایک سماوی آفت سمجھا جاتا تھا، اور عام لوگوں کو بھی نیک کام کرنے کی تلقین کی جاتی تھی۔ اس لئے زچہ کے ساتھ جو سلوک بھی کیا جاتا کم تھا، مگر اب وہ اگلی سی بات تو نہیں رہی، تاہم یہ اعتقاد ضرور باقی ہے، اور چونکہ یہ اعتقاد عرصہ دراز سے چلا آ رہا ہے۔ اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اگر اس کی خلاف ورزی ہو جائے اور خیال برابر بندھا رہے تو اس کے اثرات بھی نمایاں ہو جائیں۔

بہر حال اولاد پر والدین کے اثرات بہت زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ اور دنیا کی کوئی طاقت ان کو روک نہیں سکتی تعلیم یا تربیت کا اثر ان کو بالکل باطل نہیں کر سکتا، سائنس اور طب نے بہت کافی ترقی کر لی ہے۔ پیدائشی نقائص کو دور کیا جا سکتا ہے۔ کمزور کو قوی بنایا جا سکتا ہے، گوشت کا پیوند لگایا جا سکتا ہے۔ بیمار کی رگوں میں تندرست کا خون دوڑایا جا سکتا ہے۔ غیر ضروری اعضا کی قطع برید کی جا سکتی ہے۔ مگر والدین کے فطری اثرات میں کوئی ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ موت کی طرح اٹل ہیں۔ اب یہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ جیسے اثرات چاہیں اپنی اولاد پر ڈالیں، لیکن تربیت جتنی جلد شروع ہوگی، اتنی ہی اچھی اور راسخ ہوگی۔ اور اسی میں ان کی اور ان کی اولاد کی فلاح و بہبود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بچہ پیٹ میں ہو تو عورت کو اچھی باتیں سوچنے، اچھے کام کرنے، اور ہنسی خوشی رہنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ جتنا ان باتوں پر زیادہ عمل کیا جائے گا اتنی ہی اولاد بہتر، اور تندرست پیدا ہوگی، اور اس کے اخلاق و عادات درست ہوں گے، اور آئندہ اس کی تعلیم و تربیت پر کم محنت کرنی ہوگی۔

محمد احمد سبزواری، ایم۔اے

راوی کے کنارے

بیٹھی ہوں شب ماہ میں راوی کے کنارے — آکاش پہ ہیں کھیل رہے شوخ ستارے
خاموش نظر آتی ہے پانی کی روانی — ہے نیند کی آغوش میں لہروں کی جوانی
پتوں پہ ہیں رقصاں مہ کامل کی شعاعیں — کلیوں کے گلے میں ہیں پڑے ڈالے ہوئے باہیں
پھولوں کی چمکتی ہوئی رنگین قبا ہے — ہر ایک کلی مائل انداز حیا ہے!
سنسان کنارے پہ چمن سویا ہوا ہے — ماضی کی کسی یاد میں یا کھویا ہوا ہے
پُرکیف مناظر ہیں طرب بیز ہوائیں — خوشبو میں لٹاتی ہیں فسوں خیز ہوائیں

بیٹھی ہوں شب ماہ میں راوی کے کنارے
آکاش پہ ہیں کھیل رہے شوخ ستارے

نجمہ انوار الحق

عصمت ولی

دعوت!

بھیّا کا تبادلہ سیتاپور کا ہوا تو انہوں نے مجھے اور اماں کو
اس بات پر رضامند کر لیا کہ ہم ان کے ساتھ چلیں تاکہ گھر بار جمانے میں
بھیّا کو دقت نہ اٹھانی پڑے ہو سکے تو خود تین ماہ میں بھیّا کی شادی
سے بھی فارغ ہو جائیں۔ سیتاپور پہنچ کر ہمیں شہر سے باہر ایک خوشنما
بنگلہ مل گیا اور میں نے ایک ہفتہ کی جان توڑ محنت میں بنگلہ کو
آراستہ کر کے دلہن بنا دیا۔ ایک دن شام کو بھیّا نے دفتر سے واپس
آ کر کہا "بھئی سعیدہ یہاں اتفاق سے ہمارے ایک پرانے دوست
بھی مل گئے ہیں۔ نہایت مخلص اور معقول آدمی ہیں۔ انہوں نے آج
بہت اصرار سے کہہ دیا ہے کہ اپنی والدہ اور ہمشیرہ کو کل صبح نو دس بجے
ہمارے یہاں ضرور لاؤ۔ کھانا غریب خانہ پر ہی تناول فرمائیں گی
اور تمہاری بھابی سے ملاقات ہو جائے گی۔ اس بہانہ اپنے ہم وطنوں
سے مل لیں گی۔" میں نے بہت ٹالا مگر وہ نہ مانے۔ خفا ہونے لگے کہ
"ایسی بھی خیریت کس کام کی۔ کل اتوار ہے۔ تم بھی گھر میں پڑے پڑے
کیا کرو گے۔ والدہ اور ہمشیرہ کو لے کر آ جاؤ۔ ان کی تفریح ہو جائے گی
نیا شہر ہے۔ نئے لوگ ہیں۔ دل گھبراتا ہو گا۔" اب بولو بھئی سعیدہ
تمہارا کیا ارادہ ہے؟" میں نے کہا "بھیّا نیکی اور پوچھ پوچھ۔ آپ
جانتے ہیں کہ میں ایسے موقعوں پر سب سے آگے رہتی ہوں مگر
امی جان کو راضی کرنا ذرا مشکل کام ہے۔" بھیّا نے کہا "باؤلی
یہ کیا مشکل ہے۔ امی جان سے بس یہی کہہ دینا کہ آپ کے پانی پت
کی ایک بیوی ہیں۔ اگر پسند کریں تو ان سے مل لیجئے۔" میں نے بھیّا
کے کہنہ رس دماغ کی داد دیتے ہوئے وعدہ کر لیا کہ میں امی جان کو
راضی کروں گی۔

دوسرے دن ناشتہ سے فارغ ہو کر میں نے جلدی جلدی
امی کے کپڑے نکالے، کنگھی، سرمہ دانی، آئینہ سب ان کی چوکی پر رکھ
کر کپڑے تبدیل کرنے چلی گئی۔ میں تیار ہو کر آئی تو امی جان بھی کپڑے
بدل چکی تھیں۔ اور بھیّا شیروانی پہنے میرا انتظار کر رہے تھے۔ بھیّا
نے مسکراتے ہوئے امی جان سے کہا "امی تشریف لے چلئے موٹر
تیار ہے۔ سعیدہ کو تو میرے خیال میں گھر کی چوکیداری کے لئے چھوڑ
جائیے۔" امی جان ناراض ہو کر بولیں "واہ بھئی واہ چھوڑنے کی!
ایک ہی امیری بچی میری جان کے ساتھ ہے۔ جہاں میں جاؤں
وہ میرے ساتھ ہو گی۔ تمہارا بس چلے تو بہن کو اکیلے ڈھنڈار گھر میں
کر تالا نہ ڈال دو۔ مگر میں کیسے گوارہ کروں گی۔" میں نے بھیّا کو ایک ناز
مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا اور ذرا اکڑ کر کھڑی ہو گئی۔ بھیّا نے کہا "امی
آخر گھر میں بھی تو کوئی رہنا چاہئے۔ اگر خدانخواستہ آپ کی تیاری کو کوئی
اٹھا کر لے گیا۔ تو میں بے چارہ کیا کروں گا؟" امی نے کھسیانی ہوتے
ہوئے دونوں پاؤں کھینچ کر چوکی پر رکھ لئے اور بولیں "احمد تیری
ان ہی باتوں پر تو میرے آگ لگتی ہے۔ اچھا لے نہیں جاؤں اور
میری بچی جائے۔" میں نے دبی ہوئی آواز سے کہا "امی بھیّا وہاں
میں جا کر کیا کریں گے۔ ان کو گھر میں ہی رہنے دیجئے۔" بھیّا بولے "او
بیگم تم کو راستہ کون بتائے گا۔" میں نے کہا "لیکن مجھے تو آپ لے جانے سے
انکار کر رہے ہیں۔" وہ بولے "ہاں ہاں یہ تو میں اب بھی کہہ رہا ہوں
کہ امی جان ہو آئیں گی۔ تمہارا کیا ٹھوکہ ہے؟" امی کا غصہ کچھ کم ہو گیا
اور وہ کانوں میں سے بالی پتہ اتارتے ہوئے بولیں "تو کوئی نہیں
جاتا بس۔ تو خود چلا جا۔" بھیّا کھلکھلا کر ہنس پڑے اور امی کے
گلے میں باہیں ڈال کر بولے "اچھی میری امی یہ کیسے ہو سکتا ہے
آپ میرے سر پر اور سعیدہ (آہستہ سے) میرے پاؤں پہ۔ آپ
میری موٹر کی نرم نرم سیٹ پر اور سعیدہ اس کے ٹائر پہ۔" میں نے
بھیّا کو گھور کر دیکھا اور دل ہی دل میں کہا۔ ٹھیرو تو سہی کیسی خفتیاں
کرواؤں گی۔ بھیّا بولے "امی جان اور ہاں بھئی سعیدہ بیگم صاحبہ
چلئے تشریف لے چلئے کار تیار ہے۔"

ہم لوگ برآمدہ سے نکل کر کار میں بیٹھ گئے اور تقریباً پندرہ بیس
منٹ میں اپنے میزبان کے مکان پر جا پہنچے۔ میزبان بیوی (بھیّا کی نئی
بھابی) استقبال کے لئے دروازے تک آئیں۔ ان کے پیچھے دو تین
بچے بھی روتے چلے دوڑے۔ نئی بھابی نے بچوں کو اشارہ سے
منع کیا۔ لیکن ایک بچہ تو ٹانگوں میں لپٹ گیا کہ نہیں میں بھی چلوں گا
بھابی نے بچے کو بمشکل ہٹا کر ہم لوگوں کو خیر مقدم کہا اور [illegible]

کرہیں بلاکر بٹھایا۔ بھتیا مردانے میں چلے گئے کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں
ہوتی رہیں۔ امی جان نے پانی پت کا ذکر چھیڑ دیا جس میں نئی بھابی نے
بہت دلچسپی لی۔ میں نے ایک بچہ کو (جو مسہری کے تکیہ سے جھول رہا تھا)
اشارہ سے بلاکر گود میں بٹھا لیا اور پوچھا "میاں آپ کا نام کیا ہے"۔
بچے نے کرتے کا دامن چوستے ہوئے کہا "چوں بتائیں" نئی بھابی
بولیں "ان کا نام ظہور میاں ہے"۔ میں نے کہا "جناب ہمیں آپ کا
نام تو معلوم ہو گیا۔ یہ بتائیے کہ آپ کیا پڑھتے ہیں"۔ ظہور میاں میرے
کلہ پہ انگلی مار کر بولے "تیری اماں کا چھتر (سر)"۔ ابھی ظہور میاں سے
باتیں ہو رہی تھیں کہ باورچی خانہ سے بڑی بی ہانپتی کانپتی سر پہ دوپٹہ
کی ڈھیری رکھے آئیں۔ اور پوربی لہجہ میں بولیں "بیگم صاحبہ جلدی چلئے
منجھلے میاں سارا سالن سپوٹ جات ہیں"۔ بیگم صاحبہ نے بڑی بی کو
گھورتے ہوئے کہا "آخر تم کو کب تمیز آئے گی۔ جاؤ انا سے کہہ دو
منجھلے میاں کو وہاں سے لے جائیں"۔ مجھ سے مخاطب ہو کر بولیں "بہن یہاں
کے ملازم بہت ہی بدتمیز اور اجڈ ہیں۔ ہمارے پانی پت کی مامائیں اس
قدر تمیزدار اور باسلیقہ ہوتی ہیں کہ بیوی کو دخل دینے کی ضرورت ہی
نہیں پڑتی اور وہ سارا کام سنبھال لیتی ہیں"۔ میں نے کہا "جی ہاں اچھے
ملازم تو ذرا مشکل ہی سے ملتے ہیں"۔ ابھی چار یا پانچ منٹ باتیں کرتے
گزرے تھے کہ ایک ملازمہ اور کئی بچوں کی پیہم دھاڑ سے سارا گھر گونج
گیا۔ میزبان بھابی کڑک دار آواز سے چلائیں "کیوں شور مچا رکھا ہے"۔
لیکن نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا؟ ماما اور بچوں کی چیخیں اور
اور زیادہ بلند ہو گئیں۔ آگے آگے نئی بھابی اور پیچھے سے میں بھی دوڑ کر
ہوئی پہنچی۔ منجھلے میاں بوڑھی انا کا گریبان پکڑے لٹک رہے تھے اور
منجھلے بھتیا اس کے دامن کو دانتوں سے بری طرح دبائے ہوئے تھے
اور انا ایک میلی کالی سی صندوقچی پر چھنگل پاؤں رکھے دونوں پہلوانوں
کا مقابلہ کر رہی تھی۔ نئی بھابی نے بچوں کو علیحدہ کرنے کی کوشش کی لیکن
ان غریب کی کمزور کلائیاں لچک لچک کر ناکام رہ گئیں۔ آخر مجھے بھی
نئی بھاوج کی مدد کرنی پڑی۔ جب ہم دونوں نے پوری قوت سے ایک
ایک بچہ کو الگ کیا تو ایک کے ہاتھ میں بوڑھی انا کے گریبان کی دھجی
آ گئی۔ اور دوسرے کے دانتوں میں دامن کا چیتھڑا لٹکا ہوا۔ میں
نے دبی آواز سے دریافت کیا "انا بچے کیوں ناراض ہو گئے تھے"۔
اس دھینگا مشتی سے بڑھیا کی دھونکنی چل رہی تھی۔ اس نے

صندوقچی پاؤں کے نیچے سے نکال کر روتے ہوئے کہا "بیوی میں
اس صندوقچی میں اپنا سوئی تاگہ بٹن گھنڈی رکھ لیتی ہوں اس وقت
لیکر بیٹھی تھی کہ لاؤ ٹانکہ ٹوبہ بھر لوں۔ اتنے میں سنجھلے میاں اور منجھلے میاں
آ گئے اور جھگڑنے لگے کہ صندوقچی دے نہیں تو تیری چٹیا گھسیٹ کر
اماں کے پاس لے جائیں گے۔ جب میں نے منع کر دیا تو منجھلے بھتیا نے
(صندوقچی دکھاتے ہوئے) دیکھئے میری صندوقچی پر کھڑے ہو کر پیشاب
کر دیا"۔ میں نے کہا "بڑی بی ناسمجھ بچے ہیں ان کی بات کا کیا
خیال کرتی ہو"۔ بڑھیا خاموش ہو گئی اور میں اور نئی بھابی دونوں بچوں کو
ساتھ لے کر نشست گاہ پر آ گئے۔ بھابی بولیں "منظور دیکھو تم بہت
شوخی کرنے لگے ہو دیکھو یہ پھوپھی جان اور دادی اماں پانی پت سے
آئی ہیں اگر تم شرارت کرو گے تو یہ خفا ہو کر چلی جائیں گی"۔ منظور میاں
اٹھلاتے ہوئے بولے "دادی اماں تو نہیں ہیں"۔ نئی بھابی نے امی
جان کی طرف اشارہ سے بتایا کہ یہ تمہاری دادی اماں ہیں۔ امی جان
نے کہا "آؤ میاں ہمارے پاس آؤ" بلانے کی دیر تھی منظور میاں اچک
کر امی جان کی پیٹھ پر لد گئے اور دونوں ہاتھوں سے ان کی گردن
جکڑ لی۔ امی جان نے پیار سے ظہور میاں کے دونوں ہاتھ تھام لئے
لیکن جب گردن کی گرفت کچھ زیادہ مضبوط ہو گئی تو انہوں نے ہاتھ چھڑانے
کی کوشش کی۔ ادھر میں نے میزبان بھابی کی نگاہ بچا کر ظہور میاں کو
آنکھیں نکال کر زور سے گھورا۔ میرے گھورنے سے انہوں نے کسمساتے
ہوئے امی کی گردن تو چھوڑ دی لیکن ان کے سر سے دوپٹہ سرکا کر چوٹی
پکڑ کے زور زور سے گانے لگے "دادی کی چٹیا پکڑ کے لٹک جائیں ذرے
اے ہاں جی"۔ امی جھنجھلا گئی تھیں پھر بھی انہوں نے ضبط سے
کام لیتے ہوئے کہا "بیٹے چوٹی نہیں پکڑتے۔ آؤ ادھر آؤ باتیں کرو
گنتی سناؤ"۔ نئی بھابی شرم سے پانی پانی ہو رہی تھیں۔ آخر انہوں
نے ظہور میاں کے دونوں ہاتھ پکڑ کر کمرہ سے باہر نکال دیا۔ اور مجھ سے
کہنے لگیں "میرا یہ بچہ بہت ہی شریر ہو گیا ہے۔ آپ اپنے بھیا سے کہئے
کہ کوئی ایسا آدمی بتائیں جہاں یہ تھوڑی دیر کو اسے چھوڑ دیا کریں"۔
جی میں تو آیا کہہ دوں "کالج ہاؤس بھیج دیجئے" لیکن بہت اچھا کہہ
کر خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر میں بڑی بی ایک بالٹی لیکر آئیں
اور یہ کہتے ہوئے کہ "بیوی خبردار"۔ بالٹی جو ترچھی ہو کر [illegible]
ظہور میاں کی بھی پسلی پھڑک گئی اور وہ لپکے ہوئے [illegible]

میری بیٹی

اپنی بیٹی سے کون محبت نہیں کرتا۔ اور کون نہیں چاہتا کہ اس
کی بیٹی کی تعریف کی جائے لیکن تعریفوں کے موضوع ہر زمانے میں مختلف
رہے ہیں۔ پہلے زمانے میں اگر بیٹیوں کی تعریف اس میں سمجھی جاتی تھی
کہ وہ خوش مزاج، نیک سیرت، سلیقہ شعار اور انتظام خانہ داری
میں ماہر ہوں، تو آجکل لڑکیوں کی صفات سمٹ کر تعلیم میں آگئی ہیں
والدین کی تمام تر توجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کی لڑکیاں تعلیم یافتہ کیا بلکہ
"ڈگری یافتہ" ہو جائیں۔ یہ ڈگری ان کو ہمہ صفت موصوف
کر دیتی ہے۔

تعلیم واقعی بہت ضروری اور مفید شے ہے۔ اور میں نہیں
کہہ سکتی کہ کس قدر روحانی مسرت ہوتی ہے جب آجکل دو چار "بڑی
بوڑھیوں" کے مجمع میں بجائے ان کو ناک بھلا بھلا کر اور آنکھیں
نکال نکال کر یہ کہتے ہوئے پانے کے کہ "اے بوا تمہاری لڑکی سیانی
ہوئی کب بیاہ کرو گی؟" اب میں اس سے بالکل مختلف بلکہ بالکل
برعکس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے پاتی ہوں۔ لڑکیوں کی تعلیم جس
شدومد سے شروع ہوئی ہے اور جس زور و شور سے پروان چڑھ رہی
ہے۔ خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں اس کو نظر نہ لگ جائے۔ اور دل سے
دعا نکلتی ہے کہ "اللہ کرے اس کی عمر اور زیادہ!"

خواتین کی ہر محفل میں زیور اور کپڑوں کی گرانی کی شکایت اور
اناج کی کمیابی کے گلے کے بعد لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ چھڑ جاتا ہے اور
خدا بھلا کرے اس موضوع کا کہ یہ شروع تو ہوتا ہے دو چار سے لیکن روئی
کی آگ کی طرح پھیل کر پوری محفل کو گھیر لیتا ہے۔ پھر دیکھئے اور غور کیجئے
کیا کیا باتیں ہوتی ہیں۔ اور کیسی کیسی باتیں ہوتی ہیں! ہر ایک کی کوشش
یہ ہوتی ہے کہ میری بات ہر ایک سنے اور میں کسی کی نہ سنوں۔ میری
بیٹی کے گن ہر ایک گائے اور میں کسی کے نہ گاؤں۔ نتیجہ جو ہوتا ہے ظاہر
ہے۔ بعض اوقات یہ موضوع بہت ہی عجیب و غریب شکل اختیار کر لیتا ہے
چنانچہ اس قسم کی محفلوں میں آپ سنیں گی کہ ایک والدہ صاحبہ دوسری
اماں جان سے بظاہر بہت ہی محبت اور اخلاص سے دریافت کرتی ہیں
"اے بہن آپ کی صاحبزادی نے بی اے کا امتحان دیا تھا کیا نتیجہ ہوا؟"

بہن صاحبہ معلوم ہوتا ہے اس سوال کی منتظر ہی تھیں۔ ان کے سارے جسم
میں مسرت کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے ان کی آنکھوں میں چمک اور چہرے
پر شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کا سر ایک شان افتخار سے خود بخود بلند
ہو جاتا ہے اور وہ خوش ہو ہو کر اور جھوم جھوم کر اپنی بیٹی کی تعریف میں
ایک زوردار تقریر کر جاتی ہیں۔

ان کی اس تقریر کا دوسرے سامعین پر (جن کی بیٹیاں بھی
بی اے کے ارد گرد ہی منڈلاتی ہوں) بہت ہی ناخوشگوار اثر پڑتا ہے
بعض تو غصہ کو ضبط کر کے مجبوراً خاموش ہو جاتی ہیں۔ بعض ان کے چھچھورے پن
پر افسوس کرنے لگتی ہیں مگر بعض انتہائے غیظ سے دانت پیسنے لگتی ہیں
بلکہ مقابلہ کے لئے مسلح ہو جاتی ہیں۔ اور اپنی بیٹی کے "گریجویٹ" ہونے
کا حربہ استعمال کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ یہ حربہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کا
جواب دوسروں کے پاس کم ہی ہوتا ہے۔

"میری لڑکی بھی تو شاید آپ کی صاحبزادی کی کلاس فیلو ہی تھی۔"
سکندر اعظم نے ایران کو فتح کر کے شاید اتنی شان محسوس نہ کی ہوگی جو
اس ایک جملے کے ادا کرنے کے بعد یہ خاتون محسوس کرتی ہیں کیونکہ ان
کو کامل یقین ہو جاتا ہے کہ ان کی بیٹی کی تعلیم کا رعب بیٹھ گیا۔

"جی؟" پہلی خاتون گھبرا جاتی ہیں کہ ان کی بیٹی کے برابر کوئی اور
بھی ہو سکتا ہے اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے اپنا آخری تیر صرف
کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ "وہ تو شاید بی اے کے پہلے سال میں تھی!"

"اے واہ بہن!" بہن صاحبہ اس قدر بلند آواز میں گویا ہوتی
ہیں کہ تمام محفل ان کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ "ابھی ابھی سال
تو اس نے بی اے میں اس قدر شاندار کامیابی حاصل کی ہے کہ دور دور
اس کی شہرت ہے تعجب ہے کہ آپ کو نہیں معلوم ہوا!"

آر اے۔ الیف کی بمباری سے برلن کو اتنا صدمہ نہ پہنچا ہوگا
جتنا پہلی والدہ صاحبہ کو ان اماں جان کے ان چند جملوں سے ہوتا ہے
ان پر جیسے بجلی سی گر جاتی ہے لیکن وہ اس طرح آسانی سے اپنی
شکست قبول کرنے والی نہیں۔ مرے ہوئے دل سے [illegible]
کی ناکام کوشش کر کے فرماتی ہیں۔ "بڑی خوشی ہوئی کہ [illegible]

گئی ہے وہ آپ ہی کی صاحبزادی ہے۔ خدا اس کی عمر میں برکت دے۔"

چہ ایک بیگم بھلا اپنے دل کی بیٹی کی محبت کا اظہار کرنے سے کیونکر ضبط کرتی ہیں: "اے بہن میری لڑکی تو بہت ہی شریر ہے کہ کیا بتاؤں! دن رات کھیل کود میں لگی رہتی ہے۔ کالج کی لڑکیاں اور استانیاں تو اس کے پیچھے جیسے دیوانی ہیں۔ کوئی ڈنر، کوئی پارٹی، ڈرامہ، کھیل تماشا ایسا نہیں ہوتا جس میں کالج بھر کی یہ خواہش نہ ہو کہ سلطانہ (ان کی بیٹی) شریک نہ ہو۔ اس لڑکی نے پارٹی دی۔ اس ٹیچر نے مدعو کیا۔ اس ڈیبیٹ میں حصہ لیا۔ اس مقابلہ میں شریک ہوئی۔ لڑکی کا دماغ کیا ایک آفت ہے۔ میں تو اتنا خفا ہوتی تھی کہ اری سلطانہ تیرا امتحان سر پر ہے اور تو کتاب کھول کر نہیں دیکھتی۔ لیکن وہ ایک ہنسی میں سب اڑا دیتی تھی۔ "ابھی تو امتحان کے دن بہت ہیں امی" یہی کہا کرتی تھی۔ سچ کہتی ہوں بہن میں نے تو ایسی لڑکی ہی نہیں دیکھی۔"

دوسری بہن بھی اپنی بیٹی کی تعریف کرنا ضروری سمجھتی ہیں: "کچھ نہ پوچھئے بہن بس ہو بہو یہی حال میری لڑکی کا بھی ہے، خدا کا شکر ہے کہ کامیاب تو ہو جاتی ہے لیکن اگر وہ پڑھتی ہوتی تو ناممکن تھا کہ اول نہ آتی۔ میں تو کہتی ہوں دنیا جہان میں لڑکیاں ہوتی ہیں جو امتحان کی تیاری میں اپنی جان کو جان نہیں سمجھتیں۔ اے بہن یقین مانئے کہ ریاض احمد صاحب کی لڑکی کو میں نے دیکھا۔ ایسا "مٹر یا مٹر" باکر گردن جھکا جھکا کر پڑھتی ہے کہ دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے لیکن ایک رشیدہ (ان کی بیٹی) ہے کہ اسے امتحان کی فکر ہی نہیں۔ دس روز پہلے تو کتابیں خریدی گئیں۔"

یہ سننے کے بعد تیسری بہن صاحبہ جو اب تک مجبوراً خاموش تھیں ان کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو جاتا ہے۔ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ سب تو اپنی "بی اے پاس" لڑکیوں کی مدح سرائی کرتی ہیں اور وہ اپنی انگریزی اسکول میں پڑھنے والی لڑکی کی قابلیت کا رعب نہ بٹھائیں!

"میری تو یہ رائے ہے بہن (حالانکہ ان کی رائے دریافت کرنے کا کوئی اشتیاق نہیں) کہ اصل چیز لیاقت ہے۔ کورس کی کتابیں رٹ رٹ کر امتحان میں اول آجانے سے لیاقت تھوڑی بڑھتی ہے۔ اب یہی دیکھئے نا کہ میری لڑکی [illegible] تو انگریزی اسکول کے نویں درجے میں پڑھتی ہے لیکن اس کی قابلیت کسی طرح بی اے سے کم نہ ہوگی۔ انگریزی [illegible] بولتی ہے کہ اگر کوئی اس کا رنگ نہ دیکھے [illegible] سے ظاہر ہے کہ ذرا سا [illegible]

صرف آواز سنئے تو یہ لگے کہ کوئی انگریز لڑکی بول رہی ہے۔"

دوسری بہن جن کی صاحبزادی بھی شاید انگریزی اسکول میں تعلیم پاتی ہوتی ہیں تائید کرتی ہیں: "انگریزی اسکولوں میں پڑھانے سے یہی فائدہ تو ہوتا ہے کہ انگریزی بولنا آجاتا ہے ورنہ [illegible] ہندوستانی اسکول اور کالج میں تو ..." وہ کچھ آگے کہنے والی ہوتی ہیں کہ گریجویٹ لڑکیوں کی مائیں تلملا جاتی ہیں۔ کتنا ستم ہے کہ ان کی بی اے پاس لڑکیوں کا اسکول میں پڑھنے والی معمولی لڑکیوں سے مقابلہ کیا جائے اور صرف یہی نہیں بلکہ کسی عجیب طریقۂ وزن سے ان کو کمتر کر دکھایا جائے۔

"اے بہن یہ تو نہ کہئے" وہ برا مان جاتی ہیں "صرف انگریزی میں گٹ پٹ گٹ پٹ کر لینا تو کسی طرح بھی قابلیت کی دلیل نہیں ہے یوں بولنے کو تو "صاحبوں" کے یہاں کے بیرا اور چپراسی بھی انگریزی بول لیتے ہیں۔"

دوسری بہن (جن کی بیٹی کی بھی ذلت کی گئی تھی) اس طرح ہاں میں ہاں ملاتی ہیں "میں تو سنتی ہوں کہ انگریزی اسکول میں سینئر تک پڑھی ہوئی لڑکیاں ہندوستانی کالج میں ایف اے کے پہلے سال میں لی جاتی ہیں۔ پھر انٹرنس اور سینئر کیمبرج میں کیا فرق رہا؟ بلکہ سینئر میں تو صرف انگریزی ہی انگریزی ہوتی ہے اور مضمونوں کی طرف بالکل توجہ نہیں کی جاتی!" آپ ہی بتائیے کہ اپنی لڑکی کی ذلت (جو خود اس کی ذلت ہے) کوئی ماں کیسے گوارا کر سکتی ہے اگر وہ غصہ سے بل کھا جائے تو کیا تعجب ہے؟

"توبہ کیجئے بہن" وہ فیصلہ کن لہجہ میں فرماتی ہیں "بھلا سینئر کیمبرج اور انٹرنس کا کیا مقابلہ!! یہ تو آفتاب کو چراغ دکھانا ہوا۔ اسکول و کالج میں جو کچھ بھی قاعدہ قانون ہو۔ مگر میں تو انصاف کی بات کہوں گی، انگریزی ہی تو خاص چیز ہوتی ہے، اسی کی قدر ہے جس کو انگریزی آگئی اس کو سب کچھ آگیا اور جسے انگریزی نہ آئی..."

"واہ واہ۔ واہ۔ واہ" ان کی بات بے رحمی سے کاٹ دی جاتی ہے اور یکایک ملک و قوم کی پستی کے خیال کے ساتھ حمیت کا جوش تازہ ہو جاتا ہے۔ "یہی تو ہندوستانیوں کی غلامانہ ذہنیت ہے۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ اپنی چیز کو نکما اور [illegible] اور غیروں کی خراب سے خراب چیز کی بھی اتنی عزت [illegible]

انگریزی زبان سب کچھ ہو گئی۔ غضب! کس لئے؟ وجہ بھی تو سمجھ لیجئے! دیکھیں بغیر کسی کے جواب کا انتظار کئے ہوئے اور زیادہ گرم جوشی کے ساتھ) صرف اس لئے کہ وہ ہمارے حکمراں ہیں اور ہم نسل غلاموں کے ' جیسے دیا کہیں آزاد بندے دیکھا زیبا!" یہ عمل کر کے ان کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ تمام تہذیب تعلیم تمدن کا دارومدار۔ ۔ ۔" اس کے بعد ہر جملے کے بیان کی تقریر کا جوش و خروش بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ بعض بہنیں تو اس پُرزور تقریر کے سننے کی تاب نہ لا کر وہاں سے اٹھ جاتی ہیں۔ اور جن کو جانے میں دیر ہوتی ہے۔ وہ یہ سوچ کر ے

جو کچھ بہن سنائیں میں ناچار سنوں گی

مجبوراً بیٹھی رہتی ہیں لیکن جب یہ تقریر گراموفون کے کسی طویل اور غیر دلچسپ ریکارڈ کی طرح کسی طرح ختم ہونے کا نام نہیں لیتی تو دو چار خواتین صلح کل انداز میں فریقین میں سے کسی کی جانبداری نہ کر کے معاملے کو رفع دفع کرنے کے لئے موضوع بدلنے کی کوشش شروع کر دیتی ہیں۔ بڑی بڑی دشواریوں کے بعد فریقین کا درجۂ حرارت جو اس وقت ۱۱۰ درجہ سے بھی زیادہ بڑھ گیا تھا کم کیا جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے کو قہر کی نگاہوں سے گھور کر خاموش ہو جاتی ہیں۔ اور دل ہی دل میں سوچتی ہیں کہ اس وقت تو نہیں بعد کو اگر موقعہ ملا تو بتا کر چھوڑوں گی کہ میری بیٹی کتنی لائق ہے پھر تم لوگوں کو جھک مار کر اس کی قابلیت کے سامنے سر جھکانا پڑے گا۔ اس طرح اپنے اپنے شکست خوردہ دلوں کو تسکین دے کر "باقی آئندہ" کے لئے چھوڑ کر اس لامتناہی اختلافات کو انجام تک پہونچانے کی فکر کرنے لگتی ہیں۔ اس اختلاف کا فیصلہ تو خود مائیں کریں لیکن میں صرف یہ سوال کرنا چاہتی ہوں کہ

"کیا بیٹی کی محبت یہی ہے؟"

ام سلمیٰ فیاض علی

اُن کی آمد

(مدتِ انتظار پچیس سال)

۱۹۴۳ء ——— ۱۹۶۸ء

وہ آرہے ہیں اک نئی دنیا لئے ہوئے
چہرے پہ انقلاب کا پیغام لئے ہوئے

جھلکائے چاندنی سی جبینِ صبیح میں
لب ہائے سرخ میں مے و مینا لئے ہوئے

بے باک چتونوں میں صبوحی کا اذنِ عام
مستی کا ہر نظر میں اشارا لئے ہوئے

وہ اُن کے زمزمے وہ تبسم وہ قہقہے
رنگ و نشید و نور کے دریا لئے ہوئے

خال و خدِ جمیل میں بے قید و بے حجاب
زہرہ کا نور حور کا جلوہ لئے ہوئے

فہمائیاں بھرے ہوئے غمزے کی چوٹ میں
مہندی کے چور میں بد پیچ لئے ہوئے

زہرابۂ عتاب کے رنگیں جلال میں
اک تلخیٔ لذیذ و گوارا لئے ہوئے

میخانۂ شباب کے میگوں جمال میں
پیمانۂ سکون تماشا لئے ہوئے

نغموں سے طبیعتِ ناساز کا علاج
نظروں میں ہر مرض کا مداوا لئے ہوئے

بہرہ دگارِ حسن و خداوندِ عشق سے
اقلیمِ روح و دل کا اجارہ لئے ہوئے

عیش و نشاطِ عام کا دیتے ہوئے پیام
آزادیٔ تمام کا مژدہ لئے ہوئے

باتوں میں دلکشائی، دل آرائی، دلکشی
سانسوں میں معجزاتِ مسیحا لئے ہوئے

تعلیمِ مشرقی سے چرائے ہوئے نظر
تہذیبِ مغربی کا سہارا لئے ہوئے

تثلیث کو دیئے ہوئے حسنِ قبولِ عام
دوشِ حسیں پہ زلفِ چلیپا لئے ہوئے

دیر و حرم پہ ڈالے ہوئے پردۂ سیاہ
اک نو فروز شمعِ کلیسا لئے ہوئے

آوارگیٔ ذہن و طبیعت کے باوجود
مریم کی آن شانِ زلیخا لئے ہوئے

قامت میں اپنے جذبۂ طہر کا اثمان
تابِ نظر میں برقِ تجلیٰ لئے ہوئے

خدامِ حسن و ناز جلو میں خدم حشم
ناموس اور حیا کا جنازا لئے ہوئے

ان بجلیوں کا عالمِ امکاں سے منتظر
بسط و کشادِ وادیٔ سینا لئے ہوئے

اس وقت جو سجے گا وہ دیکھیگا اور ہم
ہونگے نقاب رخ پہ فنا کا لئے ہوئے

سیماب میں کوئی مری سے سبب نہیں
امروز ہے تصور فردا لئے ہوئے

سیماب اکبرآبادی

کیا تعلیم کا تصور ہے؟

اس ترقی یافتہ دور میں یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ بعض مضمون نگار تعلیم کو بدنام کرنے اور اس کے خراب نتائج ظاہر کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ میرے خیال میں اصلاح کا طریقہ بالکل بدل دینا چاہیئے۔ جس طرح آجکل وہ تعلیم کی خرابیاں بیان کرکے اخلاق و خیالات کو درست کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ان کو چاہیئے کہ بجائے تعلیم کو برا بھلا کہنے کے والدین کی دی ہوئی ناکمل اور غلط تربیت کا ماتم کریں۔

ایک لڑکی جو محض معمولی تعلیم یافتہ ہے مگر اس کی تربیت والدین نے نہایت دانشمندی و صحیح طریقہ پر کی تھی۔ باوجود ادھوری تعلیم ہونے کے نہایت نیک اور صابر و شاکر رہتی ہے۔ اور جب اس کی شادی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ روشن خیال نوجوان سے ہو جاتی ہے تو باوجود اس کے کہ گھر والے کے زمانہ میں پردے کی عادی تھی مگر شوہر کا میلان طبع پردے کے خلاف پاکر وہ خود کو شوہر کی حسب مرضی بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ شوہر کے دوستوں سے بخندہ پیشانی ملتی ہے۔ شوہر کے ہمراہ کلب اور ہوٹلوں میں جاتی ہے۔ ڈانس وغیرہ میں شرکت کرتی ہے۔ مگر اپنی فراست و پاک دامنی و سنجیدگی کا دامن کسی موقع پر بھی نہیں چھوڑتی، وہ جو کچھ کرتی ہے اپنے شوہر کی خوشنودی کے لئے کرتی ہے۔ اگر وہ صحیح و عمدہ تربیت یافتہ نہ ہوتی تو وہ اتنی آزادی پاکر اسی طرح ہو جاتی، جس کا رونا ہر مضمون نگار نے تعلیم کے ذمے لگا لیا ہے۔

دوسری اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی جو پردہ نشین بھی ہے۔ اس کی بدمزاجی کا یہ عالم ہے کہ خود اس کے گھر والے اس سے نالاں ہیں۔ اس کے غصہ کی رو اور بدزبانی کے سامنے بزرگوں کی کوئی ہستی نہیں۔ وہ شادی کے بارے میں آزاد ہے ۔ گو پردہ نشین ہے۔ مگر وہ اپنے ہونے والے شوہر کے ہمراہ گھومنے جاتی ہے۔ والدین کی بغیر اجازت جہاں چاہتی ہے جاتی ہے اگر ناراض ہو جائے تو اپنے والدین کے گھر سے ان کی بغیر اجازت [illegible] شہر میں اپنے قریبی رشتہ دار کے یہاں چلی جاتی ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کو منع کر سکے کیونکہ وہ تعلیم یافتہ ہے۔ اس میں یہ قوت ہے کہ اپنے دست و بازو کے زور سے اپنی روزی آپ پیدا کر سکے۔

اب ایک مذہبی و معمولی اُردو نوشت و خواند جاننے والی لڑکی کا حال سنئے۔ یہ بھی پردہ دار گھرانے کی فرد ہے مگر صحیح تربیت کی کمی کے باعث خودسر، ضدی اور بے باک ہے۔ خود رائی کا یہ عالم ہے کہ اپنی شادی کے معاملہ میں کسی کی رائے و مشورہ کی پرواہ نہ کی اور اپنی مرضی سے خاندان کی مرضی کے خلاف شادی کی۔ نہایت آزادی سے برقعہ اوڑھ کر اور منہ کھول کر تفریح کرتی ہے اور اگر کسی بزرگ نے دخل درمعقولات کیا بھی تو ایسے سخت الفاظ میں جواب دیتی ہے۔ کہ ان کو لاحول پڑھتے ہوئے وہاں سے فرار اختیار کرنے ہی میں اپنی سلامتی نظر آتی ہے۔

مندرجہ بالا تینوں مثالیں ہمارے روبرو ہیں جن میں ادھوری تعلیم یافتہ، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور معمولی تعلیم یافتہ لڑکیوں کا چشم دید حال لکھا گیا ہے۔ ان سے ہم بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ سب تعلیم کا قصور ہے۔ اس کی ذمہ داری والدین کی دی ہوئی تربیت پر عائد ہوتی ہے۔ اگر والدین ابتدا ہی سے بچوں کی اچھی تربیت کریں تو لڑکی ادھوری تعلیم حاصل کرے یا اعلیٰ اس کے نیک چلن نیک اطوار، نیک عادات پر تعلیم کے برے نتائج آسانی سے قبضہ نہیں کر سکتے، جتنے اس کے سلجھے ہوئے عقلمند دماغ پر تعلیم کے مفید و کارآمد اثرات اثر پذیر ہوں گے۔

آخیر میں مضمون نگاروں سے یہ استدعا ہے کہ وہ صحیح و عمدہ تربیت دینے کے اصول و طریقوں پر مضامین لکھیں۔ تاکہ نوجوان والدین کو اپنے نونہالوں کی تربیت کے زمانے میں ان کے مضامین سے مدد مل سکے اور آئندہ ایسے لڑکے اور لڑکیاں ملک و سوسائٹی میں پیدا ہو سکیں جن کا ہم ابھی صرف تصور ہی کر سکتے ہیں یا جن کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

صدیقہ بانو (الہ آباد)

بوٹ کھولتے ہوئے

"میں پوچھتی ہوں کیا دفتر سے آنے کا یہی وقت ہے؟" بیوی نے
میاں کے بوٹ کھولتے ہوئے حسبِ عادت تقریر شروع کی "ساری دنیا
کب کی گھر آ چکی ہے اور تو اور یہ نکڑ والے خورشید صاحب بھی ٹھیک ۶ بجے
گھر آ جاتے ہیں، حالانکہ ان کے گھر میں کون ہے؟ بیوی نہ بچے۔ بس
ایک نوکر۔ مگر شیخ جی، تبہد صاحب، صوفی صاحب، مرزا جی، ادھر دفتر سے
چھٹی ہوئی ادھر سیدھے گھر پہنچے۔ کوئی بازار سے سودا سلف لا رہا ہے
کوئی بچوں کو کھلا رہا ہے، کوئی بیوی کے پاس بیٹھا ہے! ہاں ان کی بیویاں
کتنی خوش نصیب ہیں۔ مگر ساری بات تو محبت کی ہے۔ اور آپ کو۔ آہ مجھ
سے محبت ہی تو نہیں۔ اور اگر ہوتی ... "

"محبت کے فلسفہ پر پھر بحث ہونے لگی" میاں بات کاٹتے ہوئے
بولے "ابھی مہربانی کرکے ذرا بوٹ جلدی سے کھولئے پاؤں صبح سے بوٹ
میں بند ہیں۔" "دیکھا بوٹ کھولنے میں ذرا دیر ہوئی اور آپ کو ناگوار ہوا۔"
بیوی نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "لیکن اس بات کا ذرا خیال
نہیں کہ بیوی بیچاری سارے دن کس عذاب میں مبتلا رہتی ہے۔ بھائی بہن، ماں باپ،
خویش اقارب، دیس وطن، ... ہر چیز کو چھوڑ کر یہاں جس کی خاطر آئی
ہوں، اگر وہ بھی خیال نہ رکھے تو گذارا ہو چکا۔ وقت ہی پہلے کتنا ہوتا ہے
صبح سے لیکر شام تک "داخلِ دفتر" — پھر اگر شام کی دو گھڑی بھی آدمی
وقت پر گھر نہ آئے تو ایسی زندگی سے گور ہی اچھی، میرے لئے نہ سہی، گھر
کے دھندوں کے لئے ہی سہی، ... یا تو یہ ہوتا کہ گھر میں دو چار نوکر موجود
ہوتے سب کام آپ ہی آپ ہو جاتے۔ مگر جب سارا دھندا مجھ نصیبوں
جلی کو ہی کرنا پڑتا ہے۔ پھر میں حیران ہوں کہ آخر یہ طور طریقے کب تک جاری
رہیں گے۔ آخر ہوش بھی آئے گا کبھی۔ ... بتا دو کوئی بہانہ؟ کہہ دو کہ دوستوں
کے ساتھ چلا گیا تھا۔ ... اور یہ دوست؟ ... یا اللہ میری توبہ ...
ساری دنیا کے دوست ہوتے ہیں مگر ایسے دوست کسی کے نہ ہوں گے۔ جو
گھر کا منہ بھی نہ دیکھنے دیں۔ ... اچھا جی! آج تو ایک نہ ایک بات ہو کر
رہے گی۔ یا میں رہوں گی یا دوست یا تو ٹھیک وقت پر گھر آنا ہوگا۔ یا
میں ابھی میکے چلی جاتی ہوں۔ میرے کون سے بچے رونے والے ہیں۔
خدا بھائی کی عمر دراز کرے۔ اکیلے دم کے لئے ان کے پاس آٹا بہت ہے
... ہزار دفعہ کہہ چکی ہوں کہ یہ سب کمانے کے بارے میں خدا وقت نہ
ڈالے، [illegible] بھی تو شکر یں گے۔ اور پھر کام کے دوست ہوں تو
کوئی بات بھی ہے۔ کوئی شاعر، کوئی ادیب، کوئی سوشلسٹ ...
یہ کر رہے ہیں حضرت مرغاب صاحب [illegible] - پریشان حال ژولیدہ صورت
[illegible] ہیں [illegible] تین اتفاقاً [illegible]
روز کا یہ دوست بڑے مجھے پیچھے رہے ہیں ان کا یہ عالم کہ نیچے کا بٹن اوپر کے
کاج میں لگا ہوا ہے اور اوپر کا نیچے کے۔ بیٹھنے کی تمیز نہ گفتگو کا سلیقہ۔ یہ ہیں
ہمارے شاعرِ رومان حضرت مرغاب۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ شاعری
اچھی چیز ہوگی لیکن ان حضرت کی وجہ سے مجھے اب شاعری سے بھی نفرت
ہونے لگی ہے۔ یہ ہیں آپ کے دوست؟ ... آج کان کھول کر سن
لیں کہ اگر اس اتوار کو بھی وہ آیا اور پندرہ منٹ سے زیادہ بیٹھا تو اچھا نہ ہوگا
"شعر ملاحظہ ہو" "مطلع عرض کیا ہے" ... میں یہ کواس بہت
دیر تک برداشت نہیں کر سکتی۔ چھ دن بعد تو کہیں جا کر اتوار آتا ہے۔ گھر کے
سو دھندے ہوتے ہیں۔ بالفرض اگر کوئی کام نہ بھی ہو تو ملا آدمی گھڑی دو گھڑی
بیوی کے پاس ہی بیٹھ لیتا ہے مگر توبہ کیجئے یہاں دوستوں سے ہی فرصت نہیں
"اب شاعرِ انقلاب" "اب ادیب شہیر" .. "اب کامریڈ" .. چلے آتے ہیں۔
دوستوں کا ایک جلوس ہے جو ختم ہونے میں ہی نہیں آتا .. اب غالب
کی باتیں، اب ناول کے تذکرے۔ اب ہٹلر کی باتیں، باتیں! باتیں! باتیں!
اور پھر جس خلوص و دلچسپی سے آنجناب ان باتوں میں حصہ لیتے ہیں (وعظ میں)
ہائے، میرا جی چاہتا ہے کہ جاؤں اور منہ نوچ لوں۔ ... میں حیران ہوں کہ
جس گھر میں ایک خوبصورت محبت کرنے والی بیوی کسی سے بات کرنے کو ترس
رہی ہو، اسے غالب اور ہٹلر کی باتیں کرنے کا حق ہی کیا ہے؟ مگر رونا تو یہی ہے
کہ مجھ سے محبت بھی ہو؟ (آواز میں رقت آ جاتی ہے) مگر قصور میرا اپنا ہے۔"

"ایں تم رونے لگیں ... تمہاری جان کی قسم مجھے تم سے بڑی محبت ہے۔
بہت زیادہ، بہت ہی زیادہ (بوٹ کی طرف دیکھ کر) اوہو! ابھی تک ایک تسمہ بھی
نہ کھل سکا؟" "کھل جائیگا" بیوی پھر تیز ہو کر بولی "کھول تو رہی ہوں۔
ذرا ایک بات بھی نہ کہوں۔ اب سنتی ہوں کہ آپ کے سب اگلے پچھلے میرے سر پر
سوار ہونے والے ہیں۔ آپ سے لاکھ بار کہہ چکی ہوں کہ جو کام کرتا ہو کم از کم مجھ سے
مشورہ تو کر لیا کرو مگر تمہارے کان پر تو کبھی جوں ہی نہیں رینگتی۔ مجھے یہ اعتراض
نہیں کہ وہ کیوں آئیں گے۔ مہمان خدا کی رحمت ہی ہی لیکن مہمانوں کا یہ پورا کنبہ
مجھ سے نہیں سنبھالا جائے گا۔ اور چاہے کوئی برا ہی کیوں نہ مانے میں تو صاف منہ پر
کہوں گی کہ آپ کی بہن صاحبہ محترمہ کی اولاد بہت بد تمیز ہے بچے کیا ہیں آفت کا
پرکالہ ہیں۔ جس گھر میں ایک ساعت کے لئے چلے جائیں وہاں کوئی چیز سلامت
نہیں رہتی۔ اور میرے ہاں تو مشتی بھی مول کی آئی ہے اور پھر بہن صاحبہ محترمہ
کو لگائی بجھائی کی بھی بہت بری عادت ہے چلو یہ بھی کوئی بات نہیں اتفاق صبر
کر لیتا ہے۔ اس کی نیت اس کے کام۔ لیکن ... " "لیکن تمہارا
سر!" میاں نے جھنجھلا کر کہا اور خود ہی بوٹ کے تسمے کھولنے شروع
کر دیئے۔

سیدہ انیس زہرا

جمہوریت (ڈماکریسی)

بیٹی۔ ابا جان! اخبار میں آج کل ڈیماکریسی کا بہت ذکر آتا ہے اس کے معنی تو ڈکشنری میں مل گئے۔ یعنی جمہوریت۔ لیکن جمہوریت سے کیا مطلب ہے۔

ابا جان۔ بیٹی! جمہوریت اس نظام حکومت کا نام ہے جس میں بادشاہ کی جگہ عوام نے لی ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ عوام ایک شخص کو بادشاہ کا خطاب دیکر اس کو حکومت کے سیاہ سفید کا مالک بنا دیں۔ وہ اپنا انتظام آپ کرتے ہیں۔

بیٹی۔ ابا جان یہ عوام کون لوگ ہوتے ہیں۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ بازاری لوگوں کو عوام کہتے ہیں اور بازاری لوگ گھٹیا قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

ابا جان۔ یہ سچ ہے کہ محاورے میں عوام کا یہی مفہوم ہے جو تم نے لیا۔ مگر عوام لفظ عام کی جمع ہے۔ عام میں ہر شخص آگیا۔ عورت، مرد، امیر، غریب، پیشہ ور، غیر پیشہ ور۔ لیکن مہذب انسان کا یہ خاصہ ہے کہ وہ انسانوں کی تقسیم کرتا ہے بڑی تفریق تو امیر انسان اور غریب انسان کی ہے اس کے بعد عالم انسان اور جاہل انسان، خاندانی انسان اور بے خاندانی انسان۔ خاندانی انسان اصل میں تو وہ ہے۔ جو فاتح یا کسی پیغمبر، دیوتا، یا نعوذ باللہ خدا کی اولاد میں سے ہو یعنی جیسے آریا۔ تم کو معلوم ہے۔ اس قوم نے جس کا رنگ گورا تھا۔ ہندوستان کی کالی قوموں کو فتح کیا۔ اس لئے اس فاتح قوم کے باشندے برہمن اور چھتری یعنی عالم اور شمشیر زن بن بیٹھے اور اپنے آپ کو خاندانی اور باقی سب کو غیر خاندانی اور نیچ ذات کہنے لگے۔ اسی طرح پیغمبر کی اولاد کی لوگوں نے عظمت کی، وہ خود خاندانی ہوگئے۔ دوسرے غیر خاندانی۔ جاپان کا بادشاہ اور ہندوستان کے راجپوت اپنے آپ کو خدا کی اولاد سمجھتے ہیں۔ یعنی سورج بنسی۔ اور سورج کو خدا مانتے ہیں۔ اور سب سے بڑے خاندانی ہوگئے۔ فی زمانہ خاندانی وہ جو پیسہ والا ہو۔ ہندی مثل ہے، مایا تیرے تین نام۔ پرسا پرسو، پرس رام۔ یعنی پہلے جب غریب تھے پرسا، پرسو کہلاتے تھے اور عوام میں سمجھے جاتے تھے۔ لیکن جب پیسہ پاس آگیا تو لالہ پرس رام بن بیٹھے۔ اور خاندانی کہلانے لگے مطلب یہ کہ غریب اور غیر خاندانی لوگ بیچارے عوام میں شمار ہوئے۔ کیونکہ ان کی تعداد زیادہ تھی۔ اس لئے لفظ عوام حقارتاً استعمال ہونے لگا۔

بیٹی۔ خیر۔ ابا جان! یہ تو ہوا، مگر بادشاہ کو نکال کر ہمہ شما کیسے حکومت کر سکتے ہیں۔

ابا جان۔ آج کل کی دنیا میں ڈیماکریسی میں ہمہ شما وہی حق رکھتے ہیں جو پہلے بادشاہ یا امراء رکھتے تھے۔ تم نے دیکھا نہیں تم کل جنہیں بنئے بقال کہتی تھیں اور موٹے دکاندار آج وہی تو حکمراں ہیں۔ پہلے کمیٹی کے ممبر شہر کے رئیس ہوتے تھے۔ اب کوئی سوت بیچنے والا ہے، کوئی جنت فروش ہے، یہی لوگ کونسل کے ممبر ہیں اور گورنر اور وائسرائے کے ساتھ مل کر حکومت کرتے ہیں۔ اور ان میں ہی سے کوئی وزیر اور کوئی بڑا وزیر بن جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ اب تم ان پیشہ وروں کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتیں۔ اور ان کے لئے ہمہ شما کا لفظ نہیں استعمال کر سکتیں۔

بیٹی۔ مگر ابا جان: شہر کی کمیٹی کا ممبر ہونا یا کونسل میں جانا اور وزیر بن جانا بھی تو ہمہ شما کا کام نہیں ہے۔ ہمہ شما سے میری مراد عوام سے ہے۔ یہ آپ نے فرما ہی دیا کہ عوام سے مطلب غریبوں سے۔ اب خواہ وہ بنئے بقال کا کام کرتے ہوں یا سوت اور جوتے کی تجارت کا، مگر ان کی قدر تو تب ہی ہوئی جب ان کے پاس بے انتہا دولت جمع ہوگئی۔ وہی مایا تیرے تین نام والا معاملہ ہے۔ عوام کی حکومت تو نہ ہوئی یعنی بے پیسہ والے تو حاکم نہ بنے۔ اگر اسی کا نام جمہوریت ہو تو یہ جمہوریت پیسہ والوں کی ہوئی۔ جس میں بڑے مالدار زمیندار

اور کاروباری لوگ اور ٹھیکیدار و بڑے کارخانہ دار شامل ہیں۔

ابا جان۔ یہ سچ ہے مگر اس میں حرج کیا ہے۔ دیکھو جب ایک بادشاہ ہی مالک ہوتا تھا تو رفتہ رفتہ وہ سارا اختیار اس طرح اپنے ہاتھ میں لیتا تھا کہ سب اس کے محتاج ہو جاتے تھے اور کوئی اس کے آگے چوں نہ کر سکتا تھا۔ جب ایک واحد انسان کے ہاتھ میں اتنی طاقت آجاتی ہے تو اس کی ناجائز خواہشات اور غیر معمولی جذبات اس کو ظالم بنا دیتے ہیں۔ تم نے سنا نہیں، بادشاہ لاتعداد عورتوں سے شادی کر لیتے تھے اور جس کی بیٹی خوبصورت دیکھی یا سنی اس کو زبردستی اپنے محل میں ڈال لیتے تھے۔ ان باتوں پر بڑی بڑی زبردست لڑائیاں بھی ہوئی ہیں۔ اور لاکھوں آدمیوں کا خون ہوا ہے۔ اسی طرح جس کا مال چاہتے لوٹ لیتے۔ جمہوریت نے یہ سب ظلم بند کر دئے

بیٹی۔ یہ تو ایک حد تک ٹھیک ہے۔ مگر پہلے فقط بادشاہ اکیلا ہوتا تھا اور ظلم ڈھاتا تھا۔ اب ایک بادشاہ کی جگہ دس بلکہ پچاس بلکہ سینکڑوں بادشاہ ہو گئے۔ اور قوت حاصل ہونے پر سب وہی کام کرتے ہیں۔ جو ایک بادشاہ کرتا تھا گویا جمہوریت نے ایک ظالم کی بجائے سینکڑوں ظالم پیدا کر دئیے۔

ابا جان۔ پہلے تو جمہوریت کے نظام کو سمجھو تب تم کو معلوم ہوگا کہ جمہوریت نے ظالم کے ہاتھ کس طرح باندھے ہیں سنو! پہلے پہل یونان میں جمہوریت ہوئی۔ وہاں کی آبادی نسبتاً کم تھی اس لئے ہر شخص حاکم تھا یعنی جب کوئی انتظامی معاملہ پیش ہوتا تو ساری آبادی سمندر کے کنارے بڑے میدان میں جمع ہو جاتے اور ہر معاملے کی بحث مباحثے سے خوب چھان بین کرتے۔ اور جب رائے کا وقت آتا تو سمندر کے کنارے سے کوڑیاں سیپیاں اور کنکرے کر بڑی بڑی گولوں میں ڈالتے چند گولیں معاملے کی موافقت کی سمجھی جاتیں اور چند مخالفت کی جس طرف کی گولیں زیادہ ہو جاتیں وہ جیت جاتی۔ مطلب یہ کہ اس وقت ہر شخص رائے دینے کا حق براہ راست رکھتا تھا۔ پھر عوام کے مقابلے میں بڑے سے بڑا آدمی بھی چوں نہ کر سکتا تھا مثلاً تم نے سقراط کا نام سنا ہوگا۔ وہ نوجوانوں میں اپنا نیا فلسفہ بگھارتا پھرتا تھا کہ چاند، سورج، ستارے دیوتا نہیں ہیں بلکہ قدرت کی قوتیں ہیں۔ اس لئے سقراط پر نوجوانوں کو دین سے گمراہ کرنے کا الزام لگایا گیا۔ اور مقدمہ مجلس جمہوریہ میں پیش ہوا سقراط جیسے حکیم دانا نے اپنی تقریر میں اپنی صفائی کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ لیکن عام رائے جب لی گئی تو سقراط کے خلاف کثرت ہو گئی، اس لئے اس کو قتل کی سزا دی گئی اور اس زمانے کے قاعدے کے مطابق زہر کا پیالا اس کو پلایا گیا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ سقراط جیسے مشہور آدمی کا بھی رائے عامہ کے خلاف بس نہ چل سکا۔ دوسرے ممالک میں جہاں آبادی یونان سے بدرجہا زیادہ تھی، براہ راست رائے دینا اور حکومت کرنا عوام کے لئے سہل نہ تھا۔ اس وجہ سے وہاں نیابتی رائے دینے کا انتظام کیا گیا۔ برطانیہ میں اب یہ دستور ہے کہ کل ملک کو رائے دہندگان کے حلقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور رائے دہندگان کو بھی چند شرائط پر محدود کر دیا گیا ہے۔ یعنی ہر فرد و بشر رائے نہیں دے سکتا۔ یہ حلقے اپنا نمائندہ منتخب کر کے کل ملک کی مجلس شوریٰ میں جسے انگریزی میں پارلیمنٹ کہتے ہیں بھیج دیتے ہیں مجلس شوریٰ میں کئی سو ممبر ہوتے ہیں۔ ان میں سے جس شخص کے حامی ممبر بکثرت ہوں اس کو بادشاہ، وزیر اعظم بنا کر حکم دیتا ہے کہ تم اپنی خوشی کے ممبر چن لو جو تمہارے ساتھ مل کر حکومت کریں پھر وہی وزیر اپنے سکرٹری چنتے ہیں اور حکومت ان وزرا کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ بادشاہ پھر اس میں دخل نہیں دیتا۔ پارلیمنٹ بمنزلہ قوانین بنانی ہے۔

بیٹی۔ ابا جان آپ نے تو فرمایا تھا کہ بادشاہ کی جگہ عوام لے لیتے ہیں مگر اب آپ فرماتے ہیں کہ وزیر اعظم کو بادشاہ مقرر کرتا ہے جس طرز حکومت میں بادشاہ ہو، وہ جمہوریت پھر کیا ہوئی یعنی بادشاہ موجود ہے۔ اور بے بادشاہ کی حکومت کہلاتی ہے

ابا جان۔ تمہارا اعتراض نہایت وقیع ہے حقیقت یہ ہے کہ صحیح معنوں میں برطانیہ میں ڈیماکریسی نہیں ہے بلکہ دستوری حکومت ڈیماکریسی کے نمونے کی ہے۔ یعنی عوام نے مل کر ایک دستور قائم کر لیا کہ ہماری حکومت میں کل اختیار تو جمہوری حکومت کا سا ہوگا مگر نام چارے کو بادشاہ بھی رہے گا جو سلطنت کی شان و شوکت قائم رکھنے اور لوگوں پر شاہی رعب

ڈالنے کا کام دیگا۔ بڑے بڑے دربار کرے گا جس میں غیر ممالک کے سفیر حاضر ہونگے۔ دوسرے ملک کے بادشاہوں کو دعوت دیگا یا ان کے ملک میں مدعو ہوگا۔ مگر سلطنت کے تمام انتظامات پارلیمنٹ کرتی ہے۔

بیٹی ۔ "یہ تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ جمہوریت بھی ہے، اور بادشاہت بھی"

ابا جان ۔ "جمہوریت برطانیہ میں اصلی معنوں میں ہے۔ بادشاہت نام کی ہے یعنی حکومت مجلس شوریٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر بادشاہ اور پارلیمنٹ میں جھگڑا ہو جائے تو پارلیمنٹ کا حکم بادشاہ کو ماننا پڑے گا۔ اور جو وہ نہ مانے تو سزا پائے گا۔ چنانچہ ایک بادشاہ نے جس کا نام چارلس اول تھا پارلیمنٹ سے باقاعدہ جنگ شروع کر دی۔ ملک کے مختلف صوبوں میں عرصہ تک لڑائی جاری رہی آخر بادشاہ ہارا۔ اس پر بغاوت کا مقدمہ قائم کر کے اس کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ اس دن سے کسی بادشاہ نے یہ جرأت تو پھر نہ کی مگر بعض بادشاہوں نے یہ کیا کہ پارلیمنٹ کے ممبروں کو کثرت سے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ایک زمانے میں پارلیمنٹ میں اور وزراء و بادشاہ میں خوب رشوت چلتی تھی۔ اب یہ بات نہیں ہے۔ چنانچہ تم نے سنا ہوگا کہ موجودہ بادشاہ سے پہلے ان کے بھائی حقدار تھے اور اپنے باپ کی جگہ بادشاہ ہوئے تھے مگر وہ اکثر وزراء کی صلاح و مشورے کے خلاف ورزی کر دیا کرتے تھے۔ اس سے وزراء کو اندیشہ پیدا ہو گیا کہ یہ خود مختار نہ ہو جائیں۔ چنانچہ اس بہانے پر کہ انہوں نے ایک ایسی عورت سے شادی کرنی چاہی جو شہزادی نہ تھی اور خاص انگلستان کی بھی نہ تھی اور جس نے پہلے دو شادیاں اور بھی کی تھیں اور اب مطلقہ تھی بس یہ بہانہ لیکر وزراء نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ تخت اپنے چھوٹے بھائی کے سپرد کر دیں اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ برطانیہ کا بادشاہ دستور کی پابندی پر مجبور ہے۔

بیٹی ۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ برطانیہ ایک آزاد ملک ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر غلام برطانیہ میں قدم رکھے تو فوراً آزاد ہو جاتا ہے مگر اصلی بات یہ ہے کہ یہ آزادی صرف پارلیمنٹ کے ممبروں اور ان کے گرگے جن کو وزیر کہتے ہیں تک ہے بادشاہ کی حیثیت انسان کی بھی تو ہے تو بیچارے بادشاہ انسان کو اتنا حق بھی حاصل نہیں کہ وہ اپنی پسند سے اپنی رفیقۂ حیات جس طبقہ کے لوگوں میں سے چاہے پسند کرے۔ اور یہ کیا جمہوریت ہوئی یعنی عوام کی اس میں کیا قدر افزائی ہوئی کہ عوام کی لڑکی اس قابل نہ سمجھی جائے کہ بادشاہ اس سے شادی کرے یعنی برطانیہ نے ایک ذات بادشاہوں اور امراء کی بنادی کہ جو اس سے باہر شادی کریگا وہ برادری سے خارج ہو جائے گا۔ گویا جمہوریت پسند برطانیہ کے بادشاہ کو اتنی آزادی بھی نہیں جتنی ایک چھتری مہاراجہ کو ہے۔ مہاراجہ تو اپنی خوشی سے جس سے چاہے شادی کر سکتا ہے۔ واقعی ابا جان! یہ معمہ تو عجیب قسم کا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آزادی کا پرچار بھی ہے اور ذات پات کی قید بھی۔ ابا جان میں یہ پوچھتی ہوں، جب یہ قوم اس قدر قدامت پسند ہے تو ہم ہندوستانیوں پر کیوں اعتراض کرتی ہے۔ اور جب یہ بیچارے خود آزاد نہیں تو ہم کیا آزاد ہوں گے۔

ابا جان ۔ بیٹی تم نفس مضمون سے دور جا رہی ہو گفتگو کسی قوم کے متعلق نہیں ہو بلکہ جمہوریت اور حکومت کے متعلق ہے۔

بیٹی ۔ تو اصلی جمہوریت میں کون بادشاہ کی جگہ لیتا ہے اور کہاں کہاں ہیں۔

ابا جان ۔ اصلی جمہوریت تو کتابوں ہی میں ہے مگر جہاں تک کمزور انسان ان اصولوں پر چل سکتا ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انقلاب کے بعد جمہوریت پہلے فرانس میں قائم ہوئی اب امریکہ میں بھی ہے جہاں بادشاہ نام کو نہیں۔ جمہوریت کا اعلیٰ ترین افسر جو بادشاہ کے رتبہ کا سمجھنا چاہیئے جمہوریت کا صدر ہوتا ہے۔ امریکہ میں اس جلیل القدر عہدے پر آجکل روزولٹ ہیں۔ جمہوریت میں خطاب یافتہ امراء بھی نہیں ہوتے۔ آجکل ٹرکی میں بھی اسی قسم کی جمہوریت ہے۔ امریکہ میں مجلس شوریٰ کو کانگرس کہتے ہیں۔ پارلیمنٹ نہیں کہتے۔

بیٹی ۔ اچھا تو روس اور جرمنی میں کس قسم کی حکومت ہے؟

ابا جان ۔ آج اس طرز حکومت کے مضمون پر کافی بحث ہو چکی۔ روس اور جرمنی کے نظام حکومت ایک طویل بحث کے محتاج ہیں کسی اور دن سہی۔

مشتاق احمد زاہدی

بلبل اور سرخ گلاب

اگر تم مجھ سے سچی محبت کرتے ہو اور اس بات کے آرزو مند ہو کہ میں تمہارے ساتھ وزیر اعظم کی بزم رقص میں ناچوں تو مجھے گلاب کا ایک سرخ پھول لا کر دو جو انسانی خون سے بھی زیادہ سرخ ہو۔ جس کی رنگت سے میرے ہونٹ بھی شرما جائیں جب دیکھ کر میں پھول گریبان میں ٹانک لوں"

"میری! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ اس کا ثبوت تمہیں ہزار طریقے سے دینے کو تیار ہوں۔ آج کل سرخ گلاب کا پھول عنقا ہے کاش تم اس کے بدلے مجھ سے میرے دل کی خواہش کرتیں۔ اور میں خوشی تمہاری یہ فرمائش پوری کر دیتا۔ تم جس چیز کی فرمائش کر رہی ہو وہ میرے امکان میں نہیں ہے۔ میری! میرا دل نہ توڑو۔"

"بس، تم اپنی محبت کا زیادہ ثبوت نہ دو۔ اگر کل میری خواہش پوری کر سکو تو میرے ساتھ رقص کی امید رکھو۔ ورنہ مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔"

جم کی حالت اس وقت زخمی پرندے کی سی تھی۔ میری نے جان بوجھ کر اس سے ایسی خواہش کی ہے جو پوری نہ کی جا سکے۔ وہ اس پر اپنی زندگی قربان کر سکتا تھا۔ مگر سرخ گلاب کہاں سے لا سکتا تھا۔ ۔ غریب نوجوان ۔ ۔ اس کا دل ٹوٹ گیا۔ اس کی روح میری کی خواہش کی تکمیل کے لئے تڑپ رہی تھی مگر وہ مجبور تھا۔ غمگین مضمحل وہ اپنے کمرے میں چلا آیا۔ اور دریچہ کھول کر باغ میں دیکھنے لگا۔ باغ ہر قسم کے پھولوں سے مزین تھا۔ نیلے پیلے گلابی سفید گلاب۔ خوبصورت نرگس، حسین سنبل، فرحت افزا بنفشہ۔ مگر سرخ گلاب کہیں بھی نظر نہ آتا تھا وہ رو رہا تھا۔ روئے جا رہا تھا۔ ایک سرخ گلاب کے لئے غم میں ڈوبے ہوئے مغموم چہرہ، سوجی ہوئی آنکھوں۔ تڑپتے ہوئے دل سے وہ زمانہ کی بے اعتنائی و لاپرواہی اور میری کی بے وفائی پر افسوس کرتا ہوا باغ میں چلا گیا۔ گھاس پر اوندھا پڑ کر وہ میری کی اس دل شکن شرط پر زیادہ زیادہ رونے لگا۔ اس طرح گویا آج اس کا دل آنسو بن کر آنکھوں کی راہ بہہ جائے گا۔ اس کو اس درد سے روتے دیکھ کر پرندے درختوں پر سرگوشیاں کرنے لگے۔ قمری سرو کو تاکتے ہوئے بولی "آج یہ نوجوان بہت مضمحل معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو ایسے رو رہا ہے جیسے اس کے دل پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو۔ نہ معلوم بیچارے کو کیا رنج ہے؟"

مینا نے کہا "آج ضرور اس کی محبوبہ نے اس کو دکھ پہنچایا ہے۔ اس کے غم کی اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔" ہد ہد گھاس پر پھدکتے ہوئے بولا "ہاں اس سے ایک سرخ گلاب کی فرمائش کی گئی ہے جس کو سر میں لگا کر وہ اس کے ساتھ رقص کرے گی۔ ورنہ نہیں۔ مگر تم سب جانتے ہو کہ آج کل سرخ گلاب کا موسم نہیں ہے۔" طوطا اپنی سرخ چونچ کھول کر زور سے چلایا "مجھے اس نوجوان سے ہمدردی ہے۔ خدا نے ایسی لڑکیاں دنیا میں کیوں پیدا کیں جو معصوم نوجوانوں کو اپنے پنجے میں پھانستی اور پھر انہیں ستاتی اور دکھ پہنچاتی ہیں۔" فاختہ چہکی "میاں طوطے زبان سنبھالو کیا سب عورتیں اور لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں۔ تم جانتے ہو ہم بھی صنف نازک میں سے ہیں۔ ہماری قمری کو دیکھو سرو کو کتنا چاہتی ہے۔ سرو اگر ہزار بار جنم لے تب بھی اس کا بدلہ نہ دے سکے۔" طوطا شرمندہ ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ قمری بولی "کاش میں اس کی مدد کر سکتی۔" ہد ہد بولا "چلو ہم سب بلبل کے پاس چلیں۔ ممکن ہے اسے کہیں سے پھول مل سکے۔"

پرندوں کا سب قافلہ ہد ہد کی سرداری میں بلبل کے پاس پہنچا۔ بلبل نے ابھی اپنا غم انگیز نغمہ ختم کیا تھا اور اب سونے کی تیاری کر رہی تھی۔ ان سب کو دیکھ کر اپنے آشیاں سے باہر آ گئی۔ سب پرندوں نے یک زبان ہو کر نوجوان کی داستان غم دہرائی اور ہد ہد سلامت ادب سے عرض کیا: "اے ملکہ نغمات شیریں ہم سب تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ کہیں سے بھی ایک سرخ گلاب اس دل گرفتہ نوجوان کو لا دے۔" بلبل نے ان کو اطمینان دلا کر رخصت کیا کہ اگر اس پھول کی قیمت میں اسے اپنی جان تک دینا پڑے تب بھی وہ دریغ نہ کرے گی۔ ان سب کے جانے کے بعد بلبل نے اپنے پر پھڑپھڑائے اور گلاب کے کنج کی طرف چلی۔ ایک درخت کے پاس پہنچ کر اس نے نرم و شیریں [illegible]

"اے درخت تم میرا ایک حسین [illegible] کے بدلے میں ایک سرخ پھول دیدو۔ سرخ لعل گلاب لا دو۔" پیارے بلبل تم خود دیکھ لو [illegible]

بھی زیادہ سفید ہیں۔ تم سو کے قریب جو گلاب کا درخت ہے اس پہ جاؤ ممکن ہے تمہیں وہ سرخ گلاب دیدے۔"

بلبل اُڑی ہوئی اس درخت کے پاس پہنچی اور بولی "اے درخت تمہاری رات میرا ایک دل خوش کن نغمہ سنتے رہو اور اس کے بدلے میں مجھے ایک سرخ گلاب دیدو۔ سرخ کسی حسین کے لب لعلیں سے بھی زیادہ سرخ۔" گلاب کا درخت بولا "اے بلبل مجھے بہت افسوس ہے کہ میں تمہاری یہ خواہش پوری نہیں کرسکتا۔ تم خود دیکھ سکتی ہو کہ میرے پاس زرد پھول ہیں۔ حسین چاند سے بھی زیادہ زرد۔ تم یاسمین کے کنج میں جو گلاب ہے اس کے پاس جاؤ شاید وہاں سے تمہیں پھول مل سکے۔"

ناکام بلبل پھر اپنی قسمت آزمائی کے لئے یاسمین کے کنج میں گئی اور پودے سے بولی "عزیز گلاب مجھے ایک سرخ پھول کی ضرورت ہے سرخ شفق سے بھی زیادہ سرخ۔ اس کی قیمت میں تمہیں ایک ایسا دلفریب نغمہ سنا کر ادا کروں گی، جو کسی نے بھی نہ سنا ہو" گلاب نے متاسفانہ لہجہ میں کہا "میری بلبل تمہاری خواہش کو بسروچشم قبول کرتا مگر ہائے قسمت کہ میرے پھول گلابی ہیں۔ اس لڑکی کے رخساروں کی طرح گلابی ہیں۔ ہاں تمہاری اتنی مدد کرسکتا ہوں کہ اس دریچہ کے پاس جو جھاڑی ہے تم اس کے پاس جاؤ مجھے یقین ہے کہ تم وہاں سے سرخ گلاب پاؤ گی۔" غریب بلبل ایک مرتبہ اور اڑی اور دریچہ کے درخت کے پاس جا کر پھر وہی استفسار کیا "پیارے درخت مجھے ایک سرخ گلاب چاہئیے سرخ یاقوت سے بھی زیادہ سرخ۔ اگر تم مجھے وہ پھول دیدو تو تمہیں ایسا دلنواز نغمہ سناؤں کہ تم مدہوش ہو جاؤ۔"

گلاب بولا "بلبل میں تمہیں پھول دے تو سکتا ہوں مگر پھول حاصل کرنے کی شرط بہت ٹیڑھی ہے تم وہ شرط کبھی پوری نہ کرسکو گی اس لئے بیکار ہے۔" "نہیں گلاب ایسا نہ کہو میں اس پھول کی خاطر اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہوں۔" "اچھا تو سنو۔ آج کل میرے پھول ختم ہو چکے ہیں ایک کلی رہ گئی ہے ممکن ہے یہ مرجھا کر گر جائے اگر واقعی تم چاہتی ہو تو اس کلی کے پاس کے کانٹے کو اپنے جسم میں چبھالو۔ [illegible] ساتھ ساتھ تمہارا حسین نغمہ فضا میں بلند ہوتا جائے یہاں تک کہ یہ کانٹا تمہارے دل کے پار ہو جائے جس سے یہ [illegible] ایک پھول بن جائے گی۔" بلبل کے لئے یہ بڑا نازک وقت تھا [illegible] تکلیف اور درد کی انتہا کو پہنچ کر

اس کانٹے کے لئے تیار ہو گئی، اس نے کانٹا جسم میں چبھونا شروع کیا اور اس کے ساتھ ہی گانا فضا میں بلند ہونا شروع ہوا۔ وہ گا رہی تھی اور گا رہی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ کانٹا اس کے دل سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ درد و سوز میں ڈوبا ہوا نغمہ بدستور جاری تھا۔ وہ کس جوش سے گا رہی تھی۔ یہ اس کا آخری گانا تھا۔ اسی لئے تو وہ اپنی پوری طاقت صرف کر رہی تھی۔ کلی کی پتیاں ایک ایک کر کے کھل رہی تھیں۔ بلبل [illegible] باندھے اسی پھول کو دیکھ رہی تھی۔ صبح کاذب کے آثار نظر آ رہے تھے اب کچھ دیر میں سویرا ہونے والا تھا۔ اور اس سے پہلے پھول ختم ہو جانا چاہتا تھا۔ اس لئے درخت بولا "پیاری بلبل اور زور لگاؤ تاکہ نغمہ جلدی سے تمہارے دل تک پہنچ جائے کیونکہ صبح ہونے والی ہے۔" یہ سن کر بلبل نے اور زور لگایا۔ کانٹا دل میں چبھنے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ نغمہ بھی بڑھتا گیا یہاں تک کہ ختم ہو گیا۔ صبح کا اجالا جو ہوا تو شاخ پر ایک سرخ حسین پھول کھلا ہوا تھا۔ اور کانٹے پر ایک بلبل کی لاش لٹک رہی تھی۔

صبح کو جب لڑکی جس کی ساری رات کروٹیں بدلتے گزری تھی اٹھ کر دریچہ کھولا سامنے سرخ گلاب سے ہوا اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ اپنی آنکھوں کو ملا کہ کہیں یہ خواب تو نہیں مگر آخر اسے یقین ہو گیا کہ سرخ گلاب ہے۔ اب اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ مسرت سے ناچنے لگا "میری میرے ساتھ رقص کرے گی میں کتنا خوش قسمت ہوں۔" وہ جلدی سے تیار ہو کر باغ میں گیا اور ایک چاندی کے پھل والے چاقو سے پھول کو ٹہنی سے علیحدہ کر کے ایک [illegible] خوبصورت رومال میں لپیٹ لیا۔ خوشی سے سیٹیاں بجاتے ہوئے اس نے میری کے گھر کی راہ لی۔ اور وہ پھول اس کی خدمت میں پیش کیا۔ مگر آہ! کم فہم لڑکی نے پھول پر ایک حقارت کی نظر ڈال کر اسے ایک طرف لاپرواہی سے رکھ دیا۔ اس پھول کو جس کی قیمت ایک بلبل کی جان تھی۔ اور نفرت سے بولی "یہ پھول کیا حقیقت رکھتا ہے مجھے وزیر اعظم کے بیٹے نے نہایت قیمتی جواہرات بھیجے اور مجھ سے اپنے ساتھ رقص کی درخواست کی ہے۔ اب شام کو میں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتی۔"

آہ! ناگن۔ اس نے پھر غریب نوجوان کا دل توڑ دیا۔

دل شکستہ جم نے اس پھول کو اٹھا لیا۔ (باقی صفحہ [illegible] پر)

مگس بانی

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

ہائیو کا معائنہ۔ مونیں حاصل کرنے کے بعد وقتاً فوقتاً ان کا معائنہ کرنا ضروری ہے تاکہ کالونی کی دیکھ بھال ضرورت کے مطابق ہو سکے۔ سب سے پہلے معائنہ کے لئے موسمی حالات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ یعنی ہائیو اسی دن کھولنا چاہیئے جبکہ موسم صاف اور کھلا ہوا ہو۔ ابر اور بارش کا سلسلہ نہ ہو۔ جاڑوں میں دوپہر کے وقت اور گرمیوں میں ۸۔ ۹ بجے صبح اگر مونوں کا معائنہ کیا جائے تو بہتر ہے۔ موسمی حالات کے موافق ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کارکن مونیں جب باہر سے نکڑ اور پالن لانے کے کام میں خوب مشغول ہوں۔ شروع شروع میں ہائیو کھولتے وقت نئے مگس بانوں کو ڈر سا معلوم ہوگا۔ لہٰذا اگر وہ کھلے ہاتھوں سے کھولنے کی ہمت نہ رکھتے ہوں تو دستانے پہن لیں۔ چہرے پر نقاب ہونا ضروری ہے۔ اب ہائیو کا کور بورڈ (ڈھکن) آہستہ سے اٹھاتے ہوئے دروازوں کے درمیان سے ہو کر سے دھواں دیا جائے۔ خیال رہے کہ دھواں زیادہ گرم یا تیز نہ ہو۔ ایسا کرنے سے مونیں کسی قدر سہم جائیں گی۔ اور ڈنگ کم لگیں گے۔ اب کور بورڈ کو ہائیو کے سامنے دروازے کے قریب الٹ کر ٹکا دیا جائے تاکہ چمٹی ہوئی مونیں چڑھ کر دروازے سے ہائیو میں داخل ہو سکیں۔ اتنا کر لینے کے بعد فریموں کو ہوشیاری سے اٹھایا جائے۔ اور اندرونی حالات کا غور سے مطالعہ کیا جائے۔ خیال رہے کہ اس عمل میں جھٹکا نہ لگے۔ اور مونیں دب کر نہ مریں۔ ورنہ غصے میں آکر ڈنگ مارنا شروع کر دیں گی۔ فریموں کو نیچے کی شکل میں دکھائی ہوئی ترتیب سے اگر رخ تبدیل کر کے دیکھا جائے تو ٹوٹنے کا بہت کم امکان ہوگا۔

پھر اسی طرح نمبر ۴۔ ۳۔ ۲۔ اور ۱۔ حالات میں تبدیلی کرتے ہوئے فریم ہائیو کے اوپر رکھے جا سکتے ہیں۔ معائنہ کرنے کے بعد ایک رجسٹر پر تاریخ وار رپورٹ تیار کرنا چاہیئے۔ جس میں مونوں سے بھرے فریموں کی تعداد، انڈوں کے فریم، بروڈ (بچوں) کے فریم، نکڑ، پالن اور شہد کی مقدار، دشمنوں سے نقصان۔ خوراک دینے کی تاریخ اور قسم، دیگر مشاہدات وغیرہ جو کچھ کام کیا جائے اس پر مختصر نوٹ لکھا جا سکتا ہے۔

مونوں کے ساتھ کام کرتے وقت اگر ڈنگ لگ جائے تو فوراً ڈنگ کو ناخن سے زہر کی تھیلی سمیت نکال دینا چاہیئے اور اس مقام پر کسی قسم کی سبز پتی مل دینا چاہیئے یا [illegible] کر کے اس جگہ دھواں دینا چاہیئے۔ ایسا کرنے سے ڈنگ کی بو زائل ہو جائے گی اور دوسری مونیں اس مقام پر ڈنگ نہ ماریں گی۔ کام کرتے وقت اگر جسم کے کسی حصے پر کپڑوں کے درمیان کوئی مون چلی جائے تو اسے ہوشیاری سے اوپر کی طرف چڑھ کر نکلنے کا راستہ دے دیا جائے۔

سوارمنگ قدرت نے نسل بڑھانے کے لئے مونوں کو سوارمنگ کا اصول سکھایا ہے۔ جب مونوں کا ایک خوشحال کنبہ کا کچھ حصہ ایک ملکہ کے ساتھ نکل کر دوسرا گھر بسا لیتا ہے تو اس عمل کو سوارمنگ کہتے ہیں۔ یہ کام خوشحالی کے عالم میں کیا جاتا ہے جبکہ کنبے میں مونوں کی تعداد بہت زیادہ رہتی ہے۔ اس کی تیاری عموماً بہار کے موسم میں کی جاتی ہے۔ جبکہ پھولوں سے خوب نکڑ اور پالن آ رہا ہو۔ سب سے پہلے خوراک کافی مقدار میں اکٹھا کر لی جاتی ہے۔ پھر چند کوئن سیلس (ملکہ کے خانے) بنائے جاتے ہیں۔ اور ان پر خوراک کھلانے کے بعد مہر لگا دی جاتی ہے۔ اس طرح پرانی کالونی کے زندہ رہنے کا مکمل انتظام کرنے کے بعد ایک دن جبکہ آسمان اور موسم اچھا ہو سوارم نکلتا ہے عموماً پرانی ملکہ کے ساتھ۔ (باقی آئندہ)

[illegible]

صحت دہلی

غذا سے علاج

بعض لوگ حالت صحت میں احتیاطاً اور پرہیز کرتے ہیں اور چند خاص خاص غذائیں اپنے واسطے مخصوص کر لیتے ہیں مثلاً صرف ترکاریاں یا صرف شوربہ چپاتی یا صرف دودھ اور پھل۔ بعض لوگ موسمی پھل اور ترکاریوں کو نظر انداز کرتے ہیں اور اس قسم کے لوگ اکثر بیماریوں کا شکار رہتے ہیں۔ بقراط کا قول ہے کہ "حالت صحت میں پرہیز اتنا ہی مضر ہے۔ جتنا حالت مرض میں بدپرہیزی۔" قدرت نے موسموں کے لحاظ سے پھل ترکاریاں اور بیماریاں ساتھ ساتھ پیدا کی ہیں۔

موسم گرما کی تپش کی وجہ سے جسم کے اندر کچھ تغیرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ کبھی ایسڈٹی یا تیزابیت بڑھ جاتی ہے جس کی وجہ سے گردہ مثانہ اور آنتوں پر خراب اثر پڑتا ہے۔ یا پیشاب میں کمی سوزش، تبخیر، قلب میں کرب بے چینی وغیرہ۔ اس کے واسطے قدرت نے کھیرا۔ ککڑی۔ تربوز۔ لوکی۔ بیل۔ خربوزہ۔ نارنگی۔ انار وغیرہ پیدا کئے ہیں۔ اول الذکر تین چیزیں پیشاب زیادہ لاتی ہیں۔ سوزش کے واسطے مفید ہیں۔ جلے ہوئے خراب سمی مواد کو پیشاب کے ذریعہ خارج کرتی ہیں۔ پتھری۔ درد گردہ۔ وجع المفاصل کے مواد کو صاف کرتی ہیں۔ خربوزہ دافع قبض ہے اور معدہ و آنتوں کے واسطے مفید ہے۔ پیشاب آور ملین ہے۔ نارنگی انار۔ پیاس اور قلب کی بے چینی کو دفع کرتے ہیں۔ لوکی جسم میں ٹھنڈک پیدا کرتی ہے۔ بیل آنتوں کے واسطے مقوی بخش کے واسطے اکسیر تشنج معوی کو فوراً زائل کرتا ہے۔ جو لوگ ان چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں وہ ان ہی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ موسم سرما میں مچھلی اور مرغی کا گوشت۔ پائے۔ انڈا۔ حلوہ جات وغیرہ کا استعمال جسم کی حرارت کو بڑھاتا ہے۔ جس سے سردی کی بیماریوں کا ازالہ رہتا ہے۔ اسی طرح بعض بعض چیزیں خاص خاص بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ مثلاً ہاتھ پاؤں کو ٹھنڈا رکھنا۔ لیموں نارنگی ہیضہ سے۔ ہر قسم کے بخار اور جگر کی گرمی دور کرنے کے واسطے جالینوس کے نزدیک آب انار اور سردی دفع کرنے کے واسطے شہد سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ سنگرہنی کا واحد علاج میٹھا خربوزہ۔ کیلا ہے۔ منہ۔ ناک۔ پیشاب سے خون آنے کے واسطے خرفہ کا ساگ اکسیر ہے۔ خون کے دستوں کے واسطے املی کی پتی پیس کر پینا مفید چیز ہے۔ خشک کھانسی کے واسطے کھجور۔ کیلا مکھن کے ساتھ یا بادام مفید ہیں۔ تر کھانسی کے واسطے شہد بہت مفید ہے۔ کالی کھانسی کے واسطے امرود بھلبھلا کر۔ بینا کا گوشت سیاہ مرچ اور نمک کے ساتھ یا بیر چولھے کی راکھ میں تھوڑی دیر رکھنے کے بعد استعمال کرنے سے۔ ذیابیطس کے واسطے جامن۔ کچا آملہ۔ پتھری کے واسطے مولی۔ چڑیا۔ چالیس روز تک۔ پتھر چٹے کا ساگ۔ خربوزہ مولی کا ساگ۔ بادی بواسیر کے واسطے پپیتہ۔ خربوزہ شلغم مولی کی ترکاری۔ بکری کا دودھ۔ بلڈ پریشر کے واسطے مربہ آملہ۔ خون کی کمی کے واسطے آم۔ چقندر کا عرق۔ جامن کا عرق کلیجی کا پانی۔ لو کے واسطے کچے آم کا شربت، چنے کا ساگ خون کی صفائی کے واسطے پھٹے ہوئے دودھ کا پانی۔ تربوز۔ استسقا کے واسطے اونٹ کا دودھ، کریلا۔ چولائی۔ موٹھ کی دال دق کے واسطے عورت یا گدھی کا دودھ۔ موسمی بخاروں کے واسطے کریلا۔ کچا امرود۔ قابض۔ پختہ ملین ہے۔ منہ اور زبان کٹ جائے تو کھوپرا۔ اختلاج قلب کے واسطے سنگترہ۔ سیب گاجر چقندر کا پانی۔ انار۔ پیٹ کے کیڑوں کے واسطے شفتالو شیرخشت اعصاب اور دماغ کی قوت کے واسطے ماش کی دال۔ خون کی صفائی اور قوت کے واسطے چنا۔ عام بدن کے واسطے انڈا گوشت۔ دمہ کے واسطے جوار کٹھل۔ لومڑی کا پھیپھڑہ۔ پیشاب کی سوزش کو تربوز کا پانی بارلے واٹر فائدہ کرتا ہے موٹاپے کو دور کرنے کے واسطے صابودانہ کی کھیر لگاجر تمام بہترین چیزیں ہیں۔

آج کل جدید سائنس کے اصول پر اکثر بیماریوں کی علاج وٹامن (حیاتین) کی کمی ہوتی ہے جس کا علاج محض حیاتین

پیدا ہوتا ہے۔ حیاتین زیادہ تر غذاؤں میں پائے جاتے ہیں۔ اگر جسم میں حیاتین الف کم ہو جائے تو آنکھوں میں سوزش، مرض سل، منونیہ۔ اور مرض کزاز پیدا ہو سکتا ہے اس کا علاج دودھ، مکھن، چربی، مچھلی سے ہو سکتا ہے۔ ان چیزوں میں حیاتین الف کی کافی مقدار موجود ہے۔ حیاتین ب کی کمی سے حسب ذیل بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ بیری بیری جسم میں احساس ہو کر کھال اترنے لگتی ہے۔ یا اعضا مفلوج ہو جاتے ہیں۔ قے۔ دست۔ بھوک میں کمی۔ نگلنے میں دشواری پیشاب میں یورک ایسڈ کی کثرت۔ تلی۔ بلیہ۔ دل۔ جگر۔ معدہ دماغ کمزور۔ معدہ کے اہم رطوبات میں کمی۔ جس کا علاج انڈا گاجر۔ ٹماٹر۔ شفتالو۔ عرق انگور۔ عرق لیموں۔ بادام۔ کرم کلہ سے کریں۔ ان چیزوں میں حیاتین ب کافی مقدار میں موجود ہیں۔

حیاتین ج کی کمی سے جوڑوں خصوصاً گھٹنوں میں درد مسوڑھوں میں پائیریا۔ استسقا پیدا ہو جاتا ہے۔ کریلا گاجر، مولی، شلغم سے علاج کریں۔ حیاتین ج اس میں کافی مقدار میں موجود ہیں۔

حیاتین د کی کمی سے خصوصیت کے ساتھ مرض کزاز جس میں بچوں کی ہڈیوں کا نشوونما بند ہو جاتا ہے۔ ہڈیاں نرم ہو جاتی ہیں۔ کیلسیم ڈیپازٹ نہیں ہوتا۔ جس کو عرف میں سوکھا بھی کہتے ہیں۔ اس کا علاج عرق لیموں۔ گندر، شلغم، گوبھی پالک۔ بالائی۔ اخروٹ۔ مونگ پھلی۔ ٹماٹر۔ انگور۔ نارنگی۔ دھان۔ سے کریں۔

معتبروں کا قول ہے کہ سب سے پہلے بیماری کا علاج غذاؤں کے ذریعہ کرنا چاہیئے۔ اگر اس سے فائدہ نہ ہو تو پھر حیوانی ادویہ پھر نباتی۔ آخر میں مجبور ہو کر معدنی ادویہ سے شفا حاصل کی جائے۔ آخر میں اس امر کو خوب یاد رکھئے۔ کہ اچھی اور مناسب غذا ہر قسم کی دوا سے بہتر چیز ہے۔ حکیم حقیقی کا سب سے بڑا سب سے قیمتی سہل الحصول اور سب سے مجرب نسخہ یہی ہے۔

ک۔ ن۔ بنت ڈاکٹر ابوالفضل کپورتھلہ

رحمۃ اللعالمین

اندھیرا کفر کا چھایا ہوا تھا بزم عالم پہ
فقط شیطاں حکومت کر رہا تھا ابن آدم پہ

خدائی کا تھا الزام آہ معصوم ابن مریم پہ
گماں فرعون اور ہامان کا تھا ہر یک عالم پہ

جدھر دیکھو ادھر شیطانیت ہی کا رفرما تھی
عرب کا ذکر ہی کیا ایک عالم میں یہ دنیا تھی

جہاں طاقت کوئی دیکھی تو انساں نے کیا سجدہ
نظر آیا بڑا کوئی تو انساں نے کیا سجدہ

کوئی آفت نظر آئی تو انساں نے کیا سجدہ
ملی چوکھٹ جو راہب کی تو انساں نے کیا سجدہ

کہاں تک دیکھتا معبود برحق کھیل بندوں کا
غلط راہی پہ انساں کی اسے کچھ رحم سا آیا

ہوا نازل خدا کا رحم پھر نور مبیں بن کر
رہا انسانوں میں انسانیت کا جو معیں بن کر

معزز کر دیا دنیا کو دنیا کا مکیں بن کر
زمانے بھر پہ چھایا رحمۃ اللعالمیں بن کر

محمد نام پایا پھر آسی رحم الٰہی نے
گدائی جس کے در کی کی جہاں کی پادشاہی نے

معزز ابن مریم کو کیا جس کی شہادت نے
مشرف ابن آدم کو کیا جس کی نبوت نے

منور بزم عالم کو کیا جس کی رسالت نے
نگوں شیطاں کے پرچم کو کیا جس کی قیادت نے

نجات انساں کی موقوف ہے جس کی گواہی پہ
سلام شوق کی بارش ہو اس نور الٰہی پہ

وقار واثقی

جواب طلب امور کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ یا ٹکٹ بھیجئے ورنہ جواب نہ دیا جائے گا۔

دَورے

شادی کیا ہوئی گھر والوں کے دیکھنے کو آنکھیں ترس گئیں پھر جہاں آباد سے دلی آنا خدا کی پناہ ۔ ریل کے ڈبوں کی مسلسل گڑگڑاہٹ سے ہماری ہڈیوں کا بچومر نکل آتا ہے ۔ یہ ہندوستانی ریل کے ڈبے مجھے شیطان سے برے لگتے ہیں ۔ انہیں دیکھتے ہی میرے بدن میں خودبخود درد ہونے لگتا ہے مگر پہنچ تو بھی کئی دن تک ریل کا بھوت سر پر سوار رہتا ہے ۔ پلنگ پر لیٹو تو بھی بس ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ جیسے ریل کے ڈبے میں ۔ ۔ ۔ گھر کی دیواریں بھاگتی ہوئی نظر آتی ہیں ۔ سفر بھی کتنا لمبا ۔ ۔ ۔ یوں تو میں نے اُن سے کئی بار کہا لیکن اُنہوں نے کچھ نہ کچھ بہانہ کر کے ٹال دیا ۔ اسی عرصہ میں امی جان کا خط آگیا کہ راشدہ کی شادی ہے ۔ بس مجھے بہانہ ہاتھ آگیا ۔ دن رات اُن کے پیچھے پڑنے لگی ۔ آخر کو انہیں ہار ماننی ہی پڑی اور چھٹی کی درخواست دے کر باہر کام پر چلے گئے ۔ جب کسی کی شادی ہوتی ہے تو شادی شدہ کو اپنی شادی یاد آتی ہے اور وہ اپنی شادی کے سنہرے خوابوں میں رنگ رلیاں منایا کرتا ہے ۔ بس دن رات مجھے راشدہ کی شادی کا خیال ستایا کرتا ۔ راشدہ در اصل بڑی شوخ واقع ہوئی تھی ۔ اپنی شوخیوں سے ہر ایک کا دل موہ لیتی تھی ۔ بوڑھیوں میں بیٹھ کر ایسی باتیں کرتی جیسے دادی اماں ہو اور پھر کنواریوں کے لئے تو وہ بھی تفریح کا سامان تھی ۔ دن رات یہی جی چاہتا کہ اس کے پاس بیٹھے رہیں ۔ مجھ سے اُس کو کچھ قدرتی طور پر زیادہ اُنس تھا ۔ پھر اُس نے جب میں اپنی شادی سے پہلے پرانی رسم کے مطابق مائیوں بیٹھی ہوئی تھی تو مجھے اس قدر ستایا کہ ایک حال تو میں رو دی ۔ اس وقت جب کہ سارے گھر میں صرف ایک وہی متنفس تھی مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے راشدہ میرے پاس بیٹھی مجھے نوچ رہی ، پکار رہی ہنس رہی ہو ۔ آنکھیں مٹکا مٹکا کر کسی کی نقل کر رہی ہو ۔ میرے ہاتھ بے اختیاری طور پر اٹھ گئے ۔ ملور سینہ سے آہ نکلی ۔ راشدہ کسی کے پاؤں کی آہٹ ہوئی ۔ دیکھا تو وہ تھے ۔ کہنے لگے کچھ کھانے کو ہے ۔ بڑی بھوک لگ رہی ہے ۔ بیگم تمہاری نوکرانی [illegible] بھی کہیں گئی ہیں ۔ جلدی لاؤ کچھ [illegible]

اپنے ہاتھ کی بنی چیز لانا ۔" میں نے کہا " آپ کے تو مروڑ کی چٹنی بنا رکھی ہے ۔ وہی لاتی ہوں " سامنے لا کر رکھ دی ۔ خوب تعریف کر کر کے ساری چٹ کر گئے ۔ ۔ ۔ ہاتھ دھوتے ہوئے بولے " بیگم یہ تمہارے ہاتھ آخر کس کے بنے ہوئے ہیں " میں نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا " مٹی کے " بولے " نہیں بیگم ان کی مٹی کسی خاص جگہ کی معلوم ہوتی ہے ۔ بخدا اس قدر لذیذ بنائی ہے چٹنی کی تعریف نہیں کر سکتا اور پھر ۔ ۔ ۔ " میں نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا " بس رہنے دیجئے ۔ یہ مبالغہ مجھ کو پسند نہیں ، آخر یہ مردوں کو کچھ کی بیماری کی طرح کیا مرض لگ گیا ہے کہ شادی کے شروع کے چند سال خوب بیویوں کی جا بیجا تعریف کرتے ہیں ۔ اس کے پانچ سال تعریفیں ایسے زمین آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں کہ بس توبہ بھلی " وہ بولے " آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے ۔ کاٹنے کو کیوں دوڑتی ہو ۔ ارے ٹھیک ایک خوشخبری دینا تو میں تمہیں بھول ہی گیا "

میں نے کہا " آخر کیا ؟ وہی آپ کو کوئی انعام وغیرہ ملا ہوگا "

وہ بولے " نہیں اور بات ہے مگر رہنے دو " میں بگڑ کر بولی " آخر بتا نا کیا بات ہے ؟ اب خاموش ہو کر کیوں لیٹ گئے " انہوں نے کروٹ لیتے ہوئے جواب دیا " کچھ نہیں ، کوئی خاص بات نہیں ، خاموش رہو ، میرے سر میں درد ہے " میں نے خوشامدانہ لہجہ میں کہا " لائیے میں سر دبا دوں ، بتائیے نا " وہ بولے " اچھا سنو ! میری چھٹی منظور ہو گئی اب کل تمہاری دلی کی روانگی " میں سارے بدن میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ۔ چوتھے روز ہم دلی میں تھے ۔ سب سے پہلے مجھ کو راشدہ کے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی ۔ اسی کے لئے تو میں اتنا لمبا سفر طے کر کے آئی تھی ۔ پھر اس کا مکان کیا تھا مکان بھی کچھ دور بھی نہ تھا ۔ چادر اٹھائی اور اس کے گھر جا [illegible]

راستہ میں سوچتی جا رہی تھی ۔ جیسا راشدہ نے مجھے میری شادی میں چھیڑا تھا اس سے سوگنا میں اس کو اب ستاؤں گی ۔ [illegible] تیزی سے اندر داخل ہوئی ۔ راشدہ کا کمرہ خالی [illegible] کا بناؤ سنگار کئے راشدہ بھی نہ نکلی تھی ۔ [illegible]

شادی شدہ سے مراد [illegible] کے نام [illegible] مرض سے ہے ۔

اداسی چھائی رہی تھی۔ سارا سامان پیک ہو چکا تھا۔ میرے دل کی دھڑکن
تیز ہو گئی۔ دلہن ۔ راشدہ چپ چاپ آگے بیٹھ گئی۔ پیلے کپڑوں میں
چھپا ہوا کوئی میری طرف آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ میرے منہ سے چیخ
نکل گئی۔ وہ یہ راشدہ تھی۔ میں اس سے بے اختیار چمٹ گئی۔
جی چاہتا تھا کہ اس کو اپنے سینے سے الگ کروں۔ میں نے
اس کو دلاسے دیتے ہوئے کہا۔ "راشدہ تم نے اپنی یہ کیا حالت بنا رکھی
ہے۔ تمہیں چند روز میں تمہاری شادی ہونے والی ہے۔" شادی کا نام
سنکر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بے اختیار پھر ایک بار میرے
سینے سے لگ گئی۔ اُف اللہ اُس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی
تھیں۔ اتنے میں راشدہ کی ماں آگئیں۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ وہ
بولیں "بیٹی اچھی تو ہے۔ اب تیری سہیلی کی شادی ہونے والی
ہے۔ خدا رکھے اب میری بچی کوٹھیوں۔ موٹروں اور بے شمار
دولتوں کی مالک ہوگی۔" ۔۔ میں نے کہا "آخر چچی جان
وہ ہیں کون؟ جن سے راشدہ کی شادی ہو رہی ہے۔" وہ بولیں
"ارے ہوتا کون! وہی ہے۔ جن کا نام دُور دُور مشہور ہے۔ جو
جنوں سونے چاندی کا واحد مالک ہے۔ ہزاروں لاکھوں،
مزدوروں پر حکومت کرتا ہے۔ جس کی طرف ہزاروں لڑکی والوں
کی نگاہ لگی ہوئی تھی۔ ۔۔" میں نے قطع کلام کرتے ہوئے
کہا، "چچی جان! اُن کا نام" وہ ہنس کر بولیں "ارے تجھے
معلوم ہی نہیں۔ وہی نواب چھکن"۔ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے
ہزاروں ہتھوڑے ایک دم میرے سر پر مار دیئے۔ نواب چھکن۔
وہی جس کو آج بیس سال سے دمہ ہے۔ جس کو زندگی کا ایک ایک
سانس بھاری ہے۔ وہی چھکن جو کہ کھانستا ہے تو سارے محلے والے
اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتے ہیں۔ اُف اُس کی کھانسی اُس کے
سانس کے دورے۔ ۔۔ میں اُٹھ کر چلی آئی۔ ۔۔ سامنے
چھکن کی عالیشان کوٹھی چمک رہی تھی۔ اس کو دیکھ کر مجھے ایسا
معلوم ہوا کہ جیسے مجھے بھی دورہ پڑ رہا ہو۔ سانس میرا تیزی سے چل
رہا تھا۔ میں یکدم پلنگ پر گر پڑی۔ ۔۔ رات بھر اُسکی کھانسی
کی آواز کانوں میں گونجتی رہی۔ دوسرے دن اس کو دمہ کا ایسا سخت
دورہ پڑا کہ دشمنوں کو بھی اُس کی حالت دیکھ کر رونا آگیا۔ کمبخت بڈھا
پھر اچھا ہو گیا۔ شادی ایک ماہ کے لئے ملتوی کر دی گئی۔

بلکہ دن بیت گئے۔ میں روانہ ہو گئی۔ کچھ دن بعد خبر ملی کہ راشدہ بیاہ
دی گئی۔ اس عرصہ میں ان کا تبادلہ دلی کا ہو گیا۔ ۔۔ آئی تو سب
سے پہلے راشدہ کا خیال آیا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ راشدہ کو شادی
سے پہلے بڑے خطرناک دورے پڑنے لگے تھے۔ کوئی کہتا ہسٹیریا۔
اور کوئی کہتا جن بھوت کا سایہ ہے۔ اور راشدہ کی ماں کہتی کہ شادی
سے پہلے لڑکیوں کو ایسے ہی دورے پڑا کرتے ہیں۔ رخصت کے دن
بھی بڑا سخت دورہ پڑا۔ سب لوگ ناامید ہو گئے۔ مگر وہ سخت جان
رو پیٹ کر پھر ٹھیک ہو گئی۔ ۔۔ یکایک چھکن کی کوٹھی سے کسی کے رونے
کی آواز بلند ہوئی۔ معلوم ہوا آج پھر راشدہ کو دورہ پڑ گیا۔ میں تیزی
سے چھکن کی عالیشان کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ ایک زردین
مسہری پر پڑی دھاڑیں مار کر رو رہی تھی جسم ہڈیوں کا پنجر رہ گیا تھا۔
کبھی روتے روتے ایک دم اس کی آواز بند ہو جاتی۔ ۔۔ میں نے
کئی بار آواز دی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر دبایا۔ لیکن وہ نہ بولی۔ ۔۔
ایک چیخ بلند ہوئی۔ اور پھر آواز گھٹنے لگی۔ ۔۔ پھر ایک دم بند۔ ۔۔
منہ کھلا کا کھلا۔ ۔۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ یہ اس کا آخری دورہ تھا
مجھے ایسا معلوم ہوا، جیسے سارے ظالم ماں باپوں کو دورے
پڑ رہے ہوں اور وہ بھی اسی طرح درد و کرب کی حالت میں چیخ رہے ہوں
بیچاری راشدہ۔ سونا۔ ۔۔ چاندی۔ ۔۔ دورے نواب چھکن۔
دمہ کا مریض۔ ۔۔ کھانسی۔ ۔۔ دورے۔ ۔۔

عادل شفیق ڈبائیوی

(بقیہ صفحہ ۵ م)۔ اور اشک آلود نظریں میری کے چہرہ پر
ڈالتا ہوا وہاں سے نکل آیا۔ گھر آکر اس نے پھول کو ول کر اسی
باغ میں پھینک دیا۔ جہاں رات کو ایک بلبل نے اپنے خون
سے اس کی سوکھی ہوئی رگوں کو تر کیا تھا۔ اور پلنگ پر گرتے
ہوئے اس کے منہ سے یہ نکلا۔ "سچی محبت کیا دنیا سے ناپید
ہے۔ میرے خدا"

(ماخوذ از آسکر وائلڈ) ع۔ جہاں شمسی

سیر بین

دو بھائیوں کی موت

پچھلی لڑائی کا ذکر ہے ایک انگریزی کشتی جہاز چند دوسرے تجارتی جہازوں کے ہمراہ شمالی بحیرہ اوقیانوس کو جا رہا تھا۔ اس لڑائی کی طرح اس وقت بھی جرمن آبدوزوں نے سمندروں میں تباہی برپا کر رکھی تھی۔ اس جہاز کا ہر شخص دیکھ بھال میں مستعد کھڑا تھا۔ اچانک ایک طرف ایک لہر معلوم ہوئی۔ اور جب تک آبدوز کی چوٹی اوپر آئے۔ دو توپوں کے منہ ادھر کر دیئے گئے اور ہر ایک کے توپچی نے گھوڑا دبایا مگر توپ نہ چلی۔ دوسری دفعہ پھر دبایا پھر بھی توپ نہ چلی۔

دوسری توپ سے چمک اٹھی اور غضب کی گرج ہوا میں پیدا ہوئی سمندر کی سطح پر تیل پھیل گیا جس سے معلوم ہو گیا کہ آبدوز ڈوب گئی۔ نمبر ایک کا توپچی اپنے خیالات میں محو تھا۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر توپ نہ چلے تو اسے احتیاط سے ایک طرف کو دبایا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے مگر اس توپچی نے لپک کے توپ کے دہانہ کا پیچ گھما کے کھول ڈالا۔ معاً ایک گرج پیدا ہوئی اور توپ پیچھے کو چل پڑی۔ توپچی بیہوش ہو کے گر پڑا۔ اسے کمرہ میں پہنچا دیا گیا۔ ڈاکٹروں نے معائنہ کے بعد کہا کہ اسے اندرونی چوٹ آئی ہے۔ حالت خراب ہے اور دماغ پر بھی اثر پڑا ہے۔ اس کا ایک دوست اسے دیکھنے اندر گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا معمولاً زرد چہرہ اس وقت لٹھے کی طرح سفید ہو رہا ہے اور وہ آنکھیں بند کئے سہارے سے بستر پر بیٹھا ہے۔ آنکھیں کھول کے اس نے دوست کا استقبال کیا۔ اور بولا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری ٹانگیں غائب ہیں۔ بعد میں اس دوست کو معلوم ہوا کہ اس کا نچلا دھڑ مفلوج ہو گیا تھا۔ اس نے اسے بتایا کہ اس کی ہی توپ نے آبدوز ڈبو دی ہے۔ وہ یہ سن کے بہت خوش ہوا۔ وہ پھر بیہوش ہو گیا۔ دوست چلنے کے لئے اٹھنے کو تھا کہ توپچی ایک خاص جوش سے جس سے اس کا دوست حیران رہ گیا جاگا اور بستر پر بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ عجیب روشنی سے چمک اٹھا۔ وہ اس دوست کی طرف دیکھنے کی بجائے کمرہ میں کسی اور کو دیکھ رہا تھا۔ گویا وہ وہاں موجود ہے۔ دوست نے مڑ کر اس مقام کو دیکھا مگر وہاں کوئی ہوتا تو اسے نظر آتا۔ توپچی نے اپنے ہاتھ پھیلائے اور بولا۔ ایلک تم سے مل کے میں بہت خوش ہوا۔ تمہیں میرے چوٹ لگنے کا حال کیسے معلوم ہوا؟ پھر اس کی نظر دوست پر پڑی اور بولا۔ او ہو جیک! افسوس ہے میں تمہاری ملاقات ایلک سے نہ کرا سکا۔ دوست اس تعارف پر غیر مرئی شخصیت کے سامنے جھکا اور آہستہ آہستہ بولا۔ مجھے آپ سے مل کے بہت خوشی ہوئی۔ ایلن یعنی توپچی نے کہا اچھا چا بنواؤ۔ ہم تینوں چا پئیں گے۔ چنانچہ دوست نے چا کا حکم دیا۔ توپچی بیہوش ہو چکا تھا۔ پیالیوں کے رکھے جانے کی آواز سے اسے پھر ہوش آیا۔ دوست نے ایک پیالی اس نظر نہ آنے والے شخص کے سامنے جس طرف وہ توپچی منہ کر کے بات کرتا تھا رکھ دی۔ اس کے کہنے سے وہ دوست اس غیر مرئی ہستی سے بات کرنے لگا۔ دوست کو معلوم ہوتا تھا کہ تیسرا شخص اس جگہ پر ضرور ہے مگر نظر نہیں آتا۔

وہ بات اس طرح کرتا تھا گویا وہ کسی بات کا جواب دے رہا ہے توپچی بھی اسی طرح بات چیت میں شریک ہو جاتا تھا۔ اچانک توپچی کی آنکھیں پتھرائیں۔ اور وہ بستر پر پیچھے کو بے جان گر پڑا۔ دوست نے ۵ مئی تاریخ وقت وغیرہ جہاز کے روزنامچہ میں درج کر لئے کہ ایلن ملک کی خاطر جان قربان کر گیا۔ چند روز بعد اس توپچی کا باپ اس سے ملنے آیا۔ اس نے اس سے پوچھا کہ تم میرے بیٹے ایلک سے بھی کبھی ملے ہو۔ اس نے انکار کیا۔ لیکن وہ نام سن کے چونک ضرور پڑا۔ باپ نے کہا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے بڑے ہی یار تھے۔ اس نے ایک کاغذ نکالا جس پر بتاریخ ۵ مئی پڑی تھی اور لکھا تھا کہ افسوس آپ کا لڑکا ایلک ملک پر قربان ہو گیا۔ دوست کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اور اس کی آنکھوں کے سامنے جہاز کا وہ کمرہ آ گیا جس میں توپچی ایلن نے اپنے بھائی ایلک کو دیکھ کے اس سے بات کرنی شروع کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے دونوں بھائی ایک ہی تاریخ و وقت میں ایک ہی کام یعنی جنگی خدمت میں مرے اور ایک ساتھ ملک عدم کو روانہ

یہ واقعہ صحیح بتایا گیا ہے۔ صرف نام بدل دیئے گئے ہیں۔

شادی کے دستور

دنیا میں شادی کے رواج جگہ جگہ مختلف ہیں، جو بات ایک جگہ معیوب ہے دوسری جگہ مناسب و معقول ہے۔ کناڈا شمالی امریکہ کے دیسی باشندے آزمائشی شادی کرتے ہیں۔ اگر نبھ جائے تو شادی قائم رکھتے ہیں۔ مگر اپنی اپنی راہ لیتے ہیں۔ مڈغاسکر میں بھائیوں کی اولاد آپس میں شادی کرتی ہے تاکہ جائداد باہر نہ جائے۔ لیکن بہنوں کی اولاد سے ناطہ نہیں کیا جاتا۔ تبت میں ایک عورت کئی کئی شوہر کرتی ہے۔ لنکا میں بھی یہ دستور پایا جاتا ہے۔ جزیرہ ہوائی میں سردار اپنے سے نیچے درجہ کی عورت سے شادی کرتا ہے۔ خواہ سگی بہن ہی کیوں نہ ہو یا چچی پھوپھی ہی ہو۔ تاتاریوں میں ایک وقت میں دو بہنوں سے شادی کا رواج ہے۔ اسے مسلمانوں میں حرام بتایا گیا ہے۔ اکثر قوموں میں بڑے بھائی کی موت پر بیوہ چھوٹے بھائی کے عقد میں آجاتی ہے اور اس کی بعد کی اولاد بڑے ہی کی اولاد سمجھی جاتی ہے۔ اس شادی سے بیوہ کو ہی تسلی نہیں دی جاتی بلکہ بھائی کی موت کا بھی احترام ملحوظ ہوتا ہے۔

فوج کی خوراک

پہلے فوجوں کے ساتھ کوئی باورچی خانہ نہ ہوتا تھا۔ جیسے آج کل کمسریٹ کا محکمہ ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ جس ملک پر حملہ کیا جاتا ہے وہ فوجیوں کی خوراک وغیرہ کا شکار رہتا تھا۔ نپولین دنیا کا بہت بڑا سپاہی اور سپہ سالار مانا جاتا ہے۔ اس نے بھی اپنی فوج کے لئے کوئی رسد رسانی کا محکمہ قائم نہ کر رکھا تھا۔ حقیقت میں وہ ان باتوں کو بیکار سمجھ کے حقارت سے دیکھتا تھا۔ اس کی فوج حملہ کئے ہوئے علاقہ سے خوراک حاصل کرتی تھی۔ یہ طریقہ بہت سستا تھا۔ مگر اندیشہ ناک تھا۔ جب تک اس کی فوجیں آسٹریا اور جرمنی ... ملکوں پر حملہ آور رہیں ان کا کام خوب بنتا رہا۔ اٹلی پر حملہ کرتے وقت نپولین نے فوج کو وہاں کی لوٹ اور طرح طرح کی غذاؤں کا لالچ دیا کہ تمہاری فتح کی منتظر ہیں۔ اور سب تمہاری ہیں۔ لیکن جب اس نے اس پر حملہ کیا وہاں برف ہی برف تھی۔ اس پر فوج کیسے زندہ رہتی۔ تقریباً سارا لشکر تباہ ہو گیا۔ اور خود نپولین کی قسمت نے بھی یہیں پلٹا کھایا۔

جب جنگ کریمیا ہوئی اور انگریزی فوجیں ترکوں کی طرف سے لڑیں اس وقت فوج کے کھانے کی تکلیفوں سے انگریزوں کے کان کھڑے ہوئے۔ اس وقت بسکٹ دئیے ہوئے جوتے اور پانی اور گوشت کا مجموعہ تھے۔ اب بھی ایسے بسکٹوں کا بعض لشکروں میں ذخیرہ ہوتا ہے۔ چکدار ٹینوں کے ڈھیر ہوتے ہیں مگر عموماً ایسا ہوتا ہے کہ سپاہی اپنی خدمت کے تین سال پورے کر آتا ہے اور اسے ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ کہ اسے ٹین کھول کر بسکٹ کھانے پڑیں رسد رسانی اور باورچی خانوں کا بہت اچھا انتظام ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ اکثر سپاہیوں کو اپنے گھروں سے بہتر فوجوں میں کھانا ملتا ہے۔ آج محکمۂ فوج نے فوجیوں کے معدوں کا خاص خیال رکھا ہے۔ پہلے زمانہ میں ان کے ہتھیاروں کا خیال کیا جاتا تھا۔ مگر معدوں کا خیال خود سپاہیوں کو ہی رکھنا پڑتا تھا۔

پھلجھڑیاں

کچھ عرصہ ہوا امریکہ کے ایک ڈاکٹر نے مچھلیوں مینڈکوں اور چوہوں پر یہ تجربے کئے کہ جو اعضا جواب دے جائیں۔ ان میں دوبارہ جان ڈالی جا سکتی ہے۔ تجربہ کے بعد اس نے بتایا کہ اندھے چوہے ادھر اُدھر ٹکریں مارنے کے بعد پنیر کے ٹکڑے تک جا پہنچے۔ مگر جن کی آنکھیں دوبارہ زندہ کی گئیں وہ فوراً پنیر پر جا ٹوٹے۔

محققوں کا نظریہ ہے کہ زمین کی حرارت آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو زمین ایک چمکتا ہوا ستارہ بن جائے گی۔ بحر قطب کی تحقیقات نے ان لوگوں کو اس نتیجہ پر پہنچایا ہے۔

یورپ میں کاغذ کی بوتلیں بنانے کا تجربہ کیا جا رہا تھا۔ ایک بوتل پر ایک پیسہ لاگت آتی ہے۔ کانچ کی بوتلوں سے یہ کم وزنی اور زیادہ پائدار ہوتی ہیں۔ مضبوط بھی بہت ہیں۔ ان میں دودھ اور دوائیں بھر کے رکھی جا سکتی ہیں۔

امریکہ میں ماہ جون میں ایک شادی شدہ ۲۸ سالہ عورت نے چاقو سے زبان کاٹ دی۔ اُسے خون کی ندی میں لت پت زمین پر پایا گیا۔ پاس ہی ایک پرزہ پڑا تھا جس پر اس نے لکھا تھا کہ میں نے اللہ سے بہت دعا مانگی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اس کا یہی علاج ہے کہ وہ زبان ہی نہ رہے جس نے اللہ پر الزام لگایا۔

بزمِ عصمت

میں دلی مسرت کے ساتھ اطلاع دیتی ہوں کہ میری پیاری خالہ زاد بہن عائشہ عبدالکریم صاحبہ کی شادی خانہ آبادی جناب کریم موسیٰ غازی صاحب کے خلفِ اکبر صوبیدار عبدالستار غازی صاحب کے ساتھ ۱۰ ارجون ۱۹۴۳ء کو بخیر و خوبی انجام پائی خداوند کریم انہیں یہ نئی زندگی مبارک کرے اس خوشی میں میں انہیں پیارے عصمت کی خریدار بناتی ہوں۔

(حلیمہ یوسف کلکتہ خریدار نمبر ۱۰۷۷)

خریداری نمبر ۶۷۵۴ نام فاخرہ بیگم اعظم گڑھ صاحبہ نے پختہ واٹر کلر اور ربن و ربن کی سوئی کے بارے میں دریافت کیا ہے۔ چنانچہ میں ان کو اطلاع دیتی ہوں کہ یہ سب چیزیں حسبِ ذیل دکان سے بہت کفایت اور آسانی سے دستیاب ہو سکتی ہیں:۔ "حافظ رشید احمد اینڈ سنس پنسار منڈی رائے بریلی"

(کنیز فاطمہ خریداری نمبر ۵۴۶۲)

مارچ کے عصمت میں بہن ذاکرہ خاتون فرحت نے روئیں دور کرنے کی ترکیب لکھی تھی۔ اسے پانچ مرتبہ آزمایا جا چکا ہے مگر ابھی تک فائدہ معلوم نہیں ہوتا۔ کیا وجہ ہے؟ اگر چھپنے میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو بہن صاحبہ تصحیح فرمائیں و نیز اس سے مطلع فرمائیں کہ کتنے عرصہ اور اس کا استعمال ضروری ہے۔

(خریداری نمبر ۸۲۹۲)

عرصہ چار سال سے میری ایک عزیزہ سہیلی مرض برص میں مبتلا ہیں۔ حکیم، ڈاکٹر اور کبیراج سے انہوں نے علاج کروائے ہیں۔ فائدہ نہیں ہوا۔ کوئی بہن یا بھائی اس کا علاج جانتی ہوں یا فقیری نسخہ ان کے پاس ہو تو مع پرہیز کے "بزمِ عصمت" میں شائع کرا کے ممنون کریں۔ (آمنہ خاتون اہلیہ اسرار علی خاں)

میرے چہرہ پر دانے پیدا ہوتا ہے جو کہ بڑھ کر بالوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے کئی نسخے استعمال کئے کچھ فائدہ نہ ہوا اگر کسی عصمتی [illegible] کو کوئی ایسا نسخہ معلوم ہو جس کے استعمال سے [illegible]

میں پڑھنے کی صلاحیت باقی نہ رہے تو بذریعہ بزمِ عصمت مطلع فرمائیں۔ نیز میرا چہرہ چکنا بھی ہے۔ کوئی ایسا مجرب نسخہ بھی لکھیں جس سے چکناہٹ دور ہو جائے۔ (خریدار نمبر ۶۴۲۸)

ایک بہن کے چہرہ کے مسامات بہت بڑے ہو گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے چہرہ چکنا رہتا ہے۔ کوئی بھائی بہن کسی ایسی دوا سے بذریعہ بزمِ عصمت مطلع کریں۔ جو آسانی سے مل سکے اور جلد کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ (انیس فاطمہ بلگرامی)

تقریباً ایک سال سے میرے سر کے بال سیاہی سے سرخی کی طرف مائل ہیں۔ کنگھی کرنے سے زیادہ نہیں گرتے۔ لیکن یوماً فیوماً کم ہوتے جاتے ہیں۔ ہر بال کا سر دوہرا ہو گیا ہے۔ براہِ کرم عصمتی بہنیں اس طرف متوجہ ہو کر کوئی مجرب نسخہ تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ (خریداری نمبر ۶۴۴۳)

میں ممنونِ احسان ہوں گی اگر کوئی عصمتی بہن یہ بتائیں کہ کوئی مقام۔ ٹپنی (یا پیتنی) بھوانی ضلع ایروڈ۔ صوبہ مدراس کے نزدیک دریائے کاویری کے کنارے واقع ہے یا نہیں۔

(خریدار نمبر ۶۲۰۵)

دُور بِین

جنگ صقلیہ کئی ہفتہ تک خوف و گھبراہٹ کی فضا پیدا کرنے کے بعد اتحادیوں نے سسلی یعنی جزیرہ صقلیہ پر سامانِ جنگ اور فوجیں اتار دیں محوریوں نے معمولی مقابلہ کے بعد پیچھے ہٹنا شروع کر دیا اور اتحادیوں کو شروع میں اندیشہ تھا کہ وہاں اُنھیں فوجیں اتارنے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چونکہ ان کے لئے ساحل پر کوئی حفاظتی صورت نہ ہوگی۔ اس لئے محوری ہوائی جہاز اُن کے بحری جہازوں اور سپاہیوں اور دیگر سامانِ جنگ کا سخت نقصان کریں گے۔ اور برابر پریشان کرتے رہیں گے۔ مگر ان کا یہ قیاس درست نہیں نکلا۔ جنوبی اور مشرقی ساحلوں پر پیشقدمی کرتے ہوئے انہوں نے اوغسطہ سیراکیوس پر اور اندرونِ ملک میں رغوسہ مدلیقہ سقورہ یہ اور اغریجنتہ پر قبضہ کر لیا۔ قطانیہ کی بندرگاہ صرف چند میل کے فاصلہ پر رہ گئی ہے اس میدان میں جرمنوں کی تازہ دم فوجیں پہنچ گئی ہیں۔ اور انہوں نے بڑی تندی سے لڑنا شروع کر دیا ہے لیکن امریکی اور انگریزی دباؤ اس قدر زیادہ ہے کہ جرمنی اپنی بے بسی کو محسوس کرنے لگے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جرمنوں نے وسطی جزیرہ میں اتحادیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کا ارادہ کیا ہوا ہے صقلیہ کا ایک تہائی حصہ اس وقت اتحادیوں کے ہاتھ میں آچکا ہے۔ اور جرنیل الگزنڈر اس کا فوجی حاکم بنا دیا گیا ہے۔ اس نے اعلان کیا ہے کہ مسولینی کی پارٹی جزیرہ میں ممنوع قرار دی گئی ہے دشمنوں کو کسی قسم کی مدد دینا جرم ہے۔ اگر باشندے وفادار اور باامن رہے تو انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے گی۔ نہ اُن کی جان و مال سے کسی قسم کا تعرض کیا جائے گا۔ سارے اٹلی میں پریشانی پھیلی ہوئی ہے۔ اب وہاں جنگ کو موت و زندگی کا سوال سمجھ رہے ہیں۔ اُن کے لیڈر اسی قسم کی تقریریں کر کے انہیں مضبوط بنا رہے ہیں۔ ادھر اتحادی ریڈیو کے ذریعہ اطالویوں کو ان کی صورتِ حالات سے آگاہ کر کے ہتھیار ڈال دینے کی [illegible] اب انہوں نے اطاعت

قبول کر لی تو ان سے نرمی برتی جائے گی۔ اطالیہ سے مشہور ترین بندرگاہ نیپلز ٹیونس کی بندرگاہ بزرطہ سے ۳۰۵ میل کے فاصلہ پر ہے بزرطہ اتحادی جہازوں کا مرکز بن گیا ہے صقلیہ کی بندرگاہ مرسلہ ٹیونس سے صرف ۱۵۰ میل دور ہے۔ اتحادیوں نے پوپ کو اطمینان دلایا ہے کہ ان کی غیر جانب داری کا احترام کیا جائے گا۔ یہ جنگ مسولینی اور اس کے طرفداروں کے خلاف ہے۔ ان کی بیخکنی کے بعد اطالویوں کو سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی۔ اتحادیوں کی طیاریوں اور حملوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ قریب میں جزیرۂ سارڈینیہ اور اٹلی کے جنوبی حصہ پر جگہ جگہ فوجیں اتار کے مختلف محاذ قائم کر دیئے جائیں گے۔ تاکہ اٹلی اپنی بے کسی دیکھ کے اپنا پیچھا جرمنی سے چھڑانے اور اتحادیوں کے آگے سرِ اطاعت جھکانے میں اپنی نجات سمجھے یہ بھی اندیشہ کیا جا رہا ہے کہ اتحادی بلقان، یونان وغیرہ پر بھی فوج کشی شروع کر دیں۔ اتحادیوں کی ہوائی طاقت اب جرمنی کی طاقت سے کہیں بڑھی ہوئی ہے۔ چھتریوں کے ذریعہ اتحادی فوجیں اتاری جا رہی ہیں۔ بحیرۂ روم میں محوری جہازوں کے روزمرہ نقصان کیا جا رہا ہے ہر طرح اس سارے علاقہ میں اتحادیوں کا پلہ بھاری ہے گو قرائن سے پایا جاتا ہے کہ اب صقلیہ میں زبردست مقابلہ کریں گے مگر انجام کار ان کو بھاگ کے جزیرہ خالی کرنا پڑے گا۔ اور اٹلی کی سرزمین میدانِ جنگ بن جائے گی۔

روسی محاذ اس دفعہ جرمنی نے گرمیوں کے موسم میں جارحانہ اقدام کے سلسلہ میں غیر معمولی تاخیر سے کام لیا خیال یہ ہے کہ اس نے اتحادی حملۂ یورپ کی وجہ سے روس پر اپنا گرمائی حملہ شروع نہیں کیا۔ روسیوں نے اڑھائی سو میل سے زیادہ کے محاذ پر انہیں مصروفِ جنگ رکھ کے اتحادیوں کو بیش قدر مدد پہنچائی ہے۔ جرمنی کی فوجیں جگہ جگہ نقل و حرکت کرتی دیکھی گئی ہیں مغربی فرانس۔ جنوبی یورپ۔ بلقان اور یونان کی طرف [illegible] کی فوجیں اور سامانِ جنگ برابر جا رہا ہے۔ جس کے یہی معنی [illegible] ہیں کہ اتحادی حملے کے متعلق [illegible]

کیا آپ کے گھر میں ننھے بچے ہیں؟

اگر ہیں تو "بچوں کی تربیت" منگا لیجئے۔ کیونکہ بچوں کی پرورش و تربیت پر اس قدر آسان پیرایہ میں ایسی مفید کتاب اُردو میں آج تک شائع نہیں ہوئی دہلی کے مشہور گھرانوں میں بچوں کی پرورش میں جن باتوں کا خیال رکھا جاتا تھا۔ آج جن بیماریوں پر اشرفیاں خرچ کی جاتی ہیں اور اس وقت پیسوں میں کام ہو جاتا تھا۔ وہ نسخے اس میں جمع کئے گئے ہیں۔ بچوں کی صحت کے اصولوں پر کتاب لکھی گئی ہے۔ اور ذاتی تجربے بیان کئے گئے ہیں از مولوی عبد الغفار صاحب انجری سابق پروفیسر ٹرکش یونیورسٹی بیروت۔ دوسری دفعہ چھپی ہے۔ قیمت ۱۲/

زنانہ بستہ بچیوں اور لڑکیوں کے لئے دس ننھی ننھی کتابوں کا مجموعہ

(۱) بسم اللہ کی کتاب (۲) کہانیوں کی کتاب (۳) کھیل کی کتاب (۴) لکھنے کی کتاب (۵) نماز کی کتاب (۶) کھانے پکانے کی کتاب (۷) تندرستی کی کتاب (۸) تہذیب ادب اور اخلاق کی کتاب (۹) سینے کی کتاب (۱۰) خانہ داری کی کتاب۔ جو کتاب جس مضمون پر لکھی گئی ہے مکمل ہے۔ بچیوں اور لڑکیوں کے لئے زنانہ بستہ نہایت ہی مفید اور کام کی کتاب ہے۔ اور دلچسپ بھی اتنی ہے کہ وہ خوشی خوشی اور شوق سے بار بار پڑھتی ہیں۔ ضخامت پونے دو سو صفحے سے کچھ کم نہیں پانچویں دفعہ چھپی ہے۔ از مولانا سیماب اکبر آبادی قیمت عہ

فیروزہ

ایک دولتمند گھر یتیم و بیسہارا لڑکی کا افسانہ۔ غم، شرافت اور نسائیت کی دل ہلا دینے والی قربانیاں جن سے معلوم ہوگا کہ کس وجہ سے ایک شریف عورت اپنے شوہر کو ایک دوسری عورت کے حوالہ کر دیتی ہے۔ لالچ بے ایمانی ہنگامی جذبات کے قابل نفرین مرقعے احسان فراموشی۔ محسن کشی کے کمینے حملے اور استقامت استقلال۔ دور اندیشی کی فتح ایک سبق آموز افسانہ ہے جو بتلائیگا کہ کڑی سے کڑی مشکلات کا مقابلہ کرنے پر بھی عورت اعلیٰ تعلیم۔ سلیقہ شعاری۔ اور معاملہ فہمی کی بدولت زندگی خوشگوار بناتی اور قومی خدمت انجام دے سکتی ہے۔ عصمت کی مشہور مضمون نگار محترمہ جمیلہ بیگم صاحبہ کلکتہ کی تصنیف ہے۔ قیمت ۱۲/ دوسری دفعہ چھپی ہے۔

ہنسی کی باتیں

عامیانہ اور بازاری لطیفے میں، جو پھکڑپن سے بھرے ہوتے ہیں۔ یہ کتاب ہندوستانی گھرانوں کی محترم خواتین کے نئے طرز مہذب لطیفے ہیں جنہیں پڑھ کر سنجیدہ انسان بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے۔ لطف یہ کہ معیار تہذیب سے گرا ہوا کوئی لطیفہ نہیں مہذب ظرافت کی بہترین کتاب ہے جو عورتوں، مردوں، بڈھوں اور بچوں سب کو پسند ہے آمنہ نازلی ادیب فاضل تیسری دفعہ چھپی ہے۔ قیمت ۸/

ملنے کا پتہ
عصمت بک ڈپو۔ دہلی

بیوٹرین

کے استعمال سے

چھائیوں کا نام و نشان باقی نہیں رہتا۔ کیل و مہاسوں کو جڑ سے اُکھیڑ پھینکتی ہے جھریوں اور بدنما داغوں کو دور کر کے چہرے کو خوبصورت بناتی ہے۔ پھوڑے پھنسی کے لئے مجرب ہے۔ قدرتی پیداوار اور خوشبودار پھولوں سے تیار کی جاتی ہے۔ سہیلیوں اور دوستوں کو پیش کرنے کا بہترین تحفہ ہے۔ تمام جنرل مرچنٹ اور کیمسٹ بیچتے ہیں۔

قیمت ایک روپیہ چار آنے علاوہ محصول ڈاک

جنرل منیجر اے جہانگیر جی اینڈ کو

سول ایجنٹ

ایس۔ بی۔ احمد مرچنٹ اینڈ ایجنٹ
نہر سعادت خاں طوطہ میدا۔ دہلی

ضرورت

میونسپل گرل اسکول کے لئے اُردو انگریزی پڑھانے کے لئے معقول تنخواہ پر ماسٹرنیوں کی ضرورت ہے۔ درخواست میں یہ ظاہر کر دیا جائے کہ کم سے کم کتنی تنخواہ منظور ہوگی۔

پریسیڈنٹ میونسپل کمیٹی

راج [illegible] پی

وہ صقلیہ کے علاوہ کو دوسرا محاذ نہیں سمجھ رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اتحادیوں کو یورپ کے کسی حصہ پر حملہ کرنے پر مائل کرنے کے لئے کورسک اور اوریل کے علاقہ میں زبردست حملہ شروع کر دیا اور روسی فوجوں کے مستحکم حصار میں گھس کے ایک سد سکندری قائم کر دی ہے۔ مگر وہ اس کو زیادہ وسیع نہیں کر سکا۔ سخت جنگ ہوئی جس میں طرفین کا سخت نقصان ہوا۔ بے شمار طیارے اور فولادی گاڑیاں تباہ ہو گئیں۔ بے شمار سپاہی مارے گئے۔ اور گرفتار ہوئے۔ اب روسیوں نے جوابی حملہ کر کے جرمنوں کو دبا لیا۔ اور اوریل کے بہت قریب پہنچ گئے۔ اور اس اہم جنگی مقام کو جلد تر جرمنوں سے چھین لینے کا امکان نظر آ رہا ہے۔ اتحادی مبصرین کو یہی خیال تھا کہ جرمنی کا یہ سخت حملہ روسیوں کو جلد اطاعت قبول کر لینے پر مجبور کر دینے کے لئے ہے مگر اس ہفتہ کے واقعات نے اس خیال کو درست ثابت نہیں کیا۔ یہی نظر آتا ہے کہ جرمنی اس موسم گرما میں روس میں مدافعت پر رہنا چاہتا ہے۔ وہ انگریزوں اور امریکیوں سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتا ہے۔ مگر اب یہ دونوں اس قدر طاقتور ہو گئے ہیں کہ ان کو پچھاڑ دینا اس کے بس کا روگ نہیں معلوم ہوتا۔ مگر جرمنی جنگ کو لمبا کر دینا چاہتا ہے اور اس عرصہ میں وہ اتحادیوں میں پھوٹ ڈالنے کی ادھیڑ بن میں لگا ہوا ہے۔ تاکہ اتحادی اس سے ایسی صلح کر لیں جس سے وہ شکست کے برے نتائج سے بچ سکے۔

جاپان سے جنگ

نیوگنی کے امریکی سپہ سالار نے کہا ہے کہ جاپانی سپاہی جرمن سے زیادہ سخت اور بے رحم دشمن ہے۔ ایک لاکھ جاپانی سپاہیوں کو اطاعت پر مجبور کرنے میں بڑا وقت لگے گا۔ جنوبی بحر الکاہل کی جنگی فضا ظاہر کر رہی ہے کہ کوئی زبردست حملہ ہوگا۔ وہ اتحادیوں کی طرف سے ہو یا جاپانیوں کی جانب سے، وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔ جاپان کچھ عرصہ سے حملہ نہیں کرتا۔ وہ اپنے مقبوضہ علاقہ کو مضبوط کر رہا ہے اور اس کی پیداوار سے فائدہ اٹھانے پر تلا ہوا ہے۔ مگر وہ خواہ کتنا ہی شکست کھا چکنے کے باوجود اس پر [illegible]

[illegible]

پر اتر کر کافی علاقہ پر قابض ہو چکے ہیں۔ اتحادیوں نے فیڈا وغیرہ پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ اوبال کو اتحادی فتح کر لینے کا عزم کر چکے ہیں۔ اس کے ارد گرد جزیروں کی ایک مستحکم باڑ جاپانیوں نے قائم کر رکھی ہے چین میں بھی پیچھے ہٹ جانے کے بعد اب پھر صوبہ یونان میں حملہ آور ہو گیا ہے۔ آسٹریلیا اب پہلے سے زیادہ امید افزا حالت میں ہیں۔ ان کو اب جاپانی حملہ کا خطرہ نہیں ستا رہا۔ برابر انگریزی اور امریکی ہوائی جہاز حملے کر کر کے جاپانیوں کا سخت نقصان کر رہے ہیں۔

جرمنی سے ہوائی جنگ

امریکی اور انگریزی ہوائی جہاز برابر روہر اور دوسرے جرمن علاقوں پر ہوائی حملے کر کے سخت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ جرمنوں نے اس علاقہ کو زیادہ مضبوط بنا لیا ہے۔ ایک ہزار سے زیادہ لڑاکا جہاز اور تیس ہزار ہوائی توپیں وہاں جرمنوں نے پہنچا دی ہیں۔ اس وجہ سے اتحادیوں کے ہفتہ ۴۳ / ۷ بمبار جہاز تباہ ہو گئے۔ موسم خراب ہونے کی حالت میں ایک ہی رات میں جرمن ہوائی جہازوں نے بادلوں میں سے نکل کے اٹھارہ اتحادی جہاز گرا دیئے مگر اطالوی سپہ سالاروں نے اس نقصان کو فائدہ کے مقابلہ میں کم سمجھا ہے۔ اسی وجہ سے وہ حملہ جاری رکھے ہوئے۔ جنوبی یورپ میں تو جگہ جگہ ہوائی حملے کئے جا رہے ہیں۔ اب اتحادی بلغاریہ تک ہوائی حملوں کا سلسلہ قائم کر دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ جرمنی کے ہوائی جہاز بھی انگلستان پر مختلف مقامات پر ہوائی حملے کرتے رہے۔ بعض مبصروں کا خیال ہے کہ جنوبی یورپ میں اتحادیوں کو جنگ میں مصروف کر کے جرمن انگلستان پر ہوائی حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ بلاشبہ وہ اس میں کامیاب نہ ہوں گے اور اس میں ان کا نقصان بھی بہت ہوگا۔ اس کو جانتے ہوئے وہ اس کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ اسے عمل میں لایا جائے۔ جرمنی اب بوکھلایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ دھڑا دھڑ اس قسم کے فعل پر آمادہ نظر آتے ہیں۔

تاروں کا جھرمٹ

ہندوستان کے نئے وائسرائے سر آرچیبالڈ ویول لارڈ بنا دیئے گئے ہیں

حیدرآباد دکن میں بجلی کا شعلہ [illegible]

[illegible]

. L. 1872 September 1943 Established

عصمت دہلی

چھتیسواں ۳۶ سال [illegible] ستمبر ۱۹۴۳ء عیسوی | جلد ۷۱ نمبر ۳

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی (مع محصول ڈاک وغیرہ):- چار روپیہ فی پرچہ ۸/ ممالک غیر سے دس ۱۰ شلنگ
اُمراء سے دس ۱۰ روپیہ رؤسا سے پچیس ۲۵ روپیہ والیانِ ریاست سے سو ۱۰۰ روپیہ

اگست ۱۹۴۳ء کا عصمت سو ۱۰۰ روپیہ میں بھی اب نہیں مل سکتا، کیونکہ کاغذ کی نایابی کی وجہ سے رسالہ اب صرف اتنا ہی چھپوایا جاتا ہے، جتنی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے اگر آپ کو کسی ماہ کا رسالہ وقت مقررہ پہ نہ ملے تو خریداری نمبر کے حوالہ سے فوراً ہمیں مطلع کر دیجئے دوبارہ مفت بھیج دیا جائیگا۔ مگر ۱۰ تاریخ کے بعد ممکن ہے کسی قیمت پر نہ مل سکے۔ منیجر

(باہتمام رازق الخیری ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محبوب المطابع دہلی میں چھپ کر دفتر عصمت کوچہ چیلان (دریا گنج) دہلی سے شائع ہوا)

عصمتی بہنیں

اِن قواعد کی ضرور پابندی کریں ورنہ ہم اُن کی شکایت سے ذمہ دار نہ ہوں گے

(۱) عصمت ہمیشہ پابندیٔ وقت سے ۳۰ تاریخ کو شائع ہوکر دوسری تیسری تاریخ تک ہندوستان کے تمام خریدار کو پہنچ جاتا ہے۔ اشاعت میں خدا کے فضل سے کبھی دیر نہیں ہوتی لیکن اگر ڈاکخانہ کی غلطی سے وقت مقررہ پر پرچہ نہ ملے تو ۵ تاریخ کے بعد کارڈ لکھ کر نمبر خریداری کے حوالہ سے دوبارہ پرچہ منگالیں۔ اب چونکہ رسالہ صرف ضرورت کے مطابق چھاپا جاتا ہے، اس لئے اگر پرچہ نہ ملنے کی فوراً اطلاع نہ دی گئی تو پھر کسی قیمت پر نہ مل سکے گا۔ (۲) اگر ایک مقام سے دوسرے مقام کا تبادلہ ہو جائے تو خریداری نمبر کے حوالہ سے فوراً دفتر کو تبدیلی پتہ کی اطلاع دیجئے کئی کئی ماہ بعد پتہ بدلوانا دفتر کو سخت نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ صحیح پتہ نہ ہونے کی وجہ سے پرچہ تلف ہو جاتا ہے اور خریدار بہن کو شکایت رہتی ہے کہ دفتر سے نہیں بھیجا گیا حالانکہ تمام خریداروں کو ۳۰ تاریخ کو رسالہ بھیجدیا جاتا ہے۔ لہذا پتہ تبدیل ہوتے ہی دفتر کو فوراً اطلاع دے دیں (۳) جب ہمیں خط لکھیں خریداری نمبر ضرور لکھیں ورنہ تعمیل میں کئی دن لگ جائیں گے اگر آپ کو خریداری نمبر یاد نہ ہو یا آپ نے نوٹ نہ کیا ہو تو جوابی پوسٹ کارڈ بھیجکر دفتر سے معلوم کیجئے کیونکہ بغیر خریداری نمبر لکھے آپکے خط کی تعمیل فوراً نہ ہوسکے گی (۴) جواب طلب امور کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ یا تین پیسہ کا ٹکٹ بھیجئے (۵) منی آرڈر کی کوپن پر خریداری نمبر اور پتہ ضرور درج فرمائیے۔ خریداروں کے چندہ کی میعاد یا اختتام سال کی اطلاع ایک ماہ پہلے دیدی جاتی ہے اگر کسی بہن کو خریدار رہنا نہیں ہے تو دفتر کو مطلع کر دیں اور اگر چہ بدستور جاری رکھنا ہے تو بذریعہ منی آرڈر کے ذریعہ آئندہ سال کا چندہ بھیجدیں انکاری اطلاع یا چندہ نہ آنے پر وی پی بھیجا جاتا ہے۔ وی پی واپس آنے پر نام فوراً رجسٹر سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ براہ کرم ان باتوں کا ہمیشہ خیال رکھیئے

منیجر

مضمون نگاری کے قواعد

مضمون نگاروں کو عصمت کے لئے مضامین بھیجنے سے پہلے ان باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے تاکہ ان کا وقت اور محنت بیکار نہ جائے۔

(۱) مضامین کاغذ کے ایک رُخ پر روشن سیاہی سے نظر ثانی مناسب ترمیم و اصلاح و اضافہ کے لئے ایک ایک سطر چھوڑ کر خوش خط لکھنے چاہئیں (۲) اڈیٹر کے نام کے خط میں مضمون نگار کا صحیح نام اور پورا پتہ درج ہونا اشد ضروری ہے (۳) طویل مضمون کے لئے تین تین چار چار ماہ بعد بھی ممکن ہے جگہ نہ نکل سکے لیکن چھوٹے چھوٹے مضامین جلد درج رسالہ ہو سکتے ہیں اس لئے مضمون نگار جہاں تک ممکن ہو مضمون مختصر لکھیں اور کم از کم الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کریں (۴) مضمون کسی کتاب یا رسالہ سے نقل ہو یا ترجمہ یا اخذ ہو تو مصنف کا نام اور کتاب یا رسالہ کا حوالہ ضرور دیا جائے (۵) عصمت کے لئے وہ مضامین ارسال کئے جائیں جو صرف عصمت کے لئے لکھے جائیں، وہ مضمون ہرگز نہ بھیجا جائے جو کسی اور پرچہ کو بھیجا جا چکا ہو (۶) مضامین کے لئے پُرانے پامال عنوانات جن پر بار بار عصمت میں مضامین شائع ہو چکے ہیں منتخب نہ کرنے چاہئیں نئے نئے موضوعوں پر چھوٹے چھوٹے مضامین جو اسلوب بیان، ندرت خیال وغیرہ کے اعتبار دلچسپ سمجھے جاسکتے ہیں خوشی کے ساتھ شائع کئے جاتے ہیں (۷) مضامین میں تہذیب و سنجیدگی کا پورا خیال رکھنا چاہیئے جو مضامین ذاتیات سے آلودہ ہوتے ہیں یا جن سے کسی فرقہ یا کسی شخص کی دل آزاری ہو سکتی ہے ردی کر دیئے جاتے ہیں (۸) مضامین کی زبان سلیس اور عام فہم ہونی چاہیئے۔ رنگین بے معنی عبارت ہمیں ناپسند ہے۔ فارسی، عربی، انگریزی ہندی الفاظ ٹھونسنے سے مضمون بھدا ہو جاتا ہے (۹) جو مضامین عصمت میں شائع ہوتے ہیں ان کا دائمی حق اشاعت بحق عصمت محفوظ ہوتا ہے (۱۰) دو آنے کا ٹکٹ آنے پر ناقابل اشاعت مضمون واپس کیا جاسکتا ہے (۱۱) عصمت سال کے بہترین مضامین پر جولائی میں کئی سو روپیہ کے انعامات مضمون نگار خواتین میں تقسیم کرتا ہے کم استطاعت مضمون نگار کو حسب قول کچھ معاوضہ بھی دیتا ہے۔ غیر مسلم خواتین کے مضامین خوشی سے شائع کئے جاتے ہیں جو خواتین و حضرات ان قواعد کی پابندی نہیں کرتے ان کے مضامین ناقابل اشاعت ہوتے ہیں۔

اڈیٹر

رمضان اور خیرات

(علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ)

رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوگیا۔ یہ وہ مقدس اور پاک وقت ہے، جب انسانی نیکیاں دربارِ خداوندی میں خصوصیت سے قبول ہوتی ہیں، اور معبودِ حقیقی اپنے گنہگار بندوں کو ان کے ایمان کی کسوٹی پر پرکھتا ہے، ان کی نیتوں کا بدلہ دیتا ہے اور ان کے اعمال کا جائزہ لیتا ہے۔ عمل نیک کے درجے بڑھتے ہیں، رحم و کرم کے دروازے کھلتے ہیں، انعام و اکرام کی بارش ہوتی ہے، اور ہر مسلمان اپنی ادنیٰ سی عبادت پر خدائے بہتر و برتر کے انعام سے مالا مال ہوتا ہے اور اس مبارک موقع سے جو اس کی خوش قسمتی سے میسر ہوگیا فائدہ اٹھاتا ہے، اور کوشش کرتا ہے، کہ اس کی نیکی پچھلے گناہوں کی تلافی کردے، اور مجبور و لاچار و نافرمان و گنہگار بندہ اپنی نیکی سے خدا کے حضور میں سرخرو ہو اور زندگی کا مقصدِ اصلی یعنی خدا کی رضامندی حاصل کرے ؎

خوشنودیٔ خدا ہی عبادت کا نام ہے
جنت بھی ایک رضائے الٰہی کا نام ہے

گناہ و نافرمانی ایک اعتبار سے فطرتِ انسانی ہے، مگر خوش نصیب ہے وہ مسلمان جو اپنی نافرمانیوں اور گناہوں کا احساس کرے اور نافرمان سر اور گنہگار قلب خدا کے حضور میں جھک جائے، سچے دل اور اچھی نیت سے اپنی غفلت سے نادم ہو، شرم کے آنسو آنکھ سے نکلیں اور خوف کی صدائیں قلب کو تھرا دیں۔ عجز کے قدموں سے آگے بڑھے اور یقین کرے کہ خالق الموجودات کی رحمت وسیع ہے اور اس کا عظیم الشان دربار ہزاروں اور لاکھوں روپوں کا محتاج نہیں چھوٹی سی چھوٹی نیکی اس کے فضل سے کوہِ گراں بنتی ہے اور حقیر سے حقیر خدمت بھی اس کے کرم سے ارفع و اعلیٰ لباس پہن سکتی ہے، اس کی ازلی و ابدی طاقت گھاس کے ایک تنکے کو سدا بہار پھول کرتی ہے اور اس کی لازوال قدرت جو کی روٹی اور لہسن کی چٹنی کو نعمتِ غیر مترقبہ بناتی ہے اور یہ وہ سرکار ہے جہاں ہیروں سے پہلے پتھر اور پھلوں سے پہلے کنکر منزلِ مقصود پر پہنچتے ہیں۔

ہنر مندوں سے پوچھے جائیں گے وال بے ہنر پہلے

خاکِ عرب سے اٹھنے والے ہادیٔ برحق (جس پر ہمارے جان و مال قربان ہوں) کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز جب میدانِ حشر میں نفسی نفسی کا عالم ہوگا اور ہر شخص حیران و پریشان خوفِ خدا سے کانپ رہا ہوگا تو خدائے واحد القہار کا ارشاد ہوگا کہ ارے بندے آج تو ہمارے کرم کا محتاج ہے مگر کیا تجھے وہ وقت یاد ہے جب ہم بھوکے پیاسے تیرے در پر گئے اور تجھ سے التجا کی، جب ہم مجبور و لاچار تیرے پاس پہنچے اور تجھ سے سوال کیا مگر ہماری التجا بے سود اور سوال بیکار رہا۔ تیرا دسترخوان ہماری نعمتوں سے مالا مال تھا، تیرا گھر ہماری عطا کی ہوئی دولت سے بھرپور تھا لیکن تو نے ہمارے پھٹے کپڑوں کو دھتکار دیا، ہمارے مایوس چہرے سے منہ پھیرا اور ہماری درخواست پر توجہ نہ کی"۔ یہ سننے کے بعد ہر شخص عرض کرے گا کہ اللہ العالمین ہم کو یاد نہیں کہ تو نے ہم سے سوال کیا اور اس حال میں ہمارے پاس پہنچا۔ حکم ہوگا کہ ہمارے اپاہج بندے لاچار مخلوق حاجتمند انسان جب تیرے پاس آئے ان کی صدائیں تیرے کانوں میں پہنچیں تو تو نے توجہ نہ کی۔

"وہ کون تھا؟ وہ ہم ہی تھے"

رمضان کا چاند دیکھ کر

اے کہ تیری دید ہے تمہید ایام سعید
پیش خیمہ تو ہے ماہِ اسعدِ رمضان کا

دیکھ کر اوجِ فلک پر جلوہ آرائی تری
جبکہ دلِ مسلم کا تھا اک جوشِ ایماں سے بھرا

جبکہ اس کا قلب تھا آلودگی سے پاک صاف
شرک و بدعت کفر و معصیت سے کوسوں دُور تھا

حرّیت عدل واخوت اس کے تھے زریں اصول
کب کوئی تھا اس کا حاکم کس کا وہ محکوم تھا

اُس کا زہد و اتقا کب تھا مقیّد وقت کا
اُس کا تھا مقصود اصلی اپنے رب کی بندگی

اس کا مرنا اور جینا تھا خدا کے واسطے
نیکی و معصومیت کی شان تھی ہر بات میں

تھی وفا آئین اس کی اتحاد اُس کا شعار
علم و فضل و عقل و دانائی میں تھا وہ بیمثال

اس کی جرأت اور شجاعت مشتہر تھی دہر میں
دولت و جاہ و مناصب شہرت و عزّ و جلال

سلطنت ثروت حکومت تھے سبھی کچھ اسکے پاس
دین کی اُس کو اشاعت اس میں تھی مدِ نظر

اس کو کب تھی دین کی باتوں میں پرواہ جان کی
پیروی حق بات کی باطل سے ہر دم احتراز

گو کہ تھے زیرِ حکومت اس کے شرق و غرب سب
تھا مگر اس کو نہ کچھ احساس مذہب کے سوا

کبر و نخوت اور رعونت کا وہاں مذکور کیا
"عیش میں یادِ خدا" تھی "طیش میں خوفِ خدا"

ماہِ نو! اک غلغلہ پڑتا تھا تیری دید سے!
ہوتا تھا اعلانِ رویت کا نہایت شان سے

ہوتی تھیں توپیں سر نقارے بجتے جا بجا
تھا مساجد کی بھی زینت کا نہایت اہتمام

عید اوروں کو مبارک تو ہے میرے دل کی عید
یادگار ابتدائے نعمتِ قرآن کا

یاد مجھ کو آگئی وہ عظمتِ سابق مری
اُس کے تھی پیشِ نظر ہر وقت مرضیٔ خدا

اپنے اعمال کو پرکھ پر نہ تھا لاف و گزاف
نشۂ توحید میں ہر وقت گویا چُور تھا

جبر و استبداد تھے اسکی نگاہوں میں فضول
اپنی آزادی میں شاد اس کا دل معصوم تھا

ہر مہینہ اس کا رمضاں، روز روزِ عید تھا!
راہِ حق میں موت کو وہ جانتا تھا زندگی!

کب وہ آیا تھا یہاں اپنی بقا کے واسطے
خُلق اور ایثار کے اوصاف تھے ہر ذات میں

اور نفاق و بغض و غداری سے تھا کوسوں فرار
اور فنونِ حرب میں بھی اس کو حاصل تھا کمال

جنگ کی تھی تاب کس کو جب وہ ہوتا تھا ریا
تھے سبھی اس کو میسّر سب میں رکھتا تھا کمال

اور فتوحاتِ جدیدہ کی نہ بجھتی تھی پیاس
اور نہ تھا اغراضِ ذاتی کا کہیں اس میں گذر

ہاں اگر دنیا میں تھی کچھ فکر تو ایمان کی
جز بدرگاہِ خدا جھکتا نہ تھا فرقِ نیاز

ق اور چلی آتی تھی دولت پاس اس کے بے طلب
تھی فراموش اس کو ہر شے یاد اپنا دین تھا

تھا ہمیشہ بارگاہِ ایزدی میں جبہ سا
تھا کسی حالت میں کب وہ اپنے خالق سے جُدا

تھا ترا جلوہ کہیں بڑھ کر ہلالِ عید سے!
ہوتی تھی تیری سلامی اک نئے عنوان سے

مشتہر کرتے تھے "لو ماہِ مبارک آگیا!"
لنگر و خیرات کا ہر جا پہ کرتے انتظام

درسِ قرآں مشغلہ ہوتا تھا صبح و شام کا
التزامِ روزہ و تسبیح و استغفار تھا

ماہِ نو! اگو تو نکلتا تھا اسی عنوان سے
گر گیا ہے ہاں مگر مُسلم پرانی شان سے

بد سے وہ بدتر ہوا بدتر سے ابتر ہوگیا
دین و دنیا سے یہ سمجھو ایک دم وہ کھو گیا

اب نہ وہ اگلے سے جوہر ہیں نہ وہ اوصاف ہیں
جنکے تھے اسلاف ایسے ان کے یہ اخلاف ہیں

اب نہ پہلا سا تقدّس ہے نہ زہد و اتقا
تتمۂ ایماں کا ہے باقی اب نہ اخلاص و صفا

علم کی جا جہل، یکجہتی کے بدلے ہے نفاق
اچھے اوصاف تھے رکھدیئے سب بالائے طاق

اب نہ وہ دولت حکومت ہو نہ ہو وہ مال و زر
بیٹھے ہیں نانِ شبینہ کو نظر ہے سوئے دَر

سعی و کوشش تا زدنگ علم و عمل کا ذکر کیا
ہاتھ پہ ہاتھ رکھے منتظر چھپّر ما پڑا

اب وہ اقبال و شوکت ہے نہ شان و دبدبا
اب کہاں وہ عیش و عشرت اور حکومت کا مزا

شہرت و نام آوری اگلی وہ سب رخصت ہوئی
ہوگئی گمنام قوم ایسی کہ عالم میں نہ تھی

تعرِ ذلت میں پڑے ایسے نکلنا ہو محال
گر کوئی ڈوبا ہوا اچھلے تو جانو ہے کمال

یہ جو آثارِ قدیمہ مثل خاکِ نقشِ پا
عظمتِ دیرینۂ مسلم کا دیتے ہیں پتا

کاروانِ رفتہ کی اک گرد ان کو جان لو!
اب گئی جاتی ہے نظروں سے نہاں پہچان لو!

چاہو تو بنیادِ کہنہ پر وہی تعمیر ہو!
پھر اسی خاکہ پہ جیتی جاگتی تصویر ہو

محمد ابو الحسن نصیر دہلوی

ماہِ مبارک

عصمت دہلی

قدیم زمانہ سے خداوندِ عالم نے تمام مذاہب کے پیروؤں پر روزہ رکھنا فرض کیا تھا۔ اسی طرح شیدایانِ دینِ اسلام پر بھی رمضان شریف کے ۳۰ روزے فرض قرار دیئے گئے۔ اس ماہِ مقدس میں قرآن مجید کا نزول ہوا۔ اور اسی ماہ میں ایک رات شبِ مبارک اور افضل ترین قرار دی گئی۔ اور مذاہب کے پیروؤں کو چالیس دن کے روزے سخت پابندی کے ساتھ رکھنے کی ہدایت تھی، مگر ہمارے سادہ اور پاک مذہب میں دنوں کی تعداد گھٹانے کے علاوہ اور بھی سہولتیں بہم پہنچائی گئیں۔ حضرت موسیٰ کی امت پر کئی اور بھی روزے فرض کئے گئے تھے۔ جن میں ۴۰ دن کا روزہ سب سے دقت طلب تھا۔ ان کے ہاں اگر شام سے رات کے دو بجے تک یکساں کوئی جاگتا رہتا تو کچھ کھا سکتا تھا۔ ورنہ شام کی تاریکی کے بعد روزہ افطار کرتے ہی جو کچھ کھا پی لیا اسی پر اکتفا کرنا پڑتا۔ اگر بیچ میں آنکھ لگ جاتی۔ تو اور کچھ کھا پی نہ سکتے۔ گو یا رات بھر جاگتے رہتے تو سحری کھا سکتے تھے، اس لحاظ سے ان کا روزہ بے حد کٹھن تھا۔ لیکن ہمارے ہاں صبح کی سپیدی نمودار ہونے سے کچھ وقت پیشتر بھی کھانا پینا جائز ہے اسی طرح غروبِ آفتاب کے دس منٹ بعد ہی افطار کا وقت ہو جاتا ہے۔ اور روزہ رکھنے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔

عام طور سے مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ روزے رکھتی ہیں، اور کیوں نہ رکھیں، مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کو اپنے مذہب کا پاس ہمیشہ زیادہ رہا ہے۔ جہاں وہ معاشی جدوجہد سے آزاد ہیں، وہاں مذہبی فرائض کو زیادہ پابندی سے ادا کرتی ہیں۔ چنانچہ ان کو چاہیئے کہ جب وہ روزے کی اس قدر پابند ہیں تو اس امر کو بھی ملحوظ رکھیں کہ روزہ رکھنے سے فقط فاقہ کشی یا بھوکا پیاسا رہنا مقصود نہیں۔ اس کا صحیح مفہوم تزکیۂ نفس ہے لہو و لعب عیش و نشاط، جھوٹ، غیبت اور فضولیات سے احتراز کرنا اشد ضروری ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ رمضان المبارک میں بہشت کے دروازے کھول دیئے اور جہنم کے بند کر دیئے جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمان خود اپنے اعمال سے دوزخ کے دروازے بند اور جنت کے دروازے وا کرتے ہیں۔ اگر وہ برائیوں کو ترک کر دیں تو واقعی ان کا روزہ خالق کی بارگاہ میں قبول ہوگا۔ اور ایک مہینے کی یہ ریاضت حقیقت میں ان کی عاقبت سنوارنے میں معاون ہوگی۔ صحت بھی اس عمل نیک سے ٹھیک رہے گی۔ کیونکہ گیارہ مہینے پیٹ بھر بھر کر کھانے کی گرانی کا ازالہ سوائے ایک ماہ کے روزے رکھنے کے اور کسی طرح ممکن نہیں۔ دوسرے انہیں غریبوں کی بھوک اور ناقابل برداشت فاقہ کا احساس ہوگا۔ اور شکم پُری سے نجات روحانی بالیدگی اور تقویت کا باعث ہوگی۔ اس ماہ میں صاحبِ حیثیت مسلمان زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں جس سے انفرادی طور پر حاجتمندوں کی ضروریات پوری کرنے کے علاوہ اجتماعی اور صحیح اسلامی طریقہ کے زیرِ ہدایت مختلف اداروں کی امداد بھی بخوبی کی جا سکتی ہے۔ اگرچہ بہت سے لوگ اس کا صحیح استعمال نہیں جانتے۔ پھر بھی اکثر حاجتمند اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ اسلامی حکومتوں میں یہ دستور تھا کہ سرکاری طور پر سب کے مال کا سالانہ معائنہ ہوتا۔ اور آمدنی کے مطابق حکومت خود یہ خدائی انکم ٹیکس فی صد ڈھائی روپیہ وصول کرتی۔ اور اُسے مفادِ عامہ کے لئے صرف کرتی۔ مگر چونکہ یہاں اسلامی حکومت نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں خود یہ مجموعی رقم یتیم خانوں اور دیگر مفید کاموں میں صرف کرنی لازمی ہے۔

ماہِ رمضان میں عمل کرنے کے لئے ایک نیکی ہو تو بیان کی جائے۔ یہاں تو اللہ میاں نے اس بہشتی مہینے میں وہ برکتیں عطا کی ہیں کہ دن رات کے ۲۴ گھنٹوں میں ہم نیکیاں ہی نیکیاں کما سکتے ہیں۔ ماہِ رمضان میں نمازِ تراویح بہت اختیار طلب ہے اس کے ادا کرنے میں جہاں قوتِ برداشت، نفس کشی اور اظہارِ عبودیت کو دخل ہوتا ہے۔ وہاں اور بے شمار فائدے بھی ہیں روزہ افطار کرتے ہی اگر کوئی بستر پر دراز ہو جائے تو یقیناً

چند روز میں بیمار پڑ جائے۔ ہاضمے کی خرابی صحت پر بُری طرح اثر انداز ہو۔ لیکن تراویح کی ریاضت جسم اور قلب کا بوجھ ہلکا کر کے چُست و چوبند کر ڈالتی ہے، اور اس کے بعد نیند خوب آتی ہے سحری کے وقت تک یہ میٹھی نیند ہمیں تمام کلفتوں سے نجات دلا دیتی ہے اور ادائیگی فرض کے احساس سے ہمارا دل شاد اور شگفتہ ہو جاتا ہے۔ جس کا خوشگوار اثر ہماری صحت، جسم اور مزاج پر ہوتا ہے۔

اکثر افراد روزے کو پُر خوری کا ذریعہ بنا لیتے ہیں، نام کو تو روزہ رکھتے ہیں، مگر افطار کے وقت سے سحری تک مُرغن اور ثقیل غذائیں خوب پیٹ بھر کر کھاتے ہیں اور دن بھر ڈکاریں آتی رہتی ہیں اور روزے کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ دن کو بدہضمی میں وقت گزار کر شام کو پھر وہی صیغہ گردانا شروع کر دیتے ہیں۔ تاکہ دن کو بھوک کی تکلیف محسوس نہ ہو۔ کیا اسے تزکیۂ نفس یا عبادت قرار دیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

بعض امیر گھرانوں میں دیکھا گیا ہے کہ آقا کی شکم پُری کے لئے حقیقی روزہ دار یعنی غریب ملازم دن بھر لذیذ کھانوں کی پخت و پَز میں مصروف رہتے ہیں یا چلچلاتی دھوپ یا موسلا دھار بارش میں دُور دراز سے آقا کی خواہش پر پسندیدہ فواکہات اور میوے تلاش کر کے لاتے ہیں۔ اور انہیں سر اٹھانے کی فرصت نہیں ہوتی، جو ارکانِ مذہب ادا کر سکیں۔ حتّٰی کہ افطاری کے وقت بھی خود روزہ دار ہونے کے باوجود وہ اپنے آقاؤں کے احکام بجا لانے پر کمربستہ رہتے ہیں، کھانے کی چیزیں یکے بعد دیگرے ایک ایک منٹ پر دسترخوان پر چُن رہے ہیں، یا آقا کے کسی حکم کے منتظر کھڑے ہیں۔ گویا اُن کے روزے کو کوئی اہمیت ہی نہیں، اپنے لئے تو ایک تر و تازہ خوانِ نعمت ان ہی لوگوں کی مشقت کے طفیل موجود ہے، مگر ان بیچاروں کے لئے وہی معمولی کھانا۔ اور وہ بھی تو وقت پر نہیں ملتا۔ بلکہ عام دنوں سے بھی دیر میں ملتا ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے، جو ہر معاملہ میں ہمیں مساوات کا سبق پڑھا رہا ہے۔ اگر رمضان شریف کے مبارک دنوں میں کم از کم کھانے پینے میں ملازموں سے مساوی سلوک کیا جائے تو ان کی روحانی مسرتوں سے مستفید ہو کر ہم داخلِ حسنات ہو سکتے ہیں۔

روزہ رکھنے کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ انسان تمام ممنوعہ افعال سے گریز کرے اور ان باتوں کو اختیار کرے جو مستحسن قرار دی گئی ہیں، فضول گوئی، عیب جوئی اور جھوٹ سے اجتناب کرے اور حتی الامکان کسی کی دل شکنی سے بچتا رہے۔ اکثر روزہ دار دن کو بہت دیر تک سوتے ہیں۔ تاکہ روزہ کی تکلیف کا احساس نہ ہو۔ ایسے روزے کو محض فاقہ سمجھنا چاہیئے۔ نیند کی وجہ سے سب سے اہم مذہبی رُکن نماز تو قضا ہو گئی، جو ہم پر فرض کی گئی ہے۔ اور جو بہ حالتِ مجبوری بھی ادا کرنی لازم ہے۔ اس کے ماسوا فاقے کی حالت میں زیادہ دیر سوتے رہنے سے سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ اور مزاج میں چڑچڑاپن آ جاتا ہے جس کے باعث تمام دن دوسروں پر غصہ اتارتے رہے۔ بد کلامی اور بد زبانی اور سب سے بڑھ کر دل دکھانے کے گناہ اس پر مستزاد ہوئے۔

روزہ رکھنے سے اگر ہمیں حضوریٔ قلب اور صدق و صفا مقصود ہے تو لازم ہے کہ اس مفید اور اہم مذہبی رُکن کو بحُسن و خوبی انجام دیں۔ حتی الامکان ہلکی اور زود ہضم غذا کھائیں۔ اور اس عبادت کو کذب و ریا سے آلودہ نہ کریں۔ دنیاوی لذتوں کے پیچھے اپنا وقت برباد نہ کریں اور تمام دن اسی فکر یا شغل میں بسر نہ کریں کہ آج سحری اور افطاری میں یہ یہ چیزیں ہونی چاہئیں۔

صحت کے لئے طبّی اصول سے بھی روزے نہایت مفید تسلیم کئے جاتے ہیں، جس طرح لین دین میں مال کا محصول ادا کیا جاتا ہے یا جیسے ہم قسم قسم کے ٹیکس دیتے ہیں، اسی طرح روزہ رکھنا بھی اعضائے جسم کے مختلف افعال کا ٹیکس ادا کرنا ہے چنانچہ آجکل کے بعض ڈاکٹر بعض حالتوں میں مریض کو فاسٹنگ کیور Fasting cure کی ہدایت کرتے ہیں۔ میں ذاتی تجربے کی بنا پر بھی کہہ سکتی ہوں کہ معدے اور انتڑیوں کے امراض میں یہ طریقۂ علاج سب سے بہتر ہے۔

کئی سال ہوئے ماہِ رجب کے اواخر میں مجھے پرانی پیچش کی شکایت ہو گئی۔ کئی روز تک مختلف دوائیں پلائی گئیں مگر مرض بڑھتا گیا۔ ڈاکٹروں نے جگر کی شکایت قرار دے کر امیٹن Emetine کے انجکشن متواتر قرار دیئے، مرض میں افاقہ کسی قدر ہو گیا۔ اور مروڑ میں بھی کمی ہوئی مگر غذا با لکل تمام

رہ گئی تھی، صرف چوزے کا کشید کیا ہوا سوپ اور وہ ایک ٹوسٹ دن بھر میں کھا سکتی تھی، کمزوری کا یہ عالم تھا کہ بیس قدم سے زیادہ چلنے سے چکرا کر گر پڑتی اور غشی کی نوبت آجاتی۔ اسی اثنا میں رمضان کا مبارک مہینہ آگیا۔ چاند دیکھ کر سارے گھر میں روزے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اس وقت میں نے ہمت اور اطمینان سے یہ فیصلہ سنا دیا کہ چاہے کچھ ہو جائے میں ۴۔۵ روزے رکھ کر دیکھوں گی، اگر حالت بگڑ گئی تو فوراً چھوڑ دوں گی ورنہ اگر فائدہ ہوا تو روزے پورے کروں گی۔

پہلے ہی روزہ میں مجھے فرق معلوم ہوا اور دوسرے دن پیٹ کی تکلیف گڑگڑاہٹ اور ابھار میں کمی ہوئی۔ تیسرے دن میں نے سوپ اور ٹوسٹ کی بجائے چپاتی اور چوزے کے ہلکے مصالحہ دار شوربے سے افطار کرنا شروع کیا۔ اور رفتہ رفتہ پیٹ کا مرض حیرت انگیز طور پر دفع ہو گیا۔ وہی ڈاکٹر جو انجکشن ایک درجن دے کر مایوس ہو گئے تھے۔ اور نئے انجکشنوں کی ہدایت کر رہے تھے۔ میری اس باغیانہ حرکت اور طریقۂ علاج پر انگشت بدنداں رہ گئے ہیں نے پورے روزے رکھے اور عید کے دن اس قدر شگفتہ اور تندرست تھی کہ کوئی گمان بھی تو نہ کر سکتا تھا کہ میں ایک ماہ قبل سخت بیمار رہ چکی تھی۔

مختصر یہ کہ روزہ رکھنے میں بہت سی مصلحتیں ہیں اور اسلام کے دیگر احکام کی طرح یہ بھی فطرت کے عین مطابق ہے اس حقیقت کے پیش نظر یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ رمضان کا مہینہ دینی اور دنیاوی برکتوں اور روحانی و جسمانی راحتوں کا سرچشمہ ہے۔

جمیلہ بیگم کلکتہ

دُنیا ہے جنجال

دُنیا ہے جنجال
سکھی!
دُنیا ہے جنجال

(۱)

لوبھ نے لوٹی دل کی مایا
روح کی پلٹی ساری کایا
نیکی کا ہے کال
سکھی!
دُنیا ہے جنجال

(۲)

سیس جٹا کے سادھو دیکھے
بات سے کرتے جادو دیکھے
گلی نہ اُن کی دال
سکھی!
دُنیا ہے جنجال

(۳)

بھائی کا دشمن بھائی دیکھا
باپ کا بیری بیٹا نکلا!
مایا کا ہے جال
سکھی!
دُنیا ہے جنجال

(۴)

پریت کی اگنی شیتل پائی
بیر کی ناری چنچل پائی
سب کی دیکھی چال
سکھی!
دُنیا ہے جنجال

(۵)

ریت انوکھی پریت نرالی
ہار انوکھی جیت نرالی
اپنے ہیں بدحال
سکھی!
دُنیا ہے جنجال

(۶)

درد ہے کھانا غم ہے پینا
مجھ پہ ہے دوبھر اب تو جینا
پوچھ نہ میرا حال
سکھی!
دُنیا ہے جنجال

ساجدہ بنت دانش شاہجہانپور

مہمان (بقیہ صفحہ ۲۱۱)

محض خورد و نوش پر محبت اور خلوص کو ترجیح دیں۔ تکلفات لایعنی سے پرہیز کریں۔ اپنے ساتھ ساتھ اپنے دوست کی بھی سہولت کا اندازہ کریں حسن سلوک کی صلاحیت پیدا کریں۔ دوسروں کے لئے باعث آزار بننے سے پرہیز کریں اور حتی الامکان اس قسم کی مہمانداری سے احتراز کریں۔

ثریا طاہر سلیم بی اے بی ٹی

میہمان

شکر بجا آر کہ میہمان تو
روزی خود میخورد از خوانِ تو

آج کل کھادی کے ہر دسترخوان پر یہ شعر چھپا ہوا ملے گا۔ جو میزبان کے دل و دماغ پر ایک نفسیاتی اثر ڈال کر ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ درحقیقت میہمان خدا کے مہربان ہونے کا نشان ہے۔ اس کی بڑی بڑی برکتیں ہیں۔ خوش نصیبوں کا دسترخوان مہمانوں سے خالی نہیں رہتا۔ دنیا ایک سماجی جگہ ہے یہاں ہر ایک سے میل جول اور خلوص و محبت کی ضرورت ہے۔ اور اسی کی خاطر میہمانداریاں عمل میں آتی ہیں۔ مہمانوں کے آنے سے طبیعت خوش ہوتی ہے۔ دل بہلتا ہے۔ وقت اچھا گذرتا ہے۔ مگر یہی میہمان بعض اوقات بلائے بے درماں ہو جاتے ہیں۔ طبیعت اکتا جاتی ہے۔ جب ایسے موقعے ہوں کہ ہم تھک کر چور ہو گئے ہوں۔ ہمارے ملازم مسلسل طویل مہماں نوازی سے گھڑی بھر کے لئے چین پاکر سو گئے ہوں۔ کھانے کا وقت ہو چکا ہو۔ گھر میں سواری کے کرایہ کے پیسے بھی موجود نہ ہوں اور نہ مہمانداری کے لئے کچھ سرمایہ جمع ہو، سارا اندوختہ ختم ہو چکا ہو۔ اسی وقت کسی ضروری کام پہ جانا ہو۔ کسی عزیز سے ملنے کا وقت مقرر کر دیا ہو اور وہ غریب ہمارے استقبال کے لئے زرِ کثیر خرچ کر کے ہمارا منتظر ہو۔ کسی مہمان کا ایسے وقتوں میں آجانا ناگوار خاطر گذرتا ہے۔ اور بعض اوقات تو ناقابلِ تلافی نقصان ہو جاتا ہے۔

ہندوستان میں مردوں سے زیادہ عورتیں بارِ خاطر گذرتی ہیں خصوصاً ایسے اوقات میں جبکہ کسی کے ہاں شادی بیماری یا موت ہوئی ہو، ان موقعوں پر مہمان بجائے مدد، عیادت اور تسلی کے محض اپنی خورد و نوش اور آرام کا فکر کرتے ہیں۔ اور اس میں اگر کسی قسم کی کمی آجائے تو عمر بھر کے لئے کلنک کا ٹیکہ لگ جاتا ہے۔

کس قدر اندھیر ہے، ہمارے ماں باپ، دادا پردادا کے اعزا، احباب سب اپنی اپنی حسبِ حیثیت جب اور جس وقت چاہیں ہمارے سر پر سوار ہو جاتے ہیں۔ کوئی ملنے آرہا ہے۔ کوئی سیر کرنے، کسی کو میلے میں شرکت کرنی ہے۔ کسی کو بزرگانِ دین کی زیارت، کہیں تاریخی مقامات کا معائنہ ہو رہا ہے۔ کسی کے مقدمے چل رہے ہیں۔ اور تاریخ مقررہ پر اس کو ہائی کورٹ میں حاضر ہونا ہے۔ کسی مقامی بڑے ڈاکٹر یا طبیب سے علاج کرانا ہے۔ کسی دوست کے عزیز کا تقرر اس شہر یا ضلع میں ہوا اور وہ سفارش نامہ لے کر آجائیں گے اور ایک نامعلوم مدت تک مقیم رہیں گے۔ ایسے مہمانوں کے لئے خورد و نوش کے علاوہ سونے کا انتظام، صابن، غسل کا سامان، تیل کنگھی، سگریٹ، تمباکو، چاء وغیرہ مہیا کی جائیں، بلکہ وہ مسکرات بھی جس کے وہ عادی ہیں۔ اور طرفہ یہ کہ دورانِ تناولِ طعام میں مہمان کے مخلص احباب آجائیں تو "آیئے بسم اللہ" کہہ کر ان کو بھی شریک کیا جائے۔ اب گھر کا تمام تختۂ دیزان کی نذر ہو گیا۔ اور سیری نہ ہوئی۔ گھر والی پیٹ پر پتھر باندھ کر اور اپنے معزز مہمانوں کی آمد کو خوش نصیبی سمجھتی ہوئی بھوکی سو رہیں۔ ایک آدھ روز تو یہ دکھ سہہ لیا جاتا ہے۔ لیکن اگر قدرت کی ستم ظریفی نے ہر روز پیٹ پر پتھر بندھوائے۔ تو سنتِ رسولؐ کی پیروی سے بھی بھاگنا پڑے گا۔ غرض مہمانداری کے سلسلہ میں ہزاروں احباب کو شاکی پایا۔ اور آج کل تو اقتصادی حالات اور گرانی نے اس قسم کے ناخواندہ مہمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ کر دیا ہے اور میزبانوں کے دیوالے نکل گئے ہیں۔ ایسی صورت میں آخر اس بلائے ناگہانی اور آفتِ آسمانی سے نجات پانے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟

تہذیب یہی ہے کہ جہاں جانا چاہیں پہلے اطلاع بھیجدیں۔ اگر میزبان کو سہولت ہو۔ اور وہ بخوشی راضی ہو تو چلے جائیں۔ نہیں تو برا نہ مانیں۔ (باقی صفحہ ۱۲۱ کالم ۲ پر)

دو پھول ساتھ نکلے

نعیم نے ایک دفعہ پھر تصویر کو لفافہ میں سے نکال کر غور سے دیکھنا شروع کیا تصویر کوئی سات آٹھ مہینہ کے بچہ کی تھی۔ بچہ ایک پلے پن کے اندر تھا جس میں ایک قالین بچھا ہوا تھا۔ اس کے اوپر کئی کھلونے پڑے ہوئے تھے۔ بچہ ایک ہاتھ سے پن کو پکڑے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نعیم اس تصویر کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ تصویر اس کے بھائی کی تھی۔ ہاں اس کے بھائی کی۔ سستی سی دھاری دار قمیص اور بدرنگ سی نیکر پہنے ایک چھوٹے سے مکان کے تنگ دالان میں تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اس قسم کے کھلونوں کی تصاویر جیسے کے پن میں پڑے ہوئے تھے۔ کسی انگریزی رسالے میں دیکھی تھیں۔ ایسے کھلونے کہیں چھونے تو کیا اسے کہیں دیکھنے کا بھی موقع نہ ملا تھا۔

نعیم اس تصویر کو دیر تک دیکھتا رہا۔ اس کو گزشتہ جاڑوں کا دن یاد آگیا۔ جب تین سال بعد اس کا باپ دہلی آیا تھا۔ اور اپنی نئی نویلی بیوی کو دکھلانے کے لئے نعیم اور نصیر اور ساجدہ کو لے گیا تھا۔ نعیم تین سال پہلے کی ملاقات یاد کر کے اب بھی شرم سے پسینہ پسینہ ہو جاتا تھا۔ کیونکہ ان کی غربت اور افلاس ان کے گنوارپن اور اجڈپن کا مقابلہ بڑی بے رحمی اور بے دردی کے ساتھ ان کے باپ کی بیوی کے تمول، نازک مزاجی۔ اور حسن سے ہوا تھا۔ نعیم کی عمر صرف گیارہ سال کی تھی لیکن جیسا کہ بن ماں کے بچوں میں اکثر دیکھا گیا ہے عقل سمجھ اور مادۂ احساس حد سے زیادہ تھا۔ اس کی ماں کو مرے ہوئے تقریباً چار سال ہوئے تھے۔ ماں کی شکل اس کو آج تک یاد تھی۔ باپ نے ماں کے مرنے کے دس مہینہ بعد ایک نیم بنگالی، نیم فرانسیسی لڑکی سے شادی کر لی تھی نعیمہ معمولی تعلیم یافتہ خاموش طبیعت سادہ مزاج۔ نعیمہ بے شک ساجد حسین آئی سی ایس کے قابل نہ تھی۔ ولایت سے آنے کے بعد ساجد حسین برابر محسوس کرتے رہے کہ نعیمہ ان کے دوستوں کے ساتھ نہ ٹینس اور برج کھیل سکتی تھی۔ اور نہ ہلکے ہلکے مصنوعی قہقہے لگا سکتی تھی۔ اس کے بال سیدھے طریقہ سے بندھے رہتے تھے وہ ان میں دلآویز چھلے نہیں ڈال سکتی تھی نیتی کپڑوں میں بھی اس میں کشش نہ تھی۔ غرض ایک آئی۔ سی۔ ایس کی رونق خانہ بننے کی اہلیت اس میں قطعی نہ تھی مگر یہ بات ساجد بھول چکے تھے کہ نعیمہ ہی کے زیور کی بدولت چار برس وہ ولایت میں رہ سکے اور تعلیم حاصل کی یہ ذراسی بات اُن کے ذہن سے اتر گئی تھی۔ اور اسے بھول بھی تو گئے تھے کئی سال اور نعیمہ کے اُجڈپن میں مطلق فرق نہ آیا تھا۔ لیکن غیور نعیمہ نے بہت جلد مسٹر ساجد کو آزاد کر دیا۔ ساجدہ کی پیدائش کے بعد اس نے قطعی احتیاط نہ کی۔ جاڑوں کے دن تھے چھینک زکام ہوا۔ اور تیسرے پہر نمونیہ اور رات کو بائیس دن کی ساجدہ اور دو اور چھوٹے چھوٹے لڑکوں کو چھوڑ کر وہ دوسری دنیا میں تھی۔

ساجد صاحب کو نعیمہ کے مرنے کا صرف اس خیال سے کسی قدر رنج ہوا کہ گیارہ برس کا ساتھ چھوٹ گیا لیکن بچوں کو ماں کے پاس دہلی چھوڑا اور ملازمت پر روانہ ہو گئے۔ چند ماہ بعد کلکتہ کا تبادلہ ہوا تو اس دلفریب شہر نے بہت جلد نعیمہ کی یاد دل سے بھلادی۔ ہر طرف سے ان پر نظر کرم تھی۔ ایک تو آئی سی ایس پھر بہت کم لوگوں کو معلوم تھا کہ ان کی شادی ہوئی تھی اور بچے موجود ہیں ان لوگوں میں جو ان پر خاص طور سے مہربان تھے۔ مس ایتھ رسے کا نمبر سب سے اول تھا چھبیس سالہ حسینہ پیرس کی تعلیم یافتہ تھی، اس کی ماں فرانسیسی تھی اور باپ بنگالی حسن پیرس اور حسن بنگال کی یکجائی، شراب اور وہ بھی دو آتشہ حسن تھا اور حسن کے ساتھ ادائیں تھیں۔ غمزے تھے، عشوے تھے۔ نزاکت تھی رعنائی تھی۔ غرض ہر وہ چیز تھی۔ جو نعیمہ میں نہ تھی۔ اور جن کے پانے کا خیال بھی مسٹر ساجد کے دل میں نہ رہا تھا۔ ملاقات کے تین مہینہ بعد ہی ساجد صاحب کی منگنی اسی سے ہو گئی۔ تین بچوں کے باپ نے نئے نویلے منگیتر کا پارٹ بڑی خوبی سے ادا کیا۔ اور منگنی ہوئی اور چند ہفتوں بعد شادی۔ شادی کے بعد ایام عروسی کشمیر جنت نظیر کی سرزمین پر منائے گئے۔ شادی کی شرط یہ تھی کہ ساجد بچوں کو کبھی اپنے پاس نہ بلائے گا۔ اور نہ ساتھ رکھے گا۔ ایسی حسین دولھن پاکر

بچوں کی یاد کس کو رہتی ہے۔ ساجد نے بڑی خندہ پیشانی سے شرط منظور کرلی۔ اور ٹھیک تو ہے۔ بھلا شاخ گل سے نازک تر ریتی تین بچوں کی دیکھ بھال کا بوجھ تھوڑی اٹھا سکتی تھی۔ اور وہ دادی کے پاس اچھی طرح سے تھے۔ باپ ہر مہینہ پچاس روپیہ ان کے خرچ کو بھیج دیتا تھا اپنے فرائض سے غافل تھوڑی تھا۔

بنک سے پچاس روپیہ مہینہ کے مہینہ آجاتے تھے اس کے سوا بڑھیا ماں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساجد سے کوئی تعلق نہ تھا جب نعیمہ زندہ تھی تو ساجد ہر سال دہلی آتے تھے اور ماں کے پاس ٹھیرتے تھے لیکن اس کے مرنے پر بچوں کو پہنچا کر جو گئے تو تین سال ہوگئے۔ آنے کا نام ہی نہ لیا۔ تیسرے سال ریتی اور وہ موٹر کار کو نکلے کلکتہ سے پشاور تک موٹر سے سیر کی۔ دہلی بھی پانچ دن ٹھیرے اور اسی دوران میں نعیم نصیر اور ساجدہ کو اپنی نئی ماں، نہیں ایسی عورتیں مائیں کب کہلائی جاسکتی ہیں۔ اپنے باپ کی نئی بیوی کو دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

دادی نے نعیم سے دو روز پہلے کہا تھا۔ بیٹا تمہارے ابا دہلی آنے والے ہیں۔ نعیم کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ تین سال ہو چکے تھے۔ مگر اس کو اپنا باپ اچھی طرح یاد تھا۔ ابا اب آئیں گے۔ میں انہیں اپنی کتابیں دکھاؤں گا۔ میں چوتھی میں ہوں میرے ساتھ کے سب مجھ سے بڑے ہیں لیکن مجھ کو گذشتہ سال ڈبل ترقی دی گئی تھی۔ میں نے انہیں لکھا بھی تو تھا۔ انہیں یاد تو ہوگا میں اپنی کتابیں دکھاؤں گا۔ انعام کی کتابیں دیکھ کر وہ کتنے خوش ہوں گے۔ ظہیر کا نمبر دوسرا تھا۔ اس کے باپ نے اسے فاؤنٹین پن دیا۔ میرے ابا بھی مجھ کو ضرور کوئی تحفہ دیں گے۔ یہ خیالات اس کے دل میں موجیں لے رہے تھے۔ آخر وہ دن بھی آگیا۔ جب اس کے ابا آنے والے تھے۔ صبح سویرے اُٹھ منہ ہاتھ دھو کپڑے بدل بچے باپ کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ ۱۰ بجے ساجد آپہنچے ماں نے دیکھتے ہی کلیجے سے چپٹا لیا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے محبت کی شکایتیں شروع کیں۔ "بیٹا تم تین برس میں آئے ہو ہمیں بھول ہی گئے۔" نعیمہ کو یاد کیا اور نعیمہ کی یاد نے نئی بہو یاد دلائی۔ پوچھا۔ "بیٹا دُلہن کہاں ہیں۔ وہ دہلی نہیں آئیں۔" جواب ملا۔ "آئی تو ہیں ہوٹل میں ٹھیری ہیں۔ چلئے بچوں کو لے چلئے۔ ان سے مل آیئے۔"

بڑھیا ماں اس بدتمیزی پر خون کے گھونٹ پی کر بولی "بیٹا میں بڑھیا ان سے کیا ملنے جاؤں گی۔ ہاں بچوں کو لے جاؤ۔" اب پہلی دفعہ ساجد نے بچوں پر نظر ڈالی جو شرمائے ہوئے ایک طرف کھڑے تھے۔ ماں سے کہا "ان کے کپڑے تو بدل دیجئے۔" اس ایک جملے نے اور اس حقارت آمیز نظر میں جو اس نے بچوں پر ڈالی۔ نعیم کے ولولے سرد کر دیئے۔ اور اسے جرأت نہ ہوئی کہ باپ سے ان باتوں میں سے ایک بات بھی کہے۔ جو دو دن سے سوچ رہا تھا۔ ماں نے کہا "بیٹا کپڑے تو میں نے ان کے صبح ہی سے بدل رکھے ہیں کہ تم آرہے ہو۔"

"کیا ان کے پاس اس سے اچھے کپڑے نہیں۔ اماں میں تمہیں ہر مہینہ ان کے لئے روپیہ بھیجتا ہوں۔" بیٹے نے ذرا بلند آواز سے کہا۔ اور ماں نے نرمی سے جواب دیا۔ "ہاں بیٹا پچاس روپیہ ہر مہینہ آتے ہیں۔ انہیں میں کنبہ کا دینا لینا بھی مجھ کو کرنا پڑتا ہے۔ تم تو پردیس میں ہو لیکن میں تو یہاں ہوں۔ خدا رکھے دو ہزار کے تنخواہ دار ہو۔ ہر شادی بیاہ میں اس کے حساب سے دینا لینا پڑتا ہے۔" سعادتمند بیٹے کی آواز بڑھیا ماں کی آواز سے اب اور زیادہ بلند تھی۔ "میں روپیہ ان واہیات کاموں کے لئے نہیں بھیجتا۔ بچوں کے کپڑوں اور تعلیم کے لئے بھیجتا ہوں۔ بچوں کے کپڑے اور تعلیم پر ہی خرچ ہونا چاہیئے تھا۔" "لیکن پچاس روپیہ میں اس سے اچھے کپڑے نہیں پہنائے جاسکتے۔" ماں نے جواب دیا۔

"خیر چلو میرے ساتھ موٹر میں بیٹھو۔" ساجد نے بچوں سے کہا ان کا انگریزی لہجہ اور پھر رعب نعیم کی سمجھ میں نہیں آیا جس پر ساجد اور بھنائے۔ نعیم کو کاندھے سے پکڑا۔ اور کہا۔ "تمہیں اتنی انگریزی بھی نہیں آتی۔" نعیم جس کو باپ سے پیار و محبت اور انعام کی اُمید تھی۔ اُس کا دل ٹوٹ گیا۔ آنکھ میں آنسو آگئے۔ جنہیں اس طرح پونچھتے ہوئے کہ کوئی نہ دیکھے۔ موٹر میں جاکر بیٹھ گیا۔ موٹر چند منٹوں میں کناٹ سرکس میں جا پہنچی۔ آدمی اینڈ نیوی کے سامنے کار ٹھیرا کر تینوں بچوں کو اُترنے کو کہا۔ پہلے چاروں طرف دیکھا کہ اسے ایسے لباس کے بچوں کے ساتھ کسی نے دیکھ تو نہیں لیا۔ پھر جلدی سے بلڈنگ کے اندر چلا گیا۔ بچوں کے سکشن

کا پتہ پوچھا اور تین جوڑے خرید کر وہیں بچوں کو پہنوائے۔ آرمی اینڈ نیوی سے کپڑوں کے تین جوڑے خریدنے میں سو سے زیادہ روپیہ اُٹھ گئے۔ لیکن اس کے باوجود بچے ویسے ہی بے ہنگم نظر آرہے تھے۔ ساجدہ کی سانولی صورت پر سفید فراک ذرا بھی نہ کھلا نعیم اور نصیر کے سردی سے پھٹے ہوئے ہاتھ پاؤں مخمل کی پتلون اور ریشمی قمیض میں اور بھی بدنما لگنے لگے۔ بالوں میں دادی نے تیل ڈال کر کنگھی کی تھی۔ وہ سر سے چپکے ہوئے انگریزی کپڑوں کے ساتھ بے جوڑ معلوم ہو رہے تھے۔ ساجد کو بچوں کی صورت دیکھ دیکھ کر غصّہ آرہا تھا۔ دل چاہتا تھا کہ واپس ماں کے پاس پہنچا دے۔

لیکن نہ معلوم کیا سوچ کر ہوٹل امپیریل پہنچے۔ جہاں لانج میں ریٹی میز پر کاک ٹیل آگے رکھے سگریٹ پی رہی تھی۔ اس کے چہرہ پر خفگی کے آثار تھے۔ اس نے تیوری چڑھا کر دریافت کیا کہ وہ اتنی دیر سے کہاں تھا۔ ساجد نے معذرت کی کہ پُرانی دہلی کافی دُور ہے ماں سے باتیں کرنے میں دیر لگ گئی۔ اور پھر ان بچوں کو بھی لانا تھا ریٹی نے اپنے نازک جسم کو صوفہ پر سے کسی قدر اٹھاتے ہوئے مونڈی ہوئی بھوؤں کو اونچا کرتے ہوئے کہا۔ "Dear" ساجد نے سامنے کرسیاں کھینچ کر انہیں بٹھا دیا۔ بے چارے حیرت سے اس حُسن و نزاکت کی مورت کو دیکھتے رہے۔ کمرہ میں چاروں طرف چھوٹی چھوٹی میزوں پر لوگ شراب اور کاک ٹیل پی رہے تھے۔ دیواروں پر دورِ جدید کے آرٹ کے نمونے تھے۔ فضا سگریٹ کے دھوئیں میں مکدر تھی۔ چند منٹ کے بعد ریٹی نے ازراہِ عنایت کہا: "بچّے شراب پینا پسند کریں گے؟"

ساجد اس کو ریٹی کی انتہائی میزبانی سمجھے۔ پانچوں وہاں سے اٹھ کر ڈے وکیو آئے۔ جہاں ویسی ہی کرسیوں اور میزوں پر ویسے ہی لوگ بیٹھے تھے۔ یہاں بچوں کو ایک ایک گلاس شربت کا دلوا دیا گیا۔ جن میں "سٹرا" پڑے ہوئے تھے۔ ان کو نکالنے کی کوشش پر نعیم کو پھر ساجد نے ایک جھڑکی دی۔ اور پھر موٹر میں بٹھا کر انہیں ماں کے مکان پر واپس پہنچا دیا۔

دوسرے دن جانے سے قبل ساجد چند منٹ کے لئے پھر ماں سے ملنے آئے لیکن نعیم کی امیدیں ختم ہو چکی تھیں۔ باپ کی جو تصویر اس کے ذہن میں تھی۔ وہ مٹ چکی تھی۔ باپ سے جو توقعات اس نے قائم کی تھیں۔ وہ اب باقی نہیں رہی تھیں۔ اس نے باپ کو آتا دیکھا لیکن قریب نہیں آیا۔ جب باپ نے جاتے وقت کہا: "اچھا نعیم، ہم جاتے ہیں۔ بہت محنت سے پڑھو اور انگریزی میں اوّل آنے کی کوشش کرو۔" تو اس کے دل میں چھری لگی۔ باپ کو کیا معلوم کہ وہ کس محنت سے پڑھ رہا ہے۔ اسے ڈبل پروموشن ملی۔ اور جماعت میں اوّل آیا۔ اس کی محنت کی داد اس طرح دی گئی کہ وہ کلیجہ مسوس کر رہ گیا۔

ساجد اپنے دل میں یہ سوچتے ہوئے کہ کتنا احمق لڑکا ہے۔ لیکن کرے، بے چاری نفیسہ کی اولاد اور کیسی ہوتی۔ واپس ہوٹل چلے گئے۔ اور پھر جدید زندگی کی رنگینیوں اور دلچسپیوں نے۔ بن ماں کے معصوم بچوں نعیم، نصیر اور ساجدہ کو بڑھیا ماں کو دہلی کی تنگ و تاریک گلیوں میں ایک چھوٹے سے گھر کو، جس کو سمجھتا تو اس کا اپنا تھا، بالکل ہی بھلا دیا۔

اس واقعہ کو ایک سال گزر گیا۔ اس درد میں جو باپ کے برتاؤ سے اس کے دل کو ہفتوں تڑپاتا رہا۔ اب کچھ کمی ہو گئی تھی لیکن کل سے اس تصویر کو دیکھ کر اس کے زخم پھر ہرے ہو گئے۔ وہ بار بار تصویر کا اس تصویر کے پس منظر کا مقابلہ اپنے سے اور اپنے پیش منظر سے کر رہا تھا۔ اور سوچتا تھا کہ کیا یہ سچ ہے کہ یہ خوبصورت تندرست اور ہر قسم کی دولت اور ثروت سے گھرا ہوا بچہ اور وہ خود بھائی بھائی ہیں۔ ایک ہی باپ کی اولاد۔ ایک ہی درخت کے پھل! اس کے دل میں حسرت و یاس کی لہریں رہ رہ کر اٹھتی تھیں۔ لیکن اسے اب تک یہ معلوم نہ تھا کہ دُنیا کا کارخانہ ہی ایسا ہے کہ ؎

دو پھول ساتھ نکلے قسمت جُدا جُدا ہے
نوشہ نے ایک پہنا، ایک قبر پر چڑھا ہے
ایک ہی صدف کے موتی دو ایک ساتھ نکلے
ایک پس گیا کھرل میں، ایک تاج میں جڑا ہے

شائستہ اختر سہروردی

خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھئے، ورنہ آپ کے خط کی تعمیل نہ ہوگی۔ — منیجر

رسم و رواج کی غلامی

اکثر قوموں میں بہت سی ایسی رسمیں پائی جائیں گی۔ جو درحقیقت اُن کے مذہب کے خلاف ہیں۔ مگر ان رسموں نے اُن کے دلوں میں ایسی مضبوط جڑ پکڑی ہے کہ مذہب کی نہایت زبردست طاقت بھی اُن کے اکھاڑنے سے عاجز آگئی ہے۔ ۔۔ ۔۔

رسم و رواج کی حکومت انسانوں کے دلوں میں نہایت قوی اور سب سے زیادہ مستحکم ہوتی ہے۔ اور ہر شخص غلام سے زیادہ اس کا تابع ہے آقا کو کبھی کبھی اپنے غلام پر نافرمانی کرنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ مگر رسم و رواج کو اپنے غلاموں کی نسبت نافرمانی کا اندیشہ کبھی نہیں ہوا۔

یوں تو سینکڑوں قومی، تمدنی اور معاشرتی امراض ہیں لیکن اس وقت ہمارا روئے سخن فضول خرچی کی عادت قبیحہ سے ہے ہماری درسی اور اخلاقی کتابوں میں بھی اس کے مٹانے کے لئے بہت کچھ درج ہے لیکن اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ مجبوری کی اور بات ہے لیکن دل سے ہمیں کفایت شعاری ناپسند ہے۔ اور کفایت شعار ہمارے بخل وغیرہ کے طعنوں سے نہیں بچ سکتا۔ حالانکہ کفایت شعاری اور بخل میں کئی درجہ کا فرق ہے۔ اور درمیانی احسن درجہ کفایت شعاری کی حقیقت کو نہ سمجھتے ہیں نہ سمجھنا چاہتے ہیں۔

اسراف کا نام سخاوت غلطی سے رکھ لیا گیا ہے۔

وضع داری کا جو حقیقی مفہوم تھا وہ تنزل کرتے کرتے تصنع ریا اور ظاہری ٹیپ ٹاپ پر منتقل ہو گیا ہے۔ ایک جیب میں چنے اور ایک میں کشمش رکھنے کی بہت سی مثالیں ملیں گی موجودہ تعلیم نے بھی اس وضع داری کے نقص کو دور کرنے کی بجائے اور بڑھا لیا ہے۔ یہاں تک کہ مڈل پاس اور فیل بھی اپنے ہاتھ سے اپنا کام کرنا عار اور وضع داری کے خلاف سمجھتا ہے۔ ہر شخص بڑا آدمی کہلائے جانے کے خبط میں گرفتار ہے۔

رمضان المبارک کس قدر متبرک مہینہ ہے اور روزے کی اصلی غایت بھی یہی ہے کہ انسان کم از کم ایک مہینہ تو تن پروری کی غلامی سے آزاد ہو اور دوسرے حاجتمندوں کی ضروریات کی قدر جانے لیکن عام طور پر کہا جاتا ہے کہ رمضان میں اور بھی خرچ بڑھ گیا ہے۔ اس کا ذمہ دار کوئی مذہبی حکم نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا اسراف ہے۔

عید کی نماز خدائے تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے تھی نہ کہ اظہار دولت و اسراف کے لئے تیس دن میں ایک وقت نہ کھانے سے اتنا بچتا نہیں جتنا ایک دن میں اڑا دیا جاتا ہے۔ خوشی کا منانا بے شک جائز ہے کیونکہ وقتاً فوقتاً تفریح کرتے رہنے سے دل و دماغ اور جسم میں کام کرنے کی قوت تازہ آجاتی ہے۔ اور اسی حیلہ سے عزیز یگانوں اور دوستوں سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض کہتے ہیں کہ گلے ملنے سے گلے بھی جاتے رہتے ہیں۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ غریب سے غریب مسلمان کے کسی فرد اور بچے تک کی عید بھی دس پانچ، پندرہ بیس بلکہ زیادہ روپیہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ اور جو اس قدر خرچ نہیں کرتے وہ بھی اپنی قسمت پر شاکر رہ کر دل کو خوش رکھنے کی بجائے کف حسرت ملتے رہتے ہیں۔ کہ آج ہم اس قابل کیوں نہ ہوئے گویا ہم ریشمی کپڑوں اور کامدار ٹوپیوں اور جوتیوں کے لئے بنائے گئے تھے۔

جسے خدا نے تھوڑی سی سمجھ دی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ عموماً ہر ملک کی اور خصوصاً ہندوستان کی صنعت و حرفت، تجارت اور خوشحالی میں ترقی نہیں ہو سکتی۔ تاوقتیکہ ہم لوگ کفایت شعاری پیش نظر رکھ کر اپنی آمدنی میں سے کچھ بچائیں اور اُسے کارخانوں اور تجارت میں لگائیں۔ بہی خواہان ملک کو پبلک سے یہ اصول اولین عام طور سے تسلیم کرانے میں اس وقت تک ناکامیابی محض ہماری فضول خرچی، نمائش اور شیخی کی وجہ سے ہوئی ہے۔

لہو و لعب، فسق و فجور نہ کبھی جائز تھے اور نہ عید کے موقع پر جائز ہو جاتے ہیں۔ نہ رمضان میں عام طور سے اس کا ظاہری احترام کرنے سے کوئی پروانہ مل جاتا ہے کہ عید پر خوب جشن اڑیں۔ قومی اور مذہبی تقاریب کو خوش دلی اور خوش مزاجی سے منانا بے شک ضرور ہے لیکن گلی چھروں کا نام زندہ دلی نہیں ہے۔ جس نام نہاد زندہ دلی کا نتیجہ

تباہی اور پریشانی ہو۔ وہ مُردہ دلی سے بدتر ہے۔

اگرچہ المکتوب نصف الملاقات مشہور ہے۔ اور عزیزوں اور دوستوں سے محبت کی خاطر نامہ و پیام رکھنا مناسب ہے۔ لیکن عید کارڈ کا طریقہ کچھ ضروری نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض لوگوں کے تخیل پر چند رنگین اشعار، اور دو ہاتھوں کے مصافحہ کرنے کی تصاویر وغیرہ سے اثر پڑتا ہے۔ لیکن اس اثر سے کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلتا۔ سوائے اس کے کہ رنگین کارڈ کی البم میں ایک اور اضافہ ہو جائے ہمیں چاہیئے کہ عید کو صرف عید تک محدود رکھیں۔ مبارکباد کے خطوط یا تار روانہ کرنا۔ قصائد بازی، جشن، جلوس سب اصراف میں شامل ہیں۔ اور ہمیں ان سے احتراز کرنا لازمی ہے۔

وحیدہ عزیز

(بقیہ صفحہ ۱۲۰ کالم اوّل)

مخش ڈرامے نوجوان لڑکیوں میں حُسن و عشق کے وہ جراثیم پیدا کر رہے ہیں۔ جو انتہائی مہلک اور خطرناک ہیں۔ ہمارا موجودہ ادب اور ترقی ہوتی سینما کی رُوخرابی کا باعث ہے۔ نہ کہ تعلیم اور فیشن۔ تمام پڑھی لکھی لڑکیوں کو بُرا کہنا، بد تہذیب بتانا انتہائی ظلم ہے۔ کیا ایسی مثالیں جاہل لڑکیوں میں نہ ملیں گی؟ تعلیم یافتہ لڑکیاں نہ بُری ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں۔ اور یہ اُن لوگوں کی غلطی ہے۔ جو ان میں فرشتوں کی سی خصلت تلاش کرتے ہیں۔

مسز منتشرہ محمد احمد ادیب فاضل

برسات کی بہار

وہ گھٹا چھائی چمن میں تازگی سی آ گئی   اس کے پرتو کی جھلک دورِ خزاں کو کھا گئی

رُخ پہ بزمِ مُردہ جنگلوں کے زندگی برسا گئی   یہ گماں ہونے لگا جنت چمن پہ چھا گئی

کوک اِدھر کوئل کی پی پی کی اُدھر جھرنوں صدا

باغ کے گوشوں پہ ہے چھائی ہوئی طرفہ ادا

شانِ رزاقی دکھا کر آج ابر ترگیا   جنگلوں میں اور میدانوں میں پانی بھر گیا

خشک اور پیاسی زمیں کو سبز یکسر کر گیا   سینکڑوں احسان ہر ذی رُوح کے سر دھر گیا

کاشتکاروں کا ہوا ہے آج پھر دل شادماں

جنگلوں کا ہو رہا ہے دید کے قابل سماں

چرخ پہ پُروا ہوا کے ساتھ لہراتا ہُوا   ایک حبابِ تازہ سی جنگل میں دوڑاتا ہُوا

ہر طرف اُمڈا ہے بادل مے کو چھلکاتا ہُوا   چپّے چپّے پر زمیں کے کیف برساتا ہُوا

ہو رہا ہے خشک صحرا پر گلستاں کا گماں

ہر طرف پیشِ نظر ہے باغِ جنت کا سماں

چھائی ہے کس شان سے کالی گھٹا میداں پہ اب   کر رہے ہیں آم کے باغوں میں سب شور و شغب

ہو رہی ہیں کوئلیں اشجار پر محوِ طرب   ناچتے ہیں جنگلوں میں جمع ہو کر مور سب

چار سو پھولوں کے گلشن میں نظر آتے ہیں ہار

شاخِ گل پر گا رہی ہیں بلبلیں مستانہ وار

آتشِ گُل سے چمن ہر سمت ہے دہکا ہُوا   باغ میں ہے سبزۂ نوخواستہ لہکا ہُوا

چپّہ چپّہ خوشبوؤں سے آج ہے مہکا ہُوا   نشۂ عیش و طرب سے ہر ایک بہکا ہُوا

ہے سحاب فیض سے سیراب اک اک تشنہ کام

فصلِ تابستاں کا اب برسات نے بدلا نظام

آؤ سب ہمجولیاں مل جل کے گائیں اب ملہار   یک زباں ہو کر کریں شکرانۂ پروردگار

جس کی رحمت پہ ہے سب کی زندگانی کا مدار   مینہ سے جو سوکھی زمیں کو بخش دیتا ہے بہار

یُحْیِی بَعْدَ الْمَوْت پر ہر گھاس کی پتی گواہ!

شاخِ سبزہ شکلِ الّا اللہ ہے بے اشتباہ!

قیصر جہاں قیصر بدایونی

ذِکرِ الٰہی

تصوّف کے اذکار و اشغال بیان کرنا اس وقت مقصود نہیں ہے بلکہ سوال یہ ہے کہ ہم نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ اللہ کے فرمانبردار اور شکر گذار بندے شب و روز اپنے معبود حقیقی کو کس کس طرح یاد کیا کرتے ہیں۔

مسلمانوں پر جو نماز اپنے ارکان مقررہ کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔ وہ ایسی مکمل اور جامع عبادت ہے کہ اس کے برابر کوئی عبادت کسی مذہب میں بلکہ خود اسلام میں بھی نہیں ہے۔ خود اللہ کی (جو پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہمارا ہمارا اور تمام جہانوں کا ہے) تعلیم کردہ یہ عبادت یا نماز مختلف قسم کے اذکار پر مشتمل ہے دوسرے تمام اشغال اور اوراد و وظائف سے بہتر، برتر اور اعلیٰ ہے۔ وہ سب اسی کے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ میں اپنے فہم ناقص کے مطابق اس کی کچھ تفصیل پیش کرتا ہوں۔ شاید اس سے دلوں میں رغبت اور ذوق و شوق پیدا ہو۔ پانچ وقت کی نماز میں تعداد حسب ذیل ہے :-

فرض ۱۷، سنت موکدہ ۱۲۔ وتر ۳۔ کل ۳۲ رکعت ہوئیں اس قدر تو ہر تندرست، مقیم اور بالغ مسلم پر لازم اور ضروری ہے اگر نوافل معینہ بھی شامل کی جائیں۔ تو یہ تعداد دوچند یا زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس طرح :-

ظہر، مغرب، عشاء کی نفلیں ۶۔ عصر اور عشاء کی سنت غیر موکدہ ۸۔ اشراق یا چاشت کی نفلیں ۴۔ نفل اوابین ۶ نماز تہجد اوسطاً ۸۔ یہ کل ۳۲ رکعت ہوئیں۔ یہ یا ان سے کم و بیش کوئی پڑھنا چاہے تو سعادت اور ثواب ہے ورنہ ضروری نہیں فرائض اور سنن موکدہ اور وتر واجب، ان ۳۲ رکعتوں میں اپنے مالک، خالق، رازق اور معبود حقیقی کے سامنے۔ (جو گنہگاروں کے لئے غفور الرحیم ہے، تو نافرمانوں، سرکشوں کے لئے جبار و قہار بھی ہے) صاحب ہیبت و جبروت اور ذی شان ہستی کے سامنے بار بار دست بستہ کھڑے ہو کر، بار بار جھک کر بار بار زمین پر جبین نیاز رگڑ کر، بار بار دو زانو مودب ہو کر عاجزی اور انکساری کے ساتھ، دل اور زبان سے، عضو عضو اور روئیں روئیں سے ظاہراً و معناً جو کچھ نکلتا اور جاری ہوتا ہے، اس کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

(۱)

(۱) اللہ اکبر	۱۹۳ مرتبہ	(۱۰) سبحان ربی الاعلیٰ (کم از کم)	۹۳ مرتبہ
(۲) سبحانک اللھم	۱۱ مرتبہ	(۱۱) اللھم اغفرلی وارحمنی	۳۲ مرتبہ
(۳) اعوذ باللہ	۱۱ مرتبہ	(۱۲) التحیات	۱۷ مرتبہ
(۴) بسم اللہ	۷۵ مرتبہ	(۱۳) درود شریف	۱۱ مرتبہ
(۵) الحمد للہ (سورۂ فاتحہ)	۳۲ مرتبہ	(۱۴) دعا۔ رب انی ظلمت۔۔	۱۱ مرتبہ
(۶) آیات قرآنی (کم از کم)	۵۷ مرتبہ	(۱۵) دعا ربنا آتنا۔۔	۱۱ مرتبہ
(۷) سبحان ربی العظیم (کم از کم)	۹۶ مرتبہ	(۱۶) دعا قنوت	ایک مرتبہ
(۸) سمع اللہ	۳۲ مرتبہ	(۱۷) السلام علیکم و رحمۃ اللہ	۲۲ مرتبہ
(۹) ربنا لک الحمد حمداً کثیرا	۳۲ مرتبہ		

(۲)

(یعنی)

(۱) اللہ۔ نام ذاتی	۶۴۳ مرتبہ	(۱۴) اقرار توحید	۲۸۔ مرتبہ
(۲) رحمٰن۔ نام صفاتی	۸۷ ″	(۱۵) اقرار رسالت	۱۷۔ ″
(۳) رحیم۔ ″ ″	۹۸ ″	(۱۶) اقرار اطاعت	۳۳۔ ″
(۴) غفور۔ ″ ″	۱۱۔ ″	(۱۷) اقرار گناہ و معصیت	۱۱۔ ″
(۵) رب ″ ″	۳۴۴۔ ″	(۱۸) طلب مغفرت	۴۳۔ ″
(۶) بڑائی اور بزرگی	۵۲۴۔ ″	(۱۹) طلب رحمت	۴۳۔ ″
(۷) تسبیح و تقدیس	۲۹۹۔ ″	(۲۰) طلب امداد	۳۳۔ ″
(۸) حمد و ثنا	۶۷۔ ″	(۲۱) طلب ہدایت	۳۲۔ ″
(۹) تبریک	۱۱۔ ″	(۲۲) طلب فلاح دارین	۱۱۔ ″
(۱۰) انکار کفر	۱۔ ″	(۲۳) طلب پناہ	۱۱۔ ″
(۱۱) انکار شرک	۱۔ ″	(۲۴) اظہار توکل	۱۔ ″
(۱۲) خوف عذاب	۱۔ ″	(۲۵) اظہار تشکر	۱۔ ″
(۱۳) اقرار ایمان	۱۔ ″	(۲۶) درود	۱۱۔ ″

(۲۷) سلام و برکت، رحمت بر نبیؐ — ۱۷ مرتبہ
(۲۸) سلام بر خود و صالحین — ۱۶ "
(۲۹) سلام و رحمت بر صالحین و ملائکہ — ۲۲ "
(۳۰) قبولیت من اللہ — ۳۲ "
(۳۱) تلاوتِ قرآن (علاوہ ۲۲۵ مرتبہ سورۂ فاتحہ کے کم از کم پاؤ سپارہ

خوش نصیب ہیں وہ اللہ کے بندے اور بندیاں، جو حضوریٔ قلب اور خضوع و خشوع کے ساتھ یا کم از کم اپنا فرضِ منصبی اور تعلیم حکمِ خداوندی سمجھ کر نماز ادا کر کے روزانہ یہ نعمتِ عظمیٰ حاصل کرتے ہیں۔ اور جو مسلمان فریبِ نفس میں مبتلا ہیں۔ نماز "قائم نہیں کرتے اور "دل کی نماز" کو آڑ بنا کر پابندیٔ ارکان سے اعراض کرتے ہیں۔ یا جو لوگ لیت و لعل، لہو و لعب اور راحت و آرام میں پڑ کر "اب تو آرام سے گذرتی ہے۔ عاقبت کی خبر خدا جانے" کی مصداق بنے ہوئے ہیں۔ یا جو لوگ چلتی پھرتی دولت و ثروت، جاہ و حشمت اور اعزاز و حکومت کو تقربِ الٰہی سمجھ کر اظہارِ عبودیت سے استغنا برتتے ہیں۔ دل میں ذرا سوچیں تو سہی کہ وہ اپنے آقا، سب چیزوں کے مالک اور سب حاکموں کے حاکم کی نافرمانی اور اس کی یاد سے روگردانی کر کے اپنے ہی مستقبل کے لئے کس قدر نقصانِ عظیم مہیا کر رہے ہیں۔ فرمانبرداری اور شکر گذاری کی صحیح علامت یا شرطِ اولین نماز ہے۔ اور صرف نماز ہی ہے۔ اور بس (قرآن ملاحظہ فرمایئے)

اللہ ہم سب کو ہدایت اور توفیقِ عمل عطا فرمائے۔

زبیر حسن دہلی

میرا اوٹوگراف البم

جون ۱۹۳۱ء میں پنڈت جواہر لال نہرو مع اپنی اہلیہ اور لڑکی کے حیدرآباد تشریف لائے تھے۔ میرے شوہر سید ہمایوں مرزا صاحب مرحوم نے انہیں چا ئے پر مدعو کیا تھا۔ میرے اوٹوگراف البم میں انہوں نے انگریزی میں جو عبارت لکھی تھی اس کا ترجمہ یہ ہے۔

"کسی ملک کے تمدن اور معاشرت کا اندازہ اس سے کرنا چاہیئے کہ وہاں عورتوں کو کیا حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے ہندوستان کے مستقبل کا انحصار اس کی بیٹیوں پر ہے"۔

خالدہ ادیب خانم (سابق وزیر تعلیم جمہوریہ ترکیہ) نے انگریزی میں لکھا تھا۔ ترجمہ یہ ہے۔

"کسی قوم کی مائیں اور اساتذہ ہی اپنی قوم کو شاندار، طاقتور اور باتہذیب بنا سکتے ہیں۔ ہر ایک استانی ایک قلعہ کی طرح طاقتور ہے۔ کیونکہ اس کی محنت و ایثار شہرت کی خود غرضانہ خواہش کے لئے نہیں بلکہ رفاہِ عام کے لئے ہے۔

عجب کیا ہے یہ بیڑا غرق ہو کر پھر ابھر آئے
کہ ہم نے انقلابِ چرخِ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں

۲۰ نومبر ۱۹۲۸ء محمودہ سلطان بیگم سر محمد ذوالفقار علی خاں۔

"یہ ایک یادگار رات ہے۔ اسے یاد رکھئے"۔

حجاب اسمٰعیل ۲۰ دسمبر ۱۹۳۲ء

بھول جانا نہ ہمیں یاد ہماری رکھنا
خط کتابت کی سدا رسم کو جاری رکھنا

آپ کی گرویدہ محبت۔ جے بزل اللہ

۴ مولوی عبداللہ یوسف علی صاحب کی انگریزی عبارت کا ترجمہ:۔

"میں اس ہستی کا بڑا ہی احترام کرتا ہوں جس نے ہندوستانی خواتین کے لئے استقلال اور خلوص کے ساتھ کام کیا۔ اللہ انہیں ہر طرح کامیاب و کامران کرے۔

(باقی)

صغرا ہمایوں مرزا

ایک حقیقت

تعلیم یافتہ لڑکیوں پر سب سے بڑا اعتراض آجکل یہ کیا جاتا ہے کہ وہ فیشن پرست ہیں۔ "فیشن" نام ہے رواج کا اور یہ حقیقت ہے کہ فیشن ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں اور ہر تہذیب میں عورت کا جزوِ اعظم رہا ہے۔ عورت کا بننا سنورنا اس کی فطرت میں داخل ہے۔ چنانچہ سرورِ کائنات ؐ نے اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہ رض کو رخصتی کے وقت یہ نصیحت فرمائی تھی کہ "اے فاطمہ رض، علی رض کے گھر جاکر صاف رہنا اور خوشبو لگانا۔" زمانہ ایک حالت پر کبھی رہا ہے نہ رہے گا تہذیب و تمدن کے بدلنے کے ساتھ عورت کے بناؤ سنگار اور طرزِ لباس بھی فرق ہوتا چلا آیا ہے اگر آج غازہ کی جگہ پوڈر مِسّی کی جگہ لپ اسٹک نے لے لی تو تعجب کیوں ہے۔

اسکولوں میں اس زمانہ میں دسویں تک کونسی ایسی چیز ہے جو لڑکیوں کو نہیں بتائی جاتی دستکاری، کھانا پکانا، صفائی سلائی، یہاں تک کہ عام طور پر کام آنے والے زچہ بچہ کے اصول بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ اتنک کم از کم دسویں کلاس تک لڑکیوں کو خانہ داری کے اتنے اصول بتا اور سکھا دیئے جاتے ہیں کہ لڑکیاں مستقبل میں اپنا گھر بخوبی چلا سکتی ہیں۔ اگر سو تعلیم یافتہ لڑکیوں میں سے دس پندرہ خانہ داری کو حُسنِ انتظام سے نہ چلا سکیں تو یہ تعلیم کا قصور ہے نہ مغربی طرزِ معاشرت کا، یہ قصور ہے فطرت کا اور کاہلی ہے ہاتھ پاؤں کی، آخر جاہل عورتوں کے گھروں کی حالت بھی جو موجودہ تعلیم سے قطعی بے بہرہ ہیں بلحاظ صفائی اور کیا باعتبار خانہ داری نہایت ناقص ہوتی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب ہی جاہل عورتیں پھوہڑ اور انتظام خانہ داری سے ناواقف ہیں اسی طرح تمام تعلیم یافتہ لڑکیاں نہ پھوہڑ نہ آزاد نہ بدتہذیب اور جو اس قسم کے مظاہر کرتی بھی ہیں۔ وہ اگر تعلیم یافتہ نہ ہوتیں جب بھی ایسی ہی رہتیں۔ آنحضرت ؐ کا قول مبارک ہے کہ "پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے مگر انسانی فطرت اپنی جگہ سے نہیں ٹل سکتی" تعلیم کسی حالت میں بھی بُری نہیں، علم کبھی انسان کو بُری راہ پر نہیں چلاتا، جو لڑکی چھوٹی عمر سے کاہل کام چور پھوہڑ بدزبان بےڈھنگی ہے۔ وہ تعلیم حاصل کرے یا جاہل رہے اس کی فطرت تو بدلنے سے رہی۔ فروری کے عصمت میں حمیدہ بیگم صاحبہ کا مضمون "علم و ہنر کو کارآمد بنایئے" شائع ہوا ہے جس میں بہن موصوفہ نے ثابت کیا ہے۔ کہ انگریز عورتیں کسی حالت اور کسی عمر میں خالی نہیں بیٹھتیں۔ پھر یہ کہنا کہ موجودہ لڑکیوں کی سستی اور کاہلی مغربی طرزِ تعلیم کا اثر ہے کہاں تک جائز اور ٹھیک ہے؟

محترمہ بہن آمنہ نازلی صاحبہ نے اپنے مضمون میں ایک ایسی حقیقت بیان کی ہے جس کی سچائی سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ ہمارے ادبی رسالوں کے افسانے اور

(باقی صفحہ ۱۱۷ کالم اوّل پر)

بچے اور تربیت

بچوں کی پرورش کے لئے والدین کی ہمدردی اولوالعزمی اور سمجھ ان کے اس مقدس فرض کی ادائگی کے لئے ضروری ہے بچے اعلیٰ انسان جب ہی بن سکتے ہیں۔ کہ ان میں اعلیٰ اور مضبوط خواہشات پیدا کی جائیں وہ بچے بہت خوش قسمت ہیں جن کے ماں اور باپ دونوں ان میں دلچسپی لیتے ہیں۔ بچوں کی تربیت میں بعض حالات میں جتنا باپ کا اثر بچوں پر گہرا ہوتا ہے ماں کا نہیں ہوسکتا۔ مگر اکثر حالات میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔

بچوں کے عادات و اطوار پر گھر کے ماحول کا گہرا اثر پڑتا ہے جس قسم کی تصویریں، جس قسم کی کتابیں گھر میں ہیں صفائی اور ستھرائی کے اعتبار سے گھر کی جو حالت ہے جس قسم کے لوگوں سے گھر والوں کا ملنا جلنا ہے جس پیرایہ میں عام طور پر گفتگو ہوتی ہے بڑوں کی عادات و خصائل جس طرح کی ہیں۔ مذہب سے جس حد تک لگاؤ ہے ان سب باتوں کا بچوں پر ضرور اثر پڑتا ہے۔

بعض گھروں میں ذرا ذرا سی باتوں پر بچوں کو دھمکایا جاتا اور سزا دی جاتی ہے جس کا بعض حالات میں اُلٹا اثر ہوتا ہے جو کام دلپسند اور فائدہ مند ہوں ان کے لئے سزا نہیں ہونی چاہیئے، مثلاً اگر ایک سوال نہیں کیا تو اس کے بدلے میں دس سوال حل کرنے کو دیئے جائیں۔ اس قسم کی باتوں سے بچوں کو ان چیزوں سے نفرت ہوجاتی ہے۔ بچے والدین کا ہمیشہ کہنا مانتے ہیں بشرطیکہ انہیں اپنے والدین پر پورا بھروسہ ہو۔ اس کے لئے باہمی الفت، عزت اور بھروسہ ضروری ہے۔

والدین یہ بھی خیال رکھیں کہ اندھا دھند کہنا ماننا بچوں کو کمزور خصلتوں کا انسان بناتا ہے۔ انہیں اپنی عقل سے بھی کام لینے کا موقع دیں۔ رشیدہ عزیز بی۔اے بی۔ٹی

قدرت کا منشا

رات دن مرد اور عورت کے حقوق، مدارج و فرائض پر بحث ہوتی رہتی ہے، اور اکثر ایسی گرماگرمی ہوتی ہے کہ وہ گھر جس میں مرد و عورت آپس میں معاہدہ کرکے بیٹھے تھے کہ ہم اس کو جنت بنائیں گے، جہاں پریم کے راگ گائے جائیں گے وہ گھر دوزخ بن جاتا ہے، جہاں غیظ و غضب کے شعلے بھڑکتے نظر آتے ہیں مگر اس حقوق طلبی اور حریت و مساوات کی جنگ میں اس بات پر غور کرنا بھول جاتے ہیں کہ مرد عورت کو پیدا کرنے میں اللہ میاں کی کیا مصلحت تھی۔ ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اللہ میاں کو اس میں مزا آتا ہے کہ مرد اور عورت لڑتے رہیں، اور اللہ میاں تماشہ دیکھتے رہیں۔ مگر اللہ میاں انسانی بادشاہوں کی طرح نہیں ہیں۔ کہ وہ اپنی رعایا کو آپس میں لڑا کر تماشہ دیکھتے ہیں۔ اللہ میاں نے مرد اور عورت کو اس دنیا میں کسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور مرد عورت پر ہی کیا موقوف ہے۔ ساری مخلوق جاندار اور بے جان اس مقصد کے پورا کرنے کی آلۂ کار ہے جس کو منشاء ایزدی کہتے ہیں، اس منشاء کو معلوم کرنے کے لئے اللہ میاں نے ساری مخلوق سے دریافت کیا کہ تم میں سے کون اس اہم فرض کو اپنے ذمے لینا چاہتے ہو۔ جمادات و نباتات و حیوانات سب نے جواب دیدیا کہ ہم اس جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتے ہم کو تو جس کام پر لگا دے گا وہی کئے جائیں گے اب رہ گیا انسان۔ تو اللہ میاں کو تو یہ کام کسی کے سپرد کرنا ہی تھا لہذا یہ مشکل کام حضرت انسان کے ذمہ لگایا گیا اور اس کے پورا کرنے کے لئے اس کو دیگر حیوانات میں اس طرح ممتاز کیا گیا کہ اس کو عقل دی گئی، عقل یعنی فکر۔ اور اس برتری کی بنا پر اس کو اشرف المخلوقات کے خطاب سے آسمان پر چڑھا دیا۔

اشرف المخلوقات بننے سے انسان کو کیا فائدہ یا نقصان پہنچا کہ سارے جہان کا فکر اس کے سر پڑا یعنی اشرف المخلوقات کے معنی خدائی فوجدار کے ہوئے۔ اور منشاء ایزدی کو عقل کے زور سے معلوم کرکے اس کی تکمیل کرنا اس کا دنیا میں آنے کا مقصود قرار پایا۔ گویا پیدا ہونے سے مرتے دم تک ساری عمر اسی تگ و دو میں ختم ہو جائے۔ اور ایک لمحہ کے لئے خالی بیٹھنا نصیب نہ ہو۔ اور فائدہ یہ پہنچا کہ ان خدائی فوجدار صاحب کی امداد کے لئے ساری مخلوق ان کے تابع کر دی گئی یعنی معلوم یہ ہوتا ہے۔ کہ منشاء ایزدی یہ ہے کہ جو دنیا اس نے بنائی ہے وہ قائم رہے۔ اور نہ صرف قائم رہے۔ بلکہ دن بدن ترقی پذیر رہے۔ ترقی پذیر کے یہ معنی ہیں کہ جو خزانے اللہ میاں نے اس دنیا میں پوشیدہ رکھ چھوڑے ہیں ان کو خدائی فوجدار صاحب اپنی عقل اور فکر کے زور سے معلوم کریں اور اُن سے متمتع ہو کر اپنی محنت کا اجر پائیں۔

اگر مقصدِ حیات کی یہ تفسیر درست مان لی جائے تو اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرتِ انسان کا دوسری مخلوق سے کیا رشتہ رہ جاتا ہے۔ نباتات انسان و حیوان دونوں کی زندگی قائم رکھنے کا ذریعہ ہیں۔ اور جمادات بھی اس میں حصہ لیتے ہیں۔ حیوانات بھی انسان کے حکم کے آگے کان نہیں ہلا سکتے حتیٰ کہ اپنی جان تک پیش کر دیتے ہیں مطلب یہ کہ اپنا منشاء پورا کرانے کے لئے درجہ وار جاندار اور بے جان مخلوق کو اللہ میاں نے چند لازمی فرائض ادا کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ جس کی وہ بے چون و چرا تکمیل کرتے رہتے ہیں۔ اب رہ گئے حضرت انسان جو ان سب کے گورنر جنرل ہیں تو ان میں ایک حصہ مرد کہلاتا ہے اور دوسرا حصہ عورت آخر اللہ میاں نے انسان کے دو حصے کیوں کئے۔ اور انسان پر کیا موقوف ہے ساری مخلوق کو اسی طرح نر اور مادہ میں تقسیم کیا ہے۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ فقط مرد یا نر ہی پیدا کئے جاتے یا فقط عورتیں یا مادہ ہی تخلیق ہوتیں۔ اگر اللہ چاہتا تو یہی کر دیتا۔ مگر اس نے یہ نہیں چاہا کہ جس طرح من و سلویٰ آسمان سے اترتا تھا یا جس طرح اولے آسمان سے گرتے ہیں۔ اسی طرح مخلوق بھی آسمان سے بنی بنائی زمین پر آ ٹپکتی۔ اس نے یہ انتظام کیا کہ دنیا کے سب کام دنیا ہی میں ہوں یعنی چند قاعدے بنا دیئے جن کی رو سے مخلوق کی تخلیق دنیا ہی میں ہو، اس میں سب سے بڑا قاعدہ یہ ہے کہ جوڑے پیدا کئے جن کا سب سے پہلا کام دنیا میں افزائش نسل ہے

اس فرض کو انجام دینے کے لئے جنسی رغبت کا مادّہ پیدا کیا اگر یہ غائب ہو جاوے تو انسان کی باد شاہت ختم ہو جائے۔ چنانچہ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے قادر مطلق نے مرد اور عورت کو اس طرح وضع کیا ہے کہ وہ بحیثیت انسان کے اپنی نسل کو بڑھانے کے فرائض اپنی اپنی جگہ علیٰحدہ علیٰحدہ انجام دیتے رہیں عورت کی خلقت اس قسم کی ہے کہ اس کے بطن سے بچے پیدا ہوں، وہ نہ صرف پیٹ میں نازائیدہ بچے کی پرورش کرے بلکہ قدرت نے ایسا انتظام کیا ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد بچے کی خوراک بھی عورت کے جسم ہی سے مہیا کی جاتی ہے۔ قدرت کے اس بندوبست سے یہ واضح ہے کہ آیندہ نسل کی پرورش کا فرض عورت کے ذمے ہے۔ اور یہ ایسا وقت لینے والا کام ہے کہ اس فرض کی پوری طرح ادائگی کرنے کے بعد کسی اور دوسرے کام کے لئے عورت کو وقت ہی نہیں ملتا۔ بچوں کی پرورش کے ساتھ مرد کی خوراک تیار کرنے، کپڑے سینے پرونے کا کام بھی عورت کے لئے ہی موزوں معلوم ہوا۔ یہ کام عورت کے لئے اتنا کافی تھا کہ اس کے سوا اُسے دوسرے کام کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ لہٰذا ضروریات کا پورا کرنا مرد کے سپرد ہوا۔ اس طرح قدرتی طور پر اور ضروریات کی بنا پر مرد عورت میں تقسیم کار یہ ہوئی کہ جہاں عورتیں اور بچے رہیں۔ اور جسے گھر کہیں، وہاں کا کام عورت کرے۔ اور اس سے باہر کا سارا کام مرد کرے۔ یہ انتظام جب سے انسان نے گھر بنا کر رہنے کا طریقہ اختیار کیا، اس وقت سے اب تک قائم ہے۔ اور یہ کہنا غلط ہو گا کہ اس تقسیم کا بانی مرد ہے اور مرد نے اپنی خود غرضی سے عورت کو گھر کی چار دیواری میں بند کر دیا۔

جب مرد و عورت منشاء ایزدی کے پورا کرنے کے ضمن میں اس طرح قدرت کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں تو پھر مرد عورت کیوں ایک دوسرے سے خیالی حقوق و فرضی مساوات و حریت کی طلب پر جھگڑا کریں۔ کوئی کہتا ہے کہ عورت کو مرد پر فضیلت ہے۔ اس لئے عورت کا احترام لازمی ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ عورت مرد کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اس لئے اس کی لونڈی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ عورت کی ہستی کا دارومدار مرد کی ہستی پر ہے۔ اس لئے اگر مرد فوت ہو جاوے تو زوجہ کو اس کے ساتھ خود کشی کرنی چاہیئے لیکن حقیقت کو دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ مرد و عورت اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے سے بالکل آزاد ہیں۔ اور جس طرح ایک فیکٹری میں کام کرنے والے علیٰحدہ علیٰحدہ مشین کے پرزے بنا رہے ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے آزاد رہتے ہیں۔ مگر سب پرزے ایک ہی مشین کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس دنیا کی فیکٹری میں ایک ہی مقصد کے لئے مرد و عورت علیٰحدہ علیٰحدہ کام کرتے ہیں۔ اور صرف اتنا تعلق رکھتے ہیں کہ ایک کی غلطی کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے۔ اس لئے اس غلطی سے روکنے کے لئے اپنی اپنی جگہ دونوں غلطی کرنے والے کو روکنے کے حق دار ہیں۔ اس میں ہرگز ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ پھر یہ حقوق طلبی کی جنگ کیسی؟ دنیاداری کے معاملات میں تو مرد بھی ایک دوسرے سے ناانصافی کر جاتے ہیں۔ اس طرح بعض مرد عورتوں کے ساتھ اور بعض عورتیں مردوں کے ساتھ ناانصافی اور زیادتی کرتے رہتے ہیں مگر یہ انفرادی معاملات ہیں۔ اس کو جنسی قضیہ کیوں بنایا جاوے کہ سب مرد ایک طرف اور سب عورتیں ایک طرف۔ عورتیں ابن آدم کو بُرا کہیں اور مرد بنت حوا کی خبر لیں۔ اور سوائے باہمی بدمزگی کے نتیجہ اس جنگ کا کچھ بھی نہیں۔ عورت کو اپنے قدرت کے مقرر کئے ہوئے فرائض کو نہ بھولنا چاہیئے۔ اور مشرقی عورت کو جو اب تک قانون فطرت کے مطابق چل رہی تھی۔ مغرب کی عورت کی پیروی نہ کرنی چاہیئے۔ جو گمراہ ہو چکی ہے۔ اور یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ خانہ داری کے فرائض کے مقابلہ میں روزی کمانے کا کام آسان ہے۔ روزی کمانا بڑا کٹھن راستہ ہے۔ یہ مرد کا ہی جگرا ہے کہ وہ دنیا کی کشمکش کی سختیوں کو جھیل لیتا ہے کیونکہ اپنے گھر کی ملکہ بنو اور کمانیوالے مرد کی شریک، بجائے اس کے کہ خود در بدر ماری ماری پھرو۔ خود خوار رہو اور اپنے رشتہ داروں کو خوار کرو۔ مگر اس کا کیا علاج کہ مغرب کی تقلید میں جو گناہ کیجئے ثواب ہے۔

مشتاق احمد زاہدی

تصحیح عصمت اگست صفحہ ۷۹ کالم ۲۔ پیراگراف ۲ کی سطر ۴ کا فقرہ "یہ سب تعلیم کا قصور ہے" اس طرح ہونا چاہیئے۔ "یہ سب تعلیم کا قصور نہیں ہے" بہنیں براہ کرم اپنے پرچوں میں تصحیح کر لیں۔

صدیقہ بانو

خون

افرادِ ڈرامہ

محسن:۔ ایک معمولی زمیندار۔ حسینہ:۔ محسن کی بیوی۔
حسن: محسن کا لڑکا۔ عمر ۱۸ سال۔ نعیم:۔ ایک مالدار ذی عزت تاجر
صوفیہ:۔ نعیم کی خوبصورت لڑکی۔
رحمٰن:۔ نعیم کا ملازم

پہلا منظر:۔ مقام میرٹھ وقت ۳ بجے دن

محسن کا مختصر مکان حسینہ بیٹھی مشین سے کوئی چیز سی رہی ہے۔
حسن پاس بیٹھا کچھ لکھ رہا ہے۔ مکان نہایت سلیقہ سے سجا ہوا ہے۔

محسن داخل ہوتا ہے۔ حسن اٹھ کر باہر چلا جاتا ہے۔

محسن۔ (بیٹھتے ہوئے) حسینہ سنا، صوفیہ میٹرک میں فرسٹ آئی۔ بڑی حسین لڑکی ہے۔ میرے خیال میں اب نعیم کو ان کا وعدہ یاد دلایا جائے

حسینہ:۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ کیسے صوفیہ کی شادی حسن کے ساتھ کر دیں گے۔ ان کی تجارت خدا کے فضل سے روز افزوں ترقی پر ہے لڑکی ماشاء اللہ ہر طرح سے اچھی ہے۔ ہمارا اُن کا کیا مقابلہ۔

محسن۔ مگر ہمارا لڑکا بھی تو کسی سے کم نہیں ہے۔ دولت البتہ ہمارے پاس نہیں ہے۔

حسینہ:۔ دولت ہی انسان کی ترقی کا آجکل راز ہے۔ مانا کہ حسن نے ۱۸ سال الیف، اے پاس کر لیا ہے۔ اور اپنی ذکاوت سے ترقی کر سکتا ہے۔ مگر ہمارے پاس ہے کیا۔ جو ہم اس کو کسی قابل کر سکیں۔ اس لئے میرے خیال میں تو تمہیں اس طرف خیال نہ کرنا چاہیئے۔

محسن۔ واہ اچھی کہی، میں مکان جائداد سب فروخت کر کے جس طرح بنے گا۔ اس کو ڈاکٹری پڑھاؤں گا۔ اور پھر صوفیہ ہی کے ساتھ اس کی شادی کروں گا۔ نعیم سے میرے دیرینہ تعلقات ہیں۔ میں آج جا کر ان سے ذکر کروں گا کہ میرا ارادہ یہ ہے۔ دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔

دوسرا منظر:۔ نعیم کا مکان وقت ۲ بجے

نعیم اپنے شاندار مکان کے باہر چبوترہ پر ایک کرسی پر بیٹھے اخبار دیکھ رہے ہیں۔ محسن آتے ہیں۔

محسن۔ السلام علیکم! کہئے کیسا مزاج ہے۔

نعیم۔ وعلیکم السلام۔ آخاہ! آپ ہیں۔ کدھر راستہ بھول گئے تشریف رکھئے۔

محسن۔ (کرسی کھسکا کر بیٹھ جاتے ہیں) بھائی کیا عرض کروں میں باہر گیا ہوا تھا بیس یوم بعد آیا ہوں۔ میں نے کہا ذرا آپ سے مل آؤں (مسکرا کر) دوسرے ایک اہم کام بھی ہے اگر کہئے تو عرض کروں۔

نعیم۔ ضرور ضرور میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ کوئی ہے؟

رحمٰن:۔ جی حضور۔ نعیم۔ پان لاؤ۔ رحمٰن بہت اچھا۔

نعیم۔ ہاں تو کہئے کس لئے تکلیف کی؟

محسن۔ صوفیہ کی کامیابی سے بڑی خوشی ہوئی۔ حسن نے بھی سکنڈ ڈویژن میں الیف اے کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ حسن کو ڈاکٹری پڑھاؤں اور اس کے بعد آپ کو اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا۔

نعیم۔ تو یوں کہئے۔ آپ میرا وعدہ یاد دلانے آئے ہیں۔

رحمٰن چاندی کے خاصدان میں پان پیش کرتا ہے۔ نعیم محسن کی طرف بڑھا کر۔ رحمٰن جاؤ، "ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا۔ سنئے! مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ لیکن اگر حسن نے ڈاکٹری پاس کر لی تو۔ الیف اے بی۔ اے کو آجکل کون پوچھتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ صوفیہ میری اکلوتی لڑکی اور تمام مال و متاع کی تنہا وارث ہے۔ اس کی شادی باعزت اور شریف طبیعت لڑکے سے ہو۔ اور حسن کے ساتھ میں اسی وقت کر سکتا ہوں کہ حسن ڈاکٹری پڑھ کر نوکر ہو جائے۔ امید کہ آپ کو کوئی بات ناگوار نہ ہوئی ہو گی لیجئے اور پان کھائیے۔

محسن۔ (کھڑے ہو کر پان لیتے ہوئے) شکریہ! ناگوار ہونے کی کونسی بات ہے۔ آپ نے ٹھیک فرمایا۔ اچھا اب جاتا ہوں۔ خدا حافظ پھر آؤں گا۔

نعیم۔ آداب عرض (کھڑے ہوئے) تو کب تک حسن کو ڈاکٹری پڑھنے بھیجئے گا۔

محسن۔ اب یہ گھر جا کر طے کروں گا۔ آداب عرض (چلا جاتا ہے)

تیسرا منظر:۔ محسن کا مکان۔ وقت نو بجے شب

حسینہ۔ خیر نعیم صاحب تیار معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے تو بالکل امید

نتھی صاحب حسن کو اسی ہفتہ لاہور بھیج دینا چاہیئے۔

محسن۔ ہاں ہاں۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ کچھ جائداد فروخت کر کے اس کو بھیجدوں۔ انشاءاللہ جب حسن کسی قابل ہوگا۔ تو بہت سی جائداد خرید لی جائے گی۔

حسینہ۔ ابھی جائداد فروخت کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس ایک ہزار نقد اور دو ہزار کا زیور موجود ہے آیندہ دیکھا جائیگا

محسن۔ او ہو! تو یوں کہو کہ جائداد فروخت کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ سات آٹھ سو روپیہ میرے پاس موجود ہے۔ یہ سب ملکر کافی ہوگا۔ میں نے حسن کا عندیہ لیا ہے وہ ڈاکٹری پڑھنے پر تیار ہے۔ تو پرسوں تک بھیج دینا چاہیئے۔

حسینہ۔ خدا راس لائے۔ (آمین)

چوتھا منظر:۔ پانچ سال بعد

یو۔ پی۔ کے ایک خوبصورت شہر کے بڑے ہسپتال میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ نرسیں، ڈاکٹر صاحبان تن دہی سے انتظامات میں مصروف ہیں۔ مسٹر شمیم ایس۔ پی۔ اپنی بیگم صاحبہ کو لیکر آئے ہیں جن کو موٹر کا حادثہ پیش آنے سے شدید ضربات آئی ہیں۔ ان کو ہسپتال میں نرسوں کے سپرد کر کے خود باہر کرسی پر امید و بیم کی حالت میں بیٹھے ہیں۔ یکایک اٹھ کر اضطراری کیفیت میں ٹہلنے لگے۔

ڈاکٹر زماں سول سرجن۔ (شمیم کے پاس آکر) کپتان صاحب گھبرایئے نہیں۔ آپ کی بیگم صاحبہ کے جسم سے خون بہت زیادہ نکل چکا ہے اگر آدھ سیر کسی شخص کا خون ان کے جسم میں پہنچ جائے تو وہ بچ سکتی ہیں۔ مگر ایک گھنٹہ کے اندر ہونا چاہیئے۔

شمیم۔ (اور زیادہ بیقرار ہو کر) ڈاکٹر صاحب دس بج چکے ہیں اس وقت خون کہاں ملے گا۔ دوسرے یہاں سے شہر تین میل پر ہے ایک گھنٹہ کے اندر خون کا مہیا ہونا ایک حد تک ناممکن سا معلوم ہوتا ہے۔ آہ صوفیہ کی زندگی صرف آدھ سیر خون میں ہے آپ کچھ انتظام نہیں کر سکتے۔

ڈاکٹر زماں۔ کپتان صاحب خون کا معاملہ ہے۔ کوئی کیوں تیار ہونے [illegible] میں کیا کر سکتا ہوں۔

ایک نرس (آن کر) ڈاکٹر صاحب آپ کو ڈاکٹر فاروقی صاحب بلاتے ہیں۔ جلد چلئے۔

ڈاکٹر زماں۔ اچھا کپتان صاحب آپ بھی چلئے۔ یہاں اکیلے میں اور وحشت ہوتی ہوگی۔ (دونوں دوسرے کمرے میں داخل ہوتے ہیں)

ڈاکٹر فاروقی۔ (گھبراہٹ کے ساتھ) خون کا انتظام ابھی تک نہیں ہوا۔ اور مریضہ کی حالت ابتر ہو رہی ہے۔

زماں۔ اس وقت خون کا انتظام ہونا ناممکن ہے۔ شہر میں ملنے کی امید ہو سکتی ہے تو وہ یہاں سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ دو گھنٹے سے زیادہ آمد و رفت کے ہونگے۔ اور پھر خون ملے یا نہ ملے۔

ڈاکٹر فاروقی۔ تو مریضہ بچ نہیں سکتی بغیر خون کے۔ اب کیا کیا جائے میں بتاؤں آپ میرا خون لے لیں۔ سوچیئے مت جلدی کیجئے۔

ڈاکٹر زماں۔ مسٹر فاروقی! آپ اپنی جان خطرہ میں ڈال رہے ہیں۔ آدھ سیر خون آپ جیسے کمزور شخص کے جسم سے لینا اندیشہ سے خالی نہیں۔

فاروقی۔ (کوٹ اتارتے ہوئے) آپ میری فکر مت کریں جلد خون لیں ورنہ وقت ہاتھ سے جا رہا ہے۔

ڈاکٹر مجبوراً خون لے لیتا ہے۔ مسٹر شمیم حیرت زدہ ہیں کہ اس شخص کو ایسی کیا مجھ سے خصوصیت ہے جو اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر خون دے رہا ہے۔ ڈاکٹر خون لے کر مع شمیم کے صوفیہ کے پاس جاتا ہے اور خون جسم میں داخل کرتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد صوفیہ کو ہوش آجاتا ہے۔

نرس۔ (داخل ہو کر) ڈاکٹر صاحب جلد چلئے ڈاکٹر فاروقی جا رہے ہیں

ڈاکٹر زماں خواب آور دوا دینے کی ہدایت نرس کو کر کے کمرے سے باہر نکل جاتے ہیں۔

ڈاکٹر زماں۔ (فاروقی کے پاس آکر) کہئے کیا حالت ہے۔

فاروقی۔ (مسکرا کر) ڈاکٹر صاحب خون بند نہیں ہوا۔ دل بیٹھا جا رہا ہے بس بچ نہیں سکتا میرے پاس سے مت جایئے۔ اور ہاں میرے گھر پہ خبر کر دیجئے گا۔ لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کلمہ پڑھتے ہوئے دم توڑ دیتا ہے۔

ڈاکٹر زماں فاروقی فاروقی کہتے ہوئے آگے بڑھے اور بچشم پُرنم ایک چادر ڈال کر افسوس کرتے ہوئے شمیم کے پاس آکر یہ خبر سنائی شمیم کو بھی بہت صدمہ ہوا اور صبح ہونے تک تجہیز و تکفین سے فراغت ہو گئی۔

پانچواں منظر۔ [illegible]

ڈاکٹر زماں کا بنگلہ [illegible]

([illegible] کالم ۲ پر)

اپنے شوہر سے دوبارہ شادی

مندرجہ بالا عنوان کے تحت مسٹر ڈی، رائے کا ایک مضمون ماورواں کے رسالہ کارواں (انگریزی) میں نظر سے گذرا مضمون نگار نے ازدواجی تعلقات کو علم النفس کی روشنی میں پیش کیا ہے جس کا ترجمہ عصمتی بہنوں کی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ازدواجی زندگی کا آغاز عموماً ابدی راحت، دائمی سکون، محبت اور مسرت کے شیریں خوابوں سے ہوتا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ خاوند اور بیوی میں اول اول معمولی باتوں پر اختلاف رائے کا اظہار ہوتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ مزاج کی سختی، چڑچڑاپن، سخت کلامی، برہمی اور اشتعال انگیز الفاظ کے تبادلہ کی نوبت آجاتی ہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک یا دونوں اپنی متاہلانہ زندگی کو ناقابل برداشت سمجھنے لگتے ہیں۔

شاید اس امر کا احساس پہلے بیوی کو ہوتا ہے اور غالباً پہلے وہی یہ سوچتی ہے کہ "نہ معلوم میں اس شادی پر کیونکر راضی ہوگئی تھی" یہاں پر ان عورتوں کا ذکر نہیں ہے جنہیں شادی کے وقت اظہار رائے کا موقع ہی نہیں دیا جاتا۔

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بیوی کو دوبارہ انتخاب کا موقع دیا جائے تو کیا وہ اپنے موجودہ خاوند سے دوبارہ شادی کرنا پسند کرے گی۔

اس سوال کا جواب مجھے ایک ایسی عورت سے گفتگو کے بعد جو کچھ ہی عرصہ پہلے اپنے خاوند سے کسی بات پر سخت ناراض ہوئی تھی۔ اور جانبین میں بیزاری کے اظہار تک کی نوبت آچکی تھی۔ اس طرح ملا۔

عورت کے الفاظ بالکل یہی تھے کہ "نہ جانے میں نے ان سے کیوں شادی کی" لیکن جب میں نے مندرجہ بالا سوال اس کے سامنے پیش کیا تو شوہر سے انتہائی ناراضگی کے باوجود فوراً جواب نہیں دیا۔ بلکہ کسی قدر سکوت کے بعد نہایت احتیاط سے بولی "میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ مگر اتنا جانتی ہوں کہ مجموعی طور پر ہماری شادی کامیاب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ میں تنہا رہ کر زیادہ [illegible] لیکن اگر شادی کرنی ہی پڑتی تو میں اپنے موجودہ [illegible] دوں گی۔"

میری تحقیقات اس امر کا ثبوت ہیں کہ اکثر و بیشتر عورتوں کے یہی خیالات ہیں۔ خواہ وہ اپنی ازدواجی زندگی سے کبھی کبھی بیزاری کا اظہار ہی کیوں نہ کرتی رہتی ہوں۔ تاہم یہ کوئی کلیہ نہیں ہے۔ ایک عورت نے مجھے اس کے بالکل برعکس جواب دیا۔ شادی کے وقت اس کی عمر صرف پندرہ سال تھی۔ وہ خوشحال متمول والدین کی بیٹی تھی۔ اور ایک ذی ثروت اور متمول خاندان میں اس کی شادی ہوئی تھی لیکن بعض وجوہ سے ایک سال کے اندر ہی اندر اس کی سسرال کی دولت و ثروت افلاس میں تبدیل ہوگئی۔ گذشتہ بارہ سال بڑی مشکل سے بیتے تھے۔ اس کے پانچ بچے ہمیشہ کھانے پہننے کی ان چیزوں کو ترستے تھے جو ان کے پڑوسی بچوں کو آسانی سے میسر تھیں۔ ایسی حالت میں ان راحتوں اور آسائشوں کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ جو اسے اپنے ماں باپ کے گھر حاصل تھیں۔ وہ جب اپنی ہمسائیوں کو نئی نئی ساڑیاں پہن کر سینما جاتے یا شادی بیاہ اور اسی قسم کی دوسری تقریبوں میں شرکت کرتے دیکھتی تو اس کا دل کڑھنے لگتا۔ اس کی ہمسایوں کے شوہر چار چار پانچ پانچ سو تنخواہ پاتے تھے۔ اور اس کے شوہر کی آمدنی معمولی ضروریات زندگی کے لئے بھی ناکافی تھی۔ اس کی رومانی زندگی کے خواب فنا ہوچکے تھے۔ اور وہ اس کا ذمہ دار صرف اپنے شوہر کو سمجھتی تھی۔ اس کا جواب بالکل صاف تھا۔ کہنے لگی "میں اپنے شوہر سے پھر کبھی شادی نہیں کرسکتی۔ پھر بھی ہم نباہ رہے ہیں اور جس طرح اس نباہ کو ممکن بنانے کی کوشش کرتے رہیں۔"

ایک اور عورت نے جس کی عمر ابھی تیس سال سے متجاوز نہ ہوئی تھی۔ اس سوال پر بہت دیر غور کیا۔ پھر اپنے شوہر کی کمزوریاں کو شمار کیا۔ اور پھر ان پر غور کرنے کے بعد جواب دیا "میں نہیں سمجھتی کہ میں کسی طرح کسی دوسرے کو منتخب کرسکتی ہوں۔ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ [illegible]

کی زندگی میں اس قدر گھل مل گئے ہیں۔ کہ بہت سی باتیں جو اوّل اوّل بُری معلوم ہو رہی تھیں۔ اب میں اُن کی عادی ہوگئی ہوں۔ میں اگر اب شادی کروں تو یقین نہیں کہ مجھے کوئی ایسا شخص مل جائے۔ جو باوجود اس قدر اختلاف طبیعت کے میری زندگی سے اتنا قریب ہو۔

یہی سوال جب شوہروں سے کیا گیا تو پہلے تو انہوں نے اسے صرف ایک مذاق سمجھا۔ مگر زیادہ اصرار پر کچھ کہا تو ان میں سے اکثر کے جوابات عورتوں کے جوابات سے ملتے جلتے تھے۔ ہاں کچھ لوگ جو اپنی خانگی زندگی کو ایک عذاب خیال کرتے تھے کہنے لگے کہ اگر دوبارہ انتخاب ممکن ہو تو وہ اپنی موجودہ بیویوں کے ساتھ شادی پر کسی حالت میں راضی نہ ہوں۔ مگر اکثریت ایسے ہی لوگوں کی تھی۔ جو اپنی موجودہ زندگی کے اس قدر عادی ہو چکے تھے کہ انہیں اب کوئی تبدیلی ناممکن نہیں تو دشوار ضرور نظر آئی۔ وہ بولے " بقول شخصے جانے بوجھے شیطان کے ساتھ گزارہ کرنا اجنبی انسان کے ساتھ گزارہ کرنے سے زیادہ آسان ہے "

لیکن یہی سوال اگر آپ سے کیا جائے تو آپ کیا جواب دیں گے؟

یہاں میرا تخاطب مردوں اور عورتوں دونوں سے ہے آپ نہایت سکون اور اطمینان سے اس سوال پر غور کیجئے۔ یہ بھی سوچئے کہ آپ کی شریک حیات یا رفیقۂ حیات میں کیا کیا کمزوریاں ہیں۔ کیونکہ دراصل بہت سی باتیں ایسی ہیں جو رائی کا پہاڑ بن گئی ہیں۔ اور معمولی بات بڑھتے بڑھتے کہیں سے کہیں جا پہنچی ہے۔ اگر ان معمولی باتوں کو صفائی اور خلوص کے ساتھ ایک دوسرے سے کہہ دیں تو فوراً ہی صلح ہو جائے اور بات کو بتنگڑ بننے کا موقع نہ ملے اور اس طرح تمام شکوک وشبہات دور ہو جائیں، کیونکہ بعض جھگڑوں کی تہ میں صرف غلط فہمیاں ہوتی ہیں۔ ان باتوں پر غور کرنے سے آپ کو اُن خوبیوں کا بھی پتہ چلے گا۔ جو آپ کے شریک حیات یا رفیقۂ حیات کی برائیوں کے پردے میں پوشیدہ تھیں۔ اور جن پر آپ نے اب تک غور نہیں کیا تھا۔ اور فطری خوبیوں کے روشنی میں آنے کے بعد آپ یقیناً انہیں پسند کریں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کی زندگی کی تلخی ایک خوشگوار مسرت میں تبدیل ہو جائے گی۔

مسز عظمت ایوب

خون (بقیہ صفحہ ۱۲۴)

ڈاکٹر صاحب باغیچہ میں ٹہل رہے ہیں کہ اتنے میں ایک کار سامنے آکر رُکی۔ صوفیہ اور تسنیم اُتر کر آئے۔ ڈاکٹر زماں نے پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ سب آکر برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اور ادھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ صوفیہ اب بالکل تندرست ہو چکی تھی۔ سردی بڑھتی دیکھ کر ڈاکٹر صاحب بولے آپ کو ابھی احتیاط لازم ہے۔ کمزور آپ بہت ہیں۔ چلئے چلئے کمرے میں بیٹھیں۔ سب اُٹھ کر کمرے میں چلے گئے۔

کمرے کا سب سامان نہایت قیمتی تھا۔ نفیس تصاویر لگی تھیں صوفیہ کی نگاہ ایک تصویر پر پڑی اور وہ حیرت سے کہنے لگی۔ "ڈاکٹر ایچ فاروقی، ایں! یہ کون صاحب ہیں۔ ڈاکٹر صاحب یہ تصویر آپ کے پاس کہاں سے آئی "

ڈاکٹر زماں۔ آپ یہ مت پوچھیں، آپ کو تکلیف ہوگی "

صوفیہ۔ خدا کے واسطے ڈاکٹر صاحب بتا دیجئے "

ڈاکٹر زماں " یہ تصویر اسی جوانمرد ڈاکٹر کی ہے جس نے آپ کو خون دے کر اپنی جان دی "

صوفیہ " آہ! یہ ڈاکٹر حسن فاروقی اسسٹنٹ سرجن ہیں جنہوں نے خون دیا تھا "

ڈاکٹر زماں " جی ہاں "

صوفیہ کی حالت متغیر ہو جاتی ہے۔ لڑکھڑا کر ایک کرسی پر خون خون کہتی گر پڑتی ہے تسنیم صوفیہ صوفیہ پکارتا اس پر جھکتا ہے مگر وہ دوسری دنیا میں پہنچ چکی ہے۔

ڈاکٹر زماں۔ (معائنہ کے بعد) صدمے سے دماغ کی نس پھٹ گئی۔ اسی سے ناک وغیرہ سے خون جاری ہے۔ کپتان صاحب ضبط سے کام لیجئے۔ افسوس مجھے اس کا گمان نہ تھا ورنہ نہ بتاتا۔ مریضہ کا دل ابھی کمزور تھا کسی پر وحشت خبر کی [illegible] (پردہ)

[illegible] قدوائی

آیا

امینہ اب بڑی بے چینی سے پہلی تاریخ کا انتظار کر رہی تھی۔ کیونکہ پہلی تاریخ کو نوکری کی قید سے آزاد ہو کر وہ اپنے گھر جانے والی تھی۔ اپنے مٹی کے کچے گھر میں جو یہاں سے چار سو میل کے فاصلے پر گاؤں میں درختوں کے ایک چھوٹے سے کنج کے قریب واقع تھا۔ کچا سا مکان سامنے تالاب اور دور تک سرسبز کھیتوں کا نظارہ امینہ کے دل کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ یوں تو اس بیس سال کی مدت میں وہ ہمیشہ چھٹی لے کر گھر جاتی رہی۔ مگر وہ جانے میں جانا تھوڑی ہوتا تھا۔ پندرہ بیس دن کی چھٹی لیکر جوں توں گھر پہنچی اور پھر واپس۔ گئی تو واپسی کا فکر سر پر سوار اور رہی تو دل کام میں پڑا ہے۔ کسی سے ملنا نہ جلنا، ہنسنا نہ بولنا اور اب؟ اب تو وہ نوکری چھوڑ کر گھر جا رہی ہے۔ آرام سے گھر میں بیٹھے گی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اب اس سے نوکری ہو بھی نہیں سکتی۔ بڑھاپا آگیا۔ کمر جھک گئی۔ ہاتھ پیر کپکپانے لگے۔ یہ عمر تو آرام اور عبادت کرنے کی ہے۔ نہ کہ پیٹ کا دھندا کرنے کی۔ امینہ کی آنکھوں کے آگے آج سے بیس برس پہلے کا وہ سماں پھر گیا۔ جب وہ دو ننھے ننھے بچوں کو تڑپتا چھوڑ کر افلاس کے ہاتھوں تنگ آکر پہلی مرتبہ نوکری کے لئے اس گھر میں آئی۔ اور اس دن سے آج تک اسی چوکھٹ پر عمر تیر کر دی بیگم کی جھڑکیاں سنیں۔ بچوں کی خفگیاں اٹھائیں۔ مگر کبھی اُف تک نہ کی۔ کیونکہ اسے ان لوگوں سے محبت ہو گئی تھی۔ اس نے ان بچوں کے لئے اپنے بچوں کو بھلا دیا تھا۔ اور اب وہ بچے جوان ہو چکے تھے۔ انہیں اب امینہ کی ضرورت نہ تھی۔ اس کے اپنے بچے بھی جوان ہو چکے تھے۔ انہیں بھی اب ماں کی مدد کی ضرورت نہ تھی۔ اب ماں کو ضرورت تھی ان کی مدد کی۔

امینہ نے چاولوں کی قاب کو میز پر رکھ دیا۔ اس کی نگاہ چاولوں میں سے اٹھتی ہوئی گرم گرم بھاپ پر جم گئی اور خیالات پھر اڑنے لگے۔ آج سے بیس سال پہلے ذکیہ بیگم خود دو سال کی بچی تھیں۔ اور اب وہ ایک دو سال کی بچی کی ماں ہیں۔ مگر اب جیسے وہ بھول گئی ہیں کہ کبھی انہیں بھی امینہ کی مدد کی ضرورت تھی۔ کبھی وہ خود بھی چھوٹی سی بچی تھیں ممنی کی طرح سے اور امینہ انہیں گود میں لئے لئے پھرتی تھی مگر اب وہ بات بات پر اسے جھڑکتی ہیں۔ ڈانٹتی ہیں۔ ان کی آیا تھی تو کیا ہوا۔ تھی تو وہ نوکر۔ اور یہی حال اور سب بچوں کا تھا۔ اگر اس کے اپنے بچے اس کی جگہ ہوتے تو وہ یوں احسان فراموشی نہ کرتے۔ ممنی اسے بہت چاہتی تھی۔ مگر کیا اعتبار اس کی محبت کا۔ جب وہ بڑی ہو گی۔ برے بھلے کی تمیز آجائے گی۔ اونچ نیچ کی پہچان ہو گی۔ تو کیا اس کی محبت قائم رہے گی۔ اپنی بڈھی آیا سے محبت؟ نہیں ہرگز نہیں، آیا، آیا ہی ہے۔

امینہ کے خیالات کے سلسلے کو ذکیہ بیگم کی آواز نے توڑ دیا۔ وہ گرجتی ہوئی بولیں۔ "آیا، ابھی تک کھانا نہیں کھلایا۔ ممنی سو جائے۔ تب کیا اٹھا کر کھلاؤ گی"۔

"جاتی ہوں بیوی ..." کہتی ہوئی امینہ چلی گئی۔

آخر خدا خدا کر کے پہلی تاریخ آگئی۔ اگر ریل کے وقت سے مجبور نہ ہوتی، تو امینہ صبح ہی روانہ ہو جاتی۔ آزادی کے خیال سے اس کا دم غلامی کی فضا میں گھٹنے لگا تھا۔ وہ قفس میں بند پرند کی طرح پھڑپھڑا رہی تھی۔ اور منتظر تھی کہ کب وقت آئے اور وہ پنجرے کا دروازہ کھول کر کھلی ہوا میں سانس لے۔

اس نے اپنا سامان رکشا میں رکھا۔ اور سب سے رخصت ہونے کو گئی۔ ممنی کو پیار کرتے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ شکور چپراسی نے جو ابھی آیا تھا پوچھا۔ "آیا جی! جا رہی ہو یہاں سے"۔

امینہ نے بھرائے ہوئے گلے سے مگر فخریہ لہجہ میں کہا "شکور بھیا بڑھاپا آگیا۔ اب ہم سے کام کاج تو ہوتا نہیں خدا کی مہربانی سے کھیتی باڑی سب ہے۔ اب تو اللہ سے لو لگا لیں گے"۔

ہاں ٹھیک ہے۔" [illegible] سانس بھر کر کہا گیا
ہوا دروازے کے کھمبے سے لگا ہوا اشک بھری نظروں سے امینہ کو دیکھ رہا تھا۔ گھر کے دوسرے نوکر بھی امینہ کو اس احترام اور اشک بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ گویا وہ حج کرنے جا رہی ہے۔

امینہ کو گھر آئے مہینہ بھر گزر چکا تھا۔ وہ آئی تھی اس ارادہ سے کہ یہاں عبادت میں زندگی کے بقیہ ایام گزارے گی۔ مگر ان تیس۔ انتیس دنوں میں وہ ایک دن بھی صحیح طور پر عبادت نہ کر سکی۔ صبح جب وہ نماز کے لئے اٹھتی تو حلوا پوری والے کی آواز سن کر دروازے پر آ کھڑی ہوتی۔ اسے ایسا معلوم ہوتا کہ منّی حلوا پوری خریدنے کے لئے رو رہی ہے۔ محلّے میں کسی کا بچہ روتا تو امینہ سوتے سے جاگ پڑتی۔ جب شام کو وہ دروازے پر چارپائی ڈالے بیٹھی محلّے کی عورتوں سے باتیں کرتی۔ شہر کے قصّے سُناتی تو اسی ذکر میں منّی کا ذکر کرتے وقت اس کا گلا بھر آتا اور وہ ٹکٹکی باندھ کر کھیت کی طرف دیکھنے لگتی۔ لہلہاتے کھیتوں پر ڈوبتے ہوئے سورج کی زرد زرد کرنیں دیکھ کر اسے کوئنز پارک کا سبزہ یاد آ جاتا۔ جہاں شام کے وقت ایسی زرد زرد کرنیں لوٹا کرتی تھیں۔ اور وہ منّی کو گھاس پر کھلایا کرتی تھی۔

اسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ اگر ذکیہ بیگم بد مزاج تھیں تو اس کی لڑکی کلثوم اور اس کی بہو بھی کچھ کم بد مزاج نہیں اور پھر اسے اس بات کا پتہ بھی جلد لگ گیا کہ سب ہی بچے احسان فراموش ہوتے ہیں۔ اپنے ہوں یا پرائے۔ اور کلثوم ہو، ذکیہ ہو یا منّی۔ ۔۔ اور اس کا صرف یہ فرض ہے اور اس کی صرف یہی عبادت ہے کہ وہ انہیں پال پوس کر بڑا کرے۔

پورے دو مہینہ بعد ایک صبح کو اس کے لڑکے نے پوچھا۔

"ماں میں نے سُنا ہے کہ تم جا رہی ہو؟" "ہاں بیٹا" امینہ نے جواب دیا۔ "مگر ماں تم نے تو کہا تھا کہ اب نہیں جاؤ گی؟" "سوچ کر تو یہ ہی آئی تھی بیٹا۔" امینہ نے کہا۔ "تو ماں پھر کیوں جا رہی ہو؟" مگر امینہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکی۔ اور اسی شام کو واپس ذکیہ بیگم کے پاس اپنی پیاری منّی کے پاس چلی گئی۔

شوکت ریاض

شکوۂ تقدیر

درستی اس دلِ صد چاک کی کیا تجھ کو مشکل تھی
نگاہوں میں تری تھے سینکڑوں تار رفو پنہاں
ترستی رہ گئی ایک ایک قطرہ کو مری محفل
تری چشم کرم میں گرچہ تھے جام و سبو پنہاں
گلِ امید کی حسرت رہی میرے گلستاں کو
بہارِ لطف میں تیری تھے لاکھوں رنگ و بو پنہاں
رہی شرمندہ ساون کی جھڑی بھی چشم پُر نم سے
تھی اپنے گوشہ ہائے چشم میں وہ آبجو پنہاں
کھُلے گا ناخنِ تدبیر سے کیا عقدۂ مشکل
خود ہے زیرِ دامانِ قضائے حیلہ جو پنہاں
جلانے کو مجھے فطرت نے ظلمت زارِ گیتی میں
چراغِ زندگی کی لَو میں کی جلنے کی خو پنہاں
کیا نشو و نما کے واسطے مجبور ہستی کو
نہ تھا اس ہستیِ مجبور میں جوشِ نمو پنہاں

بیگم ڈاکٹر امیر حسن صاحب کراچی

اُداس دن

دریا کا پانی خاموشی سے بہہ رہا ہے۔ ملّاح کی کشتی نہ معلوم کہیں چلی گئی۔ سورج کی کرنیں ننھے پودوں کو مُرجھا رہی ہیں۔ میری غمگین دوست! آؤ ہم بھی اس شیشم کے درخت کے نیچے چل کر بیٹھیں۔ ہاں سکھی! میرے آگے ان دلچسپیوں کا ذکر نہ کرنا۔ اور نہ ان سفید چاندنی راتوں کا۔ جب ہم سب مل کر رنگین باتیں کیا کرتے تھے۔ جن کو سوائے اس بوڑھے درخت کے کوئی نہیں سُن سکتا تھا۔ ان بچھڑے دوستوں کی یادوں کو تڑپا دیتی ہے۔ جو ہمیں اکیلا چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلے گئے۔ جب میں سوچتی ہوں کہ پھر ہم کبھی اس دنیا میں [illegible] نہیں [illegible] میں پاگل ہو جاتی ہوں۔ پیچارا درختا سکھی! بیچارے [illegible] گیا ہے۔ آہ اس کی جوان دُلہن [illegible] گئی ہے؟

مالی کی بیٹی

(سلسلہ کے لئے جولائی ۱۹۴۳ء کا پرچہ ملاحظہ فرمائیے)

سہ پہر کا وقت تھا۔ راجکماری چائے پی کر اپنے باغیچے میں ٹہلنے کو نکل آئی تھیں۔ مغرب کی طرف سے اودی اودی گھٹائیں امڈی چلی آ رہی تھیں لیکن ابھی کوئی بوند نہیں گری تھی۔ انہیں اپنے پھاٹک میں دو موٹر کاریں داخل ہوتی نظر آئیں۔ وہ آگے بڑھیں اور آنے والوں کو وہیں باغیچے میں اتروا لیا۔ یہ آنے والے سیٹھ صاحب سیٹھانی جی۔ لو یہ مس سروجنی تھیں۔ جن پر سنہری جھلملاتے خوان پوش پڑے تھے۔ راجکماری یہ سامان دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ اور فوراً اپنے مربی ڈاکٹر صاحب کو کمرے سے بلوا بھیجا۔ وہ سب وہیں کرسیوں اور بنچوں پر بیٹھ گئے۔ خادماؤں نے وہ کشتیاں ان کے سامنے میزوں پر رکھ دیں۔ سیٹھانی جی نے راجکماری کو اپنے سینے سے لگا کر یہ کہا "پیاری بیٹی! آج تک تو میں نے تم کو اپنی بچی سروجنی کی پیاری سہیلی سمجھ کر محبت کی تھی۔ لیکن اب تم بیٹی ہو۔ گو رتبے میں تم مجھ سے بڑی ہو۔ لیکن عمر میں میں تمہاری ماں کے برابر ہوں۔ مجھ کو بیحد خوشی ہوئی۔ یہ معلوم کر کے کہ تم نے میرے غریب بچے کو اپنا بھائی بنا لیا۔ اور کل اس کے راکھی باندھی۔ یہ ہم لوگوں کی عزت افزائی ہے۔ ایشور کرے کہ میرا بچہ اس قابل ہو کہ وہ اپنی راجکماری بہن کی زندگی بھر خدمت کر سکے۔ ہندوستانی رسم کے موافق یہ چند حقیر تحفے ہم اپنی راجکماری بیٹی اور میرا لڑکا اپنی عالی رتبہ بہن کے لئے لایا ہے۔ امید ہے قبول کر کے ہمیں خوش کرو گی۔" اس کے جواب میں راجکماری نے سیٹھانی سے عرض کیا "ماتا جی میں اپنی دلی خوشی اور شکر گزاری کا اظہار لفظوں میں نہیں کر سکتی، خدا کی کیسی مہربانی ہے کہ پردیس میں اس نے مجھ کو ایک محبت کرنے والی شفیق ماں عطا کی۔ مجھ کو اپنی چند ضروریات کی وجہ سے ریاست چھوڑ کر یہاں آنا اور رہنا پڑا ہے۔ سوائے ڈاکٹر صاحب کے میرا یہاں کوئی اپنا سا نہ تھا۔ ایشور کی کرپا سے اب ماں باپ بہن بھائی سب عنایت کر دیئے آپ کے یہ محبت بھرے تحفے میرے سر آنکھوں پر ہیں۔" یہ کہہ کر راجکماری نے دونوں ہاتھ اٹھا اٹھا کر چیزیں دیکھنی شروع کیں۔

ڈاکٹر صاحب بھی ان کے ساتھ ہر ایک چیز کو دیکھ رہے تھے۔ ایک کشتی میں نہایت بیش قیمت بنارسی ساڑی کے ساتھ دھانی رنگ کا جوڑا جو سیٹھانی جی کی طرف سے دیا گیا تھا۔ دوسری میں زیورات کا ایک جڑاؤ سٹ تھا۔ ہاتھوں کی چوڑیاں، گلے کا ہار، کانوں کے آویزے اور چار انگوٹھیاں، ان سب چیزوں پر ہیرے کے نگ جگمگا رہے تھے۔ یہ سیٹھ صاحب کی طرف سے تھا۔ تیسری کشتی میں ایک سرخ رنگ کا قیمتی دوشالا رکھا تھا۔ اور ایک مخملی ڈبے میں ماتھے کا چاند جس کو ٹیکہ کہتے ہیں۔ اس پر نہایت بیش قیمت سچے موتی جڑے تھے اور چاند کے درمیان میں جو ستارہ لٹک رہا تھا۔ اس پر صرف ایک ہیرے کا ٹکڑا جڑا ہوا تھا۔ یہ دونوں چیزیں چھوٹے سیٹھ کی طرف سے تھیں۔ جب ڈاکٹر صاحب نے اس کے اوپر سے کپڑا ہٹایا تو ماں نے بیٹے سے کہا "لال جی تم خود اپنے ہاتھ سے بہن کی خدمت میں پیش کرو"۔ چنانچہ وہ اٹھے اور نہایت ادب کے ساتھ شال کو اپنے ہاتھوں پر رکھ کر راجکماری کو پیش کیا۔ وہ مسکراتی ہوئی کھڑی ہو گئیں۔

راجکماری اس وقت سترنگی ساڑی پہنے ہوئے تھیں۔ جس کے ہلکے رنگ بالکل قوس قزح سے مشابہ تھے۔ اور چوڑا بنارسی کنارا ٹکا تھا۔ وہ تحائف بھائی کے ہاتھ سے لے کر کہنے لگیں "جی چاہتا ہے کہ اس شال کو ابھی اوڑھ لوں لیکن گرمی ہے۔" یہ سن کر سیٹھانی جی نے بیٹے سے کہا "تم ٹیکا تو اسی وقت بہن کے ماتھے پر لگا دو۔ شال پھر اوڑھ لیں گی"۔ ماں کا حکم سن کر چھوٹے سیٹھ صاحب شرماتے ہوئے اٹھے اور لرزتے ہوئے ہاتھوں سے وہ چاند ان کی پیشانی پر لگا دیا۔ موتیوں کی لڑیاں بالوں میں اٹکا دیں۔ راجکماری نے جھک جھک کر سب کو سلام کیا، فوراً ڈاکٹر صاحب اندر چلے گئے چند منٹ بعد ان کے بیرے نقرئی گلاسوں میں شربت، مٹھائیاں اور آئس کریم لے کر حاضر ہوئے۔ مہمانوں کی تواضع کی گئی، ایک گھنٹہ بعد سیٹھ صاحب اور ان کی بیوی یہاں سے ایک اور جگہ جانے کو روانہ ہو گئے۔ مگر دونوں بہن بھائی بیٹھے رہے [illegible]

پھواریں پڑنے لگیں۔ ڈاکٹر نے باجا اور زیورات خود اٹھائے۔ اور
نوکروں نے اور سامان سمیٹا۔ اور راجکماری صاحبہ نے وہ سُرخ
دوشالہ اٹھا کر لپیٹ لیا۔ اور پھر جلدی سے یہ کہتی بھاگیں: "ارے
میری شال خراب ہو جائے گی۔" دونوں بہن بھائی ہنستے ہوئے
ان کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ سروجنی نے کہا "دیکھا بھیا آپ
کی شال نرملا بہن نے اسی وقت اوڑھ لی کتنی قدردان شہزادی
ہے۔ ہم بہنوں سے رشتہ گانٹھا ہے۔ بھیا آپ کو وہ دن یاد ہے
جب آپ نے مجھ سے کہہ کر اس مالی کی بیٹی کو نئے کپڑے دلوائے
تھے۔ کیونکہ وہ پھٹے پرانے پہنے تھی۔ آج اُسی مالن کو یہ تحائف
پیش کئے گئے ہیں۔ دنیا کے بھی کیا کیا رنگ ہیں۔" بھائی خاموش
سنتا رہا۔ سروجنی کو کچھ جواب نہ دیا۔ چاروں ڈرائنگ روم میں آ
بیٹھے۔ دریچوں سے تیز ہوا کمرے میں آ رہی تھی۔ برقی قمقمے روشن تھے
ڈاکٹر نے پنکھے بند کر دیئے تو راجکماری بولیں "یہ کیا کیا ڈاکٹر
صاحب؟ پنکھے کیوں بند کر دیئے! خوب سردی ہونے دیں کہ میں
شال اوڑھے رہوں۔ ورنہ لوگ دیوانی کہیں گے؟" اس پر
دونوں بہن بھائی اور ڈاکٹر ہنسنے لگے وہ ابھی تک شال لپیٹے ہوئے
تھیں اور ماتھے پر چاند چمک رہا تھا۔ بالکل دلہن معلوم ہو رہی تھیں
دوسرے کمرے سے دھیمے سروں پر کسی کے گانے کی آواز آ رہی تھی
تینوں تو بہت خوش تھے۔ مگر چھوٹے سیٹھ کچھ خاموش اور فکرمند
سے معلوم ہو رہے تھے۔ سروجنی نے راجکماری سے کہا "یہ گانے
کی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ اتنے قریب تو کوئی اور کوٹھی بھی نہیں"
ڈاکٹر نے جواب دیا "اسی کوٹھی میں راجکمار کیلاش صاحب شاید
ہارمونیم پر کچھ گا رہے ہیں۔ آپ سننا چاہیں تو ان کو یہاں بلوا لیا
جائے۔" راجکماری نے کہا "ہاں وہ میرے استاد کیلاش ہیں
میں ان سے وائلن سیکھ رہی ہوں۔ آپ کی ضرور ان سے ملاقات
کرائی جائے گی۔ ڈاکٹر صاحب جایئے ان کو یہیں لے آیئے۔"
سروجنی نے ایک غیر شخص کے آنے کی خبر سن کر اپنی ساڑی کا
آنچل درست کیا۔ اور ذرا ٹھیک ہو کر بیٹھ گئیں۔ لیکن چھوٹے
سیٹھ صاحب ان کی آمد سے کچھ زیادہ ہی پریشان نظر آنے لگے
راجکماری بار بار ان کے چہرہ کے اتار چڑھاؤ کا اندازہ کر رہی
تھی۔ اس نے وہ شال اتار کر ایک کرسی پر رکھ دی لیکن تکیہ
اسی طرح گا رہا۔ دائیں جانب کا دروازہ کھلا اور قیمتی سوٹ
میں ایک خوبصورت، دراز قد نوجوان ڈرائنگ روم میں داخل
ہوا۔ جس کے وجیہہ چہرے سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی کسی
ریاست کا راجکمار ہے۔ سروجنی نے تو ایک نظر دیکھ نگاہیں
نیچی کر لیں۔ اور چھوٹے سیٹھ افسردہ چہرے سے کھڑے ہو گئے
ڈاکٹر نے تعارف کرایا "آپ ریاست سنجولی کے راجکمار
کیلاش صاحب ہیں۔ یہاں یونیورسٹی میں شوقیہ قانون پڑھ
رہے ہیں۔" اور ان کو بتایا کہ "یہ سیٹھ صاحب یہاں کے
ملک التجار - - سیٹھ صاحب کے صاحبزادے
ہیں۔ یہ مس سروجنی صاحبہ ان کی ہمشیرہ ہیں۔ سال گذشتہ
انہوں نے اسی یونیورسٹی سے بی اے پاس کیا ہے۔" پھر
دونوں بیٹھ گئے۔ سروجنی نے کچھ باتیں کیں۔ لیکن بھائی پر عجیب
خاموشی طاری تھی۔ کبھی نگاہ اٹھا کر اپنی نئی بہن راجکماری کی
طرف دیکھ لیتے تھے۔ اور کبھی اس راجکمار کیلاش کو۔

کیلاش صاحب بہت ہی خوبصورت نوجوان تھے سرخ
سفید رنگ سے ان کی تندرستی ظاہر تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے
سب کو سگار، سگرٹ پیش کئے۔ راجکماری صاحبہ نے ان کے
وائلن بجانے کی تعریف کی۔ تو سروجنی کی فرمائش سے وائلن
منگایا گیا۔ کیلاش صاحب نے سنایا۔ مگر چھوٹے سیٹھ
مبہوت سے بیٹھے تھے۔

موسم بہت خوشگوار ہو گیا تھا۔ مگر بہت سرد ہو رہا تھا۔
ہر طرف سے ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ کیلاش صاحب
نے اس وقت کافی کے لئے کہا۔ راجکماری دیکھ رہی تھیں۔
کہ سب ہی خوش ہیں۔ مگر ان کا بھائی سیٹھ افسردہ خاطر نظر
آ رہا ہے۔ کافی کے بعد دونوں بہن بھائی اٹھے۔ راجکماری نے
ہر چند چاہا اور اصرار کیا کہ کھانا کھا کر جائیں مگر وہ نہ مانے اور بارش
کا عذر کر کے روانہ ہو گئے۔ (باقی آئندہ)

نذر سجاد حیدر

صدائے گل

زینتِ شاخِ شجر تھا، پھول کہلاتا تھا میں — بھونرے بلبل تتلیوں سے کھیلتا رہتا تھا میں

دھوم دو شش ہوا پہ پینگ لیتا رہتا تھا — کھیتوں کا چیونٹیوں کا ایک گہوارہ تھا میں

مجھ سے کہتی رہتی تھی، افسانۂ دورِ دراز — کان دھر کر داستانیں بادِ صبا سنتا تھا میں

دھوپ کی اٹکھیلیاں تھیں گاہ سائے کا شکوہ — آسماں کا یہ تلون دیکھ کر ہنستا تھا میں

آبِ باراں کا جو ہو جاتا کبھی مجھ پر فشار — فیضِ رحمت جان کر اس میں نہا لیتا تھا میں

رات آجاتی تو آنکھیں چاند سے کرتا تھا چار — دولتِ شبنم سے مالا مال ہو جاتا تھا میں

الغرض دن رات تھا عیش و خوشی کا سامنا — شکرِ خالق ہر گھڑی دل سے بجا لاتا تھا میں

ہائے کس ظالم کی مجھ کو لگ گئی ایسی نظر

آشیانہ اپنا اجڑا ہو گیا میں در بدر

شیفتہ بن کر کوئی آیا مرے گلزار میں — مہر کی چادر اڑھا کر لے چلا بازار میں

ڈرتے ڈرتے مجھ کو چھوتا لے گیا گھر شان سے — قدر میری بڑھ کے دکھلائی ہر اک مہمان سے

وہ جگہ اپنے صنم کی رات بھر رکھا مجھے — شوق تو نے ٹیک میں پھر دمبدم چوما مجھے

مجھ سے ساری رات وہ الفت کا دم بھرتا رہا — نیند صدقے کر کے مجھ پر تعلق تو لیتا رہا

تھا میں نازک سانس کی گرمی ہی بس کملا گیا — حسن تو جاتا رہا، تازہ بدن مرجھا گیا

بگڑی حالت دیکھ کر کافور الفت ہو گئی — وہ محبت رات بھر میں ایک عداوت ہو گئی

ڈھیر میں کوڑے کے اس نے ہائے لا ڈالا مجھے — میری جھاڑی تک بھی ظالم نے نہ پہنچایا مجھے

وقتِ رخصت اِک نصیحت کان میں یہ ڈال دی

رنگ و بوئے عارضی کا حال ہوتا ہے یہی

عزیز النبی خاں عزیزؔ آسام

تنقید

بحوالہ عصمت اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ۹۴۔ "کمرِ صاحب نظر اصحاب دیکھ رہے تھے" پر اعتراض کیا گیا ہے کہ جب "صاحب" کا لفظ موجود تھا تو پھر "اصحاب" کی کیا ضرورت تھی۔ یوں کہتے "صاحبِ نظر دیکھ رہے تھے"۔ بے شک اس طرح کہہ سکتے تھے۔ لیکن پہلا فقرہ بھی غلط نہیں ہے۔ اس لئے کہ "صاحب" اور "اصحاب" الگ الگ محل کے لئے آتے ہیں۔ آبِ زمزم کے پانی کی شکل نہیں ہے کہ آب اور پانی ایک ہی چیز اور ایک ہی محل کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ "صاحبِ نظر" میں صاحب کا مفہوم شخص و اشخاص نہیں بلکہ مالک ہے یعنی "نظر والے" اور "اصحاب" کا لفظ اشخاص احباب، حضرات کے لئے آیا ہے مطلب ہے "نظر والے لوگ"۔ اگر "صاحب دل آدمی"، "صاحبِ کمال اشخاص" صحیح ہیں تو "صاحبِ نظر اصحاب" پر بھی اعتراض کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

(۱) آبِ زمزم کا پانی (۲) شبِ تاریک کا اندھیرا (۳) روزِ روشن کا اُجالا۔

ان میں سے پہلا فقرہ غلط ہے، باقی دونوں صحیح ہیں کسی صفت والی شئے کے وصف کو اس طرح ظاہر کرنا جیسے ان دو فقروں میں ہے جائز ہے بلکہ کبھی زور دینے کے لئے ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح "مہرِ درخشاں کی چمک"، "برقِ تپاں کی تڑپ" صحیح ہیں بات یہ ہے کہ پہلے فقرہ میں آب اور پانی ایک چیز کے دو نام اور از روئے قواعد ایک نوع کے الفاظ یعنی اسم ہیں۔ لیکن باقی دونوں فقروں میں تاریک اور روشن صفت ہیں۔ اور اندھیرا اور اُجالا اسم۔ آب اور پانی کی طرح مترادف نہیں ہیں مگر "شب کی تاریکی کا اندھیرا" اور "دن کی روشنی کا اُجالا" ہوتا تو غلط ہو جاتا۔

"اپنی خودداری کے خلاف ہے" پر بھی اعتراض ہے کہ "خود" کے معنی ہی "اپنے" ہیں۔ پھر "اپنی" کیا معنی "خودداری" کے مفہوم میں "اپنے" کے معنی شامل ہیں لیکن یہ لفظ ایک اصطلاح بن گیا ہے۔ "عزتِ نفس" "رکھ رکھاؤ" کے لئے جب ان الفاظ کے ساتھ "اپنی" کا لفظ آسکتا ہے، تو خودداری کے ساتھ بھی آسکتا ہے۔ ورنہ "اپنی خودی"، "اپنی بیخودی"، "اپنی خود فراموشی" بھی غلط کہے جا سکتے ہیں حالانکہ سب صحیح و درست اور مشہور و مستعمل ہیں۔

[illegible]

[illegible]

پڑھے لکھوں کی جہالت

ہمارے ایک ناچیز مضمون کے مداحوں میں ط کو ہمارا ادبی معتقد کہنا چاہیئے۔ یوں تو ہمارا ہر مضمون ان کی رائے میں اُردو ادب کا جواہر پارہ ہوتا ہے، لیکن جس افسانہ کو انہوں نے ہمارا شاہکار بتایا تھا۔ اشاعت کے آٹھ سال بعد جو ہم نے اس پر نظرِ ثانی کی تو معلوم ہوا کہ ہم بھی اچھے خاصے جاہلوں میں سے ہیں۔ چار فقرے یہ تھے۔

(۱) اس واقعہ کو مشکل سے دو مہینے گذرے تھے کہ وہ کمشنر اور چھ ماہ بعد کلکٹر ہو گیا۔

(۲) بچی نے نوٹ جیب میں رکھ لیا۔ اور کہا "بہت بہت شکریہ"

(۳) ف ــــ جو دل میں سما رہی اور آنکھوں میں بس رہی تھی۔

(۴) بہت افسوس ہوا آپ کی بہن کو دیکھ کر چھپکلی کی طرح ہو رہی ہیں

اب ان فقروں کو دیکھ کر ہماری آنکھوں میں تو آنسو نہیں آئے مگر دل پر سخت چوٹ لگی۔ اور بہت غصہ آتا رہا اُن "دوستوں" پر جنہوں نے جھوٹی تعریفیں کر کر کے ہمارا دماغ خراب کر دیا تھا۔

(۱) کمشنر کا عہدہ کلکٹر کے عہدہ سے بڑا ہے۔ مگر ہم نے لکھی تھی الٹی بات۔ یعنی وہ پہلے کمشنر تھا۔ اس کے بعد ترقی کر کے کلکٹر ہوا مگر یہ تو ترقی نہیں، تنزل ہے۔ اور یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کہا جائے کہ "بیٹا باپ سے بھی بڑھ گیا۔ وہ اب کپتان ہے کپتان اس کا باپ تو محض کرنل تھا۔" صحیح بات یہ ہوتی کہ وہ کلکٹر سے کمشنر ہو گیا۔ مگر پانچ سات سال بعد تو یہ ترقی سمجھ میں آ بھی سکتی تھی، چار چھ ماہ بعد تو کلرک کو بھی ہیڈ کلرک نہیں بنایا جاتا۔

(۲) شکریہ ترجمہ ہے انگریزی لفظ "تھینکس" کا۔ بچی انگریزی زبان سے ناواقف، انگریزی تہذیب سے کوسوں دور، ٹھیٹ ہندوستانی تھیں۔ اور ہندوستانی تہذیب یہ ہے کہ اگر بڑا کوئی چیز چھوٹے کو دے تو چھوٹا سلام کرتا ہے، اور کہتا ہے۔ "آداب عرض" اور اگر چھوٹا بڑے کی خدمت میں کچھ پیش کرے تو بڑا چھوٹے کو دعا دیتا ہے ــ ہندوستانی بچی مگر اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتیں، جب بھی ان کا "بہت بہت شکریہ" کہنا مشرقی تہذیب کے خلاف ہے۔ انہیں کہنا چاہیئے تھا۔ "جیتی رہو بیٹی" یا "بوڑھ سہاگن سپوتے جیئیں" یا "خدا تمہیں خوش رکھے۔"

بچی نے بٹوہ میں سے اکنی نکال کر بچہ کو دی تھی۔ اس سے شبہ ہوا کہ وہ روپیہ پیسہ بٹوہ میں رکھتی تھیں نہ کہ جیب میں۔

(۳) صحیح محاورہ ہے دل میں بسنا۔ آنکھوں میں سمانا۔

(۴) جس کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہیں اُسے نہایت مہذب۔ شائستہ اور دردمند خاتون بتایا گیا ہے۔ مگر وہ اپنی ایک سہیلی کی بہن کو تشبیہ دیتی ہے چھپکلی سے۔ اور یہ ہوئی بدتمیزی بدتہذیبی اور دل آزاری۔ اگر یہی جتانا تھا کہ زردی کمزوری ہے تو چھپکلی کی تشبیہ سے بہتر تو یہی الفاظ تھے "بچاری ہلدی کی طرح زرد ہو رہی ہیں۔"

ہم نے کہا "بہن جب نئی تقریب میں جانا ہو تو۔ ۔ ۔ "

فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ ہماری سہیلی نے دریافت کیا۔

"اور اگر پرانی تقریب میں جانا ہو تو ؟"

ڈ نے "پرَخچے" (پرَ خ چے) اُڑ گئے کو "پرَ خچے اُڑ گئے" کہا تو ہم نے ان کی کتابی زبان کی ہنسی اڑائی مگر تھوڑی دیر بعد جب ہم نے "اَن گِن ت" کو "ان گی نَت" کہا تو انہیں ہماری جہالت پر ہنسنے کا موقع مل گیا۔

ہماری ایک تقریر کی سب نے تعریف کی سوائے ج کے ان سے ہم نے پوچھا "تمہیں تقریر شاید پسند نہیں آئی ؟" انہوں نے جواب دیا۔ "تقریر تو واقعی جوشیلی تھی مگر تم نے اپنی جہالت کا [illegible] ثبوت دیدیا۔ فریق واحد۔ فریقین جمع۔ فریقین [illegible] زیادہ فریق۔ اس لئے "دونوں فریقین [illegible] نہیں؟ اور اس جملہ کے کیا معنی ہوئے [illegible]"

خانہ داری

(جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے)

جلد کی صفائی

ہر زمانہ میں عورتیں جلد نکھارنے کے مختلف طریقے اختیار کرتی رہی ہیں، تاریخ کی مشہور حسین ملکائیں کسی نہ کسی طرح اپنے جسم کو خوبصورتی کے سانچوں میں ڈھالتی تھیں کوئی تیلوں میں غسل کرتی تھی کوئی غازہ استعمال کرتی، ہم لوگوں کو ان کے طریقے مضحکہ خیز معلوم ہوتے ہوں مگر ان کی بنیاد درست تھی، اسی لکیر کو ہم پیٹ رہے ہیں، فرق صرف اس قدر ہے کہ آج کل کی صاف کرنے والی کریمیں اس زمانہ کے مصالحہ دار تیلوں کا صاف ستھرا نفیس بدل ہے ورنہ بات ایک ہی ہے۔ ہلکا تیل ہمیشہ بھاری تیل کو حل کر دیتا ہے، ہلکی صاف کرنے والی کریم بھاری چربیوں کو جن سے مسام اٹ جاتے ہیں تحلیل کر دیتی ہے کسی عمدہ کریم کو ایسا ہی ہونا چاہیئے یعنی ہلکا۔

جب جلد سردی میں ٹھٹھری ہوئی ہو یا گرمی سے جھلس رہی ہو۔ جب چہرہ خشک ہو کے کھنچا کھنچا معلوم ہوتا ہو تو صاف کرنے والی کریم برکت ثابت ہوتی ہے، اس کی کلھیا میں انگلیاں ڈبوئیں، اور اس کی ٹکلیں چہرہ اور گردن پہ ہلکے ہلکے پھیلا دیں، جلد میں ملنے کی ضرورت نہیں، انگلیوں کے نیچے سے چاروں طرف یہ خود بہہ کر پھیل جائیں گی اور ہر باریک سے باریک تہ اور نشیب میں آسانی سے راستہ بنا کے اپنا کام شروع کر دے گی، جب آپ اسے پونچھیں گے تو میل پھیل اس کے ساتھ ساتھ نکلا چلا آئے گا تیل کریم کو بالکل صاف کر دیتا ہے، اس کے علاوہ جلد کو چکنا کر کے اسے ملائم بھی کر دیتا ہے زیتون کا تیل بہترین چیز ہے، صاف کرنے کے معاملہ میں کوئی تیل اس کا مقابلہ نہیں کرتا۔ کولڈ کریم بھی جس میں موم اور ویسلین کا تیل ملا ہوا اچھی ہے۔

آنکھوں کے [illegible] کی طرح ہماری جلد کی بیرونی سطح [illegible] دار ہے [illegible] ہوئی ملائم اور چکنی رکھنے کے [illegible]

دور کر دیا جائے۔

صفائی کا دوسرا طریقہ

دوسری تدبیر صفائی کی یہ ہے کہ مائع صاف کرنے والا مرکب استعمال کیا جائے اس میں ملائم کرنے والے اجزا کے ساتھ تحلیل کرنے والی اشیا بھی شامل ہیں جیسے ایک کمل، یہ میل کچیل یہ جو تیل کو کام کرنے نہیں دیتے اثر ڈال کے اسے باہر نکال ڈالتی ہے، اس قسم کے مرکب جلد کو تازہ دینے کی خوبی بھی رکھتے ہیں۔ یہ چکنی جلد پر آگئے مفید ثابت ہوتے ہیں۔ یہ زہریلے مادوں کو دور کرتے ہیں اور مساموں کی سستی کو اور مہاسوں کو دور کرنے میں جادو کا اثر رکھتے ہیں جب آپ کی جلد ڈھیلی ہو کے جھری دار ہونے کی طرف مائل کرے، مائع صاف کرنے والے مرکب سے جلد کو صاف کرنا ایسا معلوم ہوگا۔ گویا ٹھنڈی پھوار کا لطف آ رہا ہے۔

جذب کرنے والی روئی کے پھائے پر اس مائع مرکب کو ڈال کے روئی کو گیلا کر لیں اور اس سے چہرہ خوب پونچھ ڈالیں نتھنوں کے پہلو اور ٹھوری کے آگے کی طرف خاص توجہ دیں کیونکہ ان مقامات پر مسام بکثرت ہوتے ہیں اور وہ دیگر مقامات کے مساموں کے مقابلہ میں سرگرم اور مصروف کار بہت ہوتے ہیں۔ اب روئی کو پلٹ لیں اور تازہ حصہ سے چہرہ پونچھنا شروع کر دیں، مائع مرکب اور لگا کے اس عمل کی تکرار کریں، حتےٰ کہ روئی پونچھنے کے بعد صاف ستھری رہنے لگے اس کے بعد ہتھیلیوں سے گہرے ہاتھوں کا رخ اوپر کی طرف رکھتے ہوئے جلد کی مالش کریں۔

ان عملوں پر آج ہی سے عمل شروع کر دیں، یہ چہرہ کا نیا دور [illegible] مہینہ بھر تک یہ عمل جاری رکھیں، پھر دیکھیں کہ کیا ظہور پذیر [illegible] نتائج دیکھ کے آپ اس قدر خوش ہوں گی کہ یہ عمل سا[illegible] رکھیں گی۔ خوب صاف شدہ اور ستھری ہوئی جلد [illegible] طریقوں سے ظاہر کرے گی [illegible]

یہ شخص غالباً بہت حساس ہوگا۔ دوسروں کی رائے پر چلنے کے بجائے وہ تصورات اور تخیلات کا بندہ ہوگا۔ ایسے بچہ کو نرمی سے حقیقت سے دوچار کرانا چاہیئے تاکہ وہ کچھ ذمہ داری لے سکے اور اپنی کچھ رائے قائم کرکے اس پر جما رہے، ایسے بچہ سے احتیاط سے پیش آنا چاہیئے یہ عام طور پر قابلِ محبت ہوتا ہے اور ہمدردانہ نعمت کو قبول کرلیتا ہے۔

چوتھی شکل کا ہاتھ پھاوڑہ جیسا ہے ہتھیلی بے قاعدہ اور ٹیڑھی ترچھی ہے۔ اسی وجہ سے اس کا یہ نام پڑا۔ ایسے بچہ کا دماغ بیزاری اور بے چینی ظاہر کرتا ہے، وہ نئی چیز کے دریافت کرنے کے لئے بیتاب رہتا ہے۔ موجد، سائنس دان، انجنیر اکثر ایسے ہی ہاتھ والے ہوتے ہیں جس بچہ کا شوق کلوں اور مشنری کی طرف ہو اس کا ہاتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

اگر آپ کے بچہ کا ہاتھ نمبر ۵ جیسا ہو تو اس کی بدنمائی پر رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ یہ فیلسوفی ہاتھ ہے۔ یہ ہاتھ بچپن میں پورا پورا صاف نظر نہیں آیا کرتا ہے۔ کیونکہ اس عمر کا گوشت ہڈیوں کی اصلی شکل کو پوشیدہ رکھے گا لیکن بیس سال سے کہیں پہلے اصلی صورت نمودار ہوجایا کرتی ہے ایسا بچہ بڑا پڑھو ہوتا ہے۔ وہ ہر اُس عنوان کے متعلق جس سے اُسے دلچسپی ہو معلومات حاصل کرے گا۔ کیوں اور کس طرح ہوا اسے معلوم کرے گا۔ دوسروں کی طیار رائے کے بجائے اپنی رائے علیحدہ قائم کرے گا۔ گانٹھ دار جوڑ چھوٹے چھوٹے معاملات میں سخت محنت و احتیاط کے مظہر ہیں اور اس کا دل و دماغ جذبات کی بجائے دلائل کا تابع ہوگا۔

پانچویں شکل کی طرح اگر انگوٹھا ہتھیلی سے قریب ہو تو اسے روپیہ پیسہ کی قدر ہوگی اور ہر پیشہ میں وہ اپنی لیاقت سے چوٹی پر پہنچ جائے گا ہتھیلی اور انگوٹھے میں فاصلہ زیادہ ہو تو اصلی فیلسوف ظاہر ہوتا ہے اپنے فائدے کی بجائے بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے کام کرے گا۔

اگر آپ کے بچہ کا ہاتھ ان پانچ شکلوں میں سے کسی سے نہ ملے تو فکر نہ کریں، بہت سے آدمیوں کے ہاتھ مخلوط ہوتے ہیں۔ جیسے شکل نمبر ۴ ہے۔ شاید ہتھیلی چوڑی ہے لیکن انگلیاں لمبی اور پتلی ہیں یا انگلیاں مختلف ہیں۔ بعض کے جوڑ صاف بعض کے گانٹھ دار بعض کی نوکیلی انگلیاں، بعض کی پھاوڑہ نما۔ یہ طرز تلون ظاہر کرتا ہے، ایک سے زیادہ طریقے سے کسب معاش کرے گا۔ ڈر صرف اتنا ہے کہ کہیں ڈانواڈول نہ پھرے کبھی اس کام پر کبھی اس کام پر لیکن ہم اس کا رجحان طبع دریافت کرکے اس کی روک تھام کرسکتے ہیں۔

مداری کے جادو

ہمارے ملک میں سڑکوں کے کنارے مداری بانسری بجا بجا کر لوگوں کو اکٹھا کرلیتے ہیں مجمع میں گھوم گھوم کے وہ بعض عجیب عجیب شعبدے دکھایا کرتے ہیں۔ جن کو دیکھ کے یورپ کے بڑے بڑے تماشہ گر حیران ہوا کرتے اور بہت سے یہاں عرصہ تک رہ کے یہ شعبدے اُن سے سیکھ گئے اور مغرب میں جاکے انہوں نے ان سے ہزاروں لاکھوں روپئے کما ڈالے۔ ہندوستان کے مداری بچارے تماشہ کے خاتمہ پر تماشائیوں سے صرف چند آنے لینے میں کامیاب ہوا کرتے ہیں۔ یہ مداری زمین سے آم کا پودا پیدا کردیتے ہیں۔ وہ ایک آم کی گٹھلی سے جو اُن کے پاس ہوتی ہے آم کا پودا نکال دیتا ہے، آپ اسے اپنی مٹی دے سکتے ہیں اور اپنا گملا دے کے اس میں سے پودا نکلوا سکتے ہیں، چنانچہ وہ گٹھلی مٹی میں دبا دیتا ہے اور اس میں پانی ڈال کے اُسے تر کردیتا ہے اس پر کپڑا ڈھانک دیتا ہے بانسری بجاتا ہے اور لوگوں کو سنانے کے لئے کچھ بے معنی سے الفاظ منتر کے طور پر پڑھتا ہے ذرا ذرا دیر کے بعد کپڑا سرکا سرکا کے دکھاتا رہتا ہے کہ اب گٹھلی پھوٹی اب اس میں سے شاخیں نمودار ہوئیں آخر میں اچھا خاصہ اونچا پودا دکھاتا ہے جس میں آم لگے ہوتے ہیں، ایک مشہور ہندو شعبدہ وہ تھا جس کا ذکر جہانگیر نے اپنے تذکرہ میں کیا ہے کہ ایک لڑکا رسی پر چڑھ گیا جو آسمان کی طرف سیدھی کھڑی معلوم ہوتی تھی، وہ لڑکا غائب ہوگیا، ہوا میں سے اس کے بدن کے ٹکڑے کٹ کٹ کے گرے جنہیں بعد میں ایک جگہ کرکے جلا دیا گیا اور اس کی بیوی بھی ساتھ ہی جل گئی۔ بعد میں وہ لڑکا رسی سے اتر کر نیچے آیا اور بادشاہ سے پوچھا کہ میری بیوی کہاں ہے درباریوں نے سارا حال سنایا مگر اس نے یہی کہا کہ بادشاہ نے اُسے چھپا لیا ہے چنانچہ تلاش کرنے پر بادشاہ کے تخت کے نیچے سے وہ عورت زندہ نکلی ایورپ آجتک اس کو نظر بندی قرار دیتا ہے اور ہر ایک تمنا کرتا ہے کہ یہ شعبدہ وہ بھی دیکھ سکے یہاں فقیر میں آپ کو گھنٹوں کے لئے دفن کرادیتے ہیں بعد میں وہ زندہ برآمد برآمد ہوجاتے ہیں۔ دو صندوق زمین سے بہت اونچے لٹکائے جاتے ہیں سب جا جا کے دیکھتے ہیں کہ دونوں خالی ہیں ڈھکنے بند کردیئے جاتے ہیں تماشا گر تالی بجاتا ہے ایک میں ایک لڑکی موجود ہوتی ہے۔ تماشائی دیکھتے ہیں ڈھکنا پھر بند کردیا [illegible] تالی بجاتا ہے لڑکی

حضرت علامہ راشد الخیریؒ کی مشہور تصانیف

آفتابِ دمشق خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ کا اسلام تسخیر شام کے لئے مسلمانوں کی جانبازی شجاعت ایثار اور قربانیوں کے حیرت انگیز واقعات۔ اسلام اور نصرانیت کے معرکے ہلال وصلیب کا مقابلہ تاریخی واقعات کے ساتھ حسن وعشق کی دلآویز مگر دردناک داستان بھی ہے حضرت مصورِ غم مرحوم کا بہت مشہور تاریخی ناول ہے جس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے، اور ایک ایک زبان میں کئی کئی ترجمے شائع ہوئے ہیں قیمت ۱۲/-

تربیتِ نسواں جس کا دوسرا نام "سمرنا کا چاند" ہے۔ دو حقیقی بہنوں کی زندگی کے سبق آموز حالات جن میں ایک محض تربیت کی وجہ سے عالم انسانیت کے لئے باعثِ فخر ہے اور دوسری جس کی تربیت کی طرف سے غفلت برتی ہے۔ ناشاد و نامراد دنیا سے رخصت ہوتی ہے بہت ہی دلچسپ نتیجہ خیز متوثر واقعات ہیں۔ یہ کتاب اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں بہترین اصلاحی ناولوں میں سے ہے۔ قیمت ۷/-

یاسمینِ شام امیر المومنین فاروق اعظم حضرت عمرؓ کے زمانے کی اسلامی لڑائیاں ہلال وصلیب اسلام و عیسائیت کے معرکے تسخیر اردن، میدان حمص بعلبک۔ ارستان حلب انطاکیہ بیت المقدس اور یرموک کے لئے مجاہدین اسلام کی سرفروشانہ قربانیاں، جنگ یرموک وہ اسلامی جنگ تھی جس میں ۴۶ ہزار مسلمانوں نے عیسائیوں کی متفقہ طاقت یعنی ۳ لاکھ کے لشکر عظیم پر فتح پائی جس میں مسلمان عورتیں اس طرح لڑیں کہ دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ، خالد بن ولید اور شرجیل کی تعریں مسلمانوں کے جوش ایمانی، جرأت جانبازی اور ایثار کے دل ہلا دینے والے مناظر یاسمین شام ہی میں نظر آئیں گے محبت کا دلآویز افسانہ سنگدل باپ، خدا ترس ماں اور مظلوم بچی کی دلخراش داستان بھی جیتے عالم میں ... دلنشین [illegible] شام کے ساتھ شائع ہوئی ہے قیمت [illegible]

مشہور مصنفین کی بہترین کتابیں

روحانی شادی یہ اصلاحی ڈرامہ ملک کے مشہور افسانہ نگار جناب منشی پریم چند صاحب بی اے نے عصمت کے لئے لکھا تھا عصمت میں شائع ہو کر خوب مقبول ہوا اب کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے۔ پلاٹ۔ مکالمہ کیرکٹر ہر اعتبار سے کامیاب ہے اور نتیجہ خیز سبق آموز ہے دلچسپ اور دل آویز ہے۔ عبرتناک اور کافی تفریحی مذاحیہ بھی۔ اصلاح معاشرت پر اتنے موثر اور بلند پایہ مختصر ڈرامے بہت کم نکلیں گے قیمت ۱۰/-

ہنسی کی باتیں عامیانہ اور بازاری لطیفے نہیں جو پھکڑپن سے بھرے ہوتے ہیں۔ یہ کتاب ہندوستانی گھرانوں کی محترم خواتین کے نئے طبع زاد مہذب لطیفے ہیں جنہیں پڑھ کر سنجیدہ انسان بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے لطف یہ کہ وقار تہذیب سے گرا ہوا کوئی لطیفہ نہیں۔ مہذب ظرافت کی یہ بہترین کتاب ہے۔ جو عورتوں مردوں بڑوں اور بچوں سب کو پسند ہے۔ از محترمہ آمنہ نازلی ادیب فاضل بار سوم۔ قیمت ۸/-

فیروزہ ایک دولتمند مگر یتیم و لیسیر لڑکی کا افسانۂ غم شرافت اور انسانیت کی دل ہلا دینے والی قربانیاں، جن سے معلوم ہوگا کہ کس وجہ سے ایک شریف عورت اپنے شوہر کو ایک دوسری عورت کے حوالہ کر دیتی ہے۔ لالچ، بے ایمانی، ہنگامی جذبات کے قابل نفرین مرقعے، احسان فراموشی، محسن کشی کے کمینے حملے۔ اور استقامت و استقلال، دور اندیشی کی فتح ایک سبق آموز افسانہ ہے۔ جو بتائے گا کہ بڑی بڑی مشکلات کا مقابلہ کرنے پر بھی عورت اعلیٰ تعلیم سلیقہ شعاری اور معاملہ فہمی کی بدولت زندگی خوشگوار بنا اور قومی خدمت انجام دے سکتی ہے۔ عصمت کی مشہور مضمون نگار محترمہ جمیلہ بیگم صاحبہ کلکتہ کی تصنیف ہے قیمت ۱۲/-

بزمِ عصمت

(۱) بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں خریداری نمبر کا حوالہ ہو (۲) عبارت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو۔ جس کے جواب عصمت میں پہلے شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔ (ایڈیٹر)

عصمتی بہنوں کو یہ معلوم ہو کر خوشی ہو گی کہ میری بھاوج بیگم اخلاق الرحمٰن صاحب مسلسل تین ماہ کی طویل علالت کے بعد اب صحت یاب ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو ہر آفت سے محفوظ رکھے۔ ہمیشہ خوش اور آباد رہیں۔ (آمین)

اس خوشی میں مبلغ پانچ روپیہ کی حقیر رقم برائے نادار فنڈ روانہ کرتی ہوں۔ حبیبہ خاتون

بڑا گاؤں۔ ضلع بارہ بنکی (یوپی)

بہن آمنہ خاتون نے اپنی دوست کے لئے مرض برص کی دوا کے لئے تحریر فرمایا ہے۔ میرے بھائی جان کو بھی یہ موذی مرض ہو گیا تھا۔ اور اب خدا کے فضل و کرم سے اس موذی سے نجات ہو گئی ہے۔ لہٰذا ان کو مطلع کرتی ہوں کہ چار آنے کے ٹکٹ برائے خرچ پارسل بھیج کر ساجد اینڈ کمپنی پٹہ ا فی کھنڈ سال رامپور اسٹیٹ یوپی سے مفت طلب فرمائیں۔ ایک ہفتہ کے استعمال کی دوا وہ مفت دیتے ہیں۔ آئندہ فائدہ ہونے پر وی پی طلب کریں۔ قیمت ان سے ہی معلوم کر لیں۔ کیونکہ اب سے ایک سال پہلے انہوں نے دو روپیہ تولہ کے حساب سے دوا دی تھی۔ اب کا علم نہیں۔ مفصل ہدایات ان کے خط سے معلوم ہو جائیں گی۔ جو کہ دوا کے ہمراہ روانہ کریں گے۔ (ایک ہمدرد بہن)

میری رشتہ دار لڑکی قریب نو سال ہوئے جل گئی تھیں چہرہ اور سر کے بال جلے تھے۔ جب سے ان کے بال بڑھنے بند ہو گئے ہیں۔ بہت چھوٹے اور کم ہیں۔ اور جب ہی سے دل گھبرانے اور ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے کی بھی شکایت ہے جو دو تین مہینے کے وقفہ کے بعد دس پندرہ روز کے لئے ہو جاتی ہو

مہربانی کر کے کوئی عصمتی بہن یا بھائی کوئی آزمودہ نسخہ بذریعہ عصمت تحریر فرمائیں مشکور ہوں گی۔ (نمبر خریداری ۱۵۷۲۹)

مولوی محمد ظفر صاحب نے جون کے عصمت میں پلکوں کی زیبائش کے متعلق کچھ تحریر فرمایا ہے۔ مگر یہ ٹھیک سے سمجھ میں نہیں آیا کہ "پلکوں کو کس ترکیب سے سیاہ کیا جائے اور موٹی صورت میں بنایا جائے"؟ نیز پلکوں کی کنگھی کہاں اور کس قیمت پر دستیاب ہو سکتی ہے؟ برائے مہربانی بھائی صاحب تکلیف فرما کر ایک بار پھر ذرا وضاحت سے بیان فرمائیں۔

نیز پلکیں و سر کے سنہری بال سیاہ و گھنے کرنے کا طریقہ بھی مطلوب ہے۔

مس پروین یوسف۔ نئی دہلی

برائے مہربانی کوئی بہن صاحبہ بذریعہ عصمت مجھے سنگر مشین کے پرزہ سے کاڑھنے کی مفصل ترکیب سے مطلع فرمائیں۔ بیحد ممنون ہوں گی۔ ثریا سلطانہ۔ مچھر سر۔ خریداری نمبر ۲۶۶۹

میری عمر ۱۷ سال ہے۔ تین سال ہوئے کہ میں چالیس دن تپ محرقہ میں مبتلا رہی تھی۔ بیماری کے فوراً بعد ہی میرے بال بُری طرح جھڑنے شروع ہوئے اور کافی بال سفید ہو گئے۔ ڈاکٹروں کی رائے میں یہ دماغ کی کمزوری اور نزلہ ہے۔ بہت علاج کرانے کے باوجود بھی بیماری میں کوئی افاقہ نہ ہوا۔ بلکہ بالوں میں خشکی (سفہ) اور بھی بڑھ گئی۔ اور سر کا درد بھی بڑھتا گیا۔ میں نہایت ممنون ہوں گی اگر کوئی عصمتی بہن یا بھائی اس طرف توجہ دیں اور کوئی آزمودہ نسخہ "بزمِ عصمت" میں شائع فرما کر مشکور فرما دیں۔

بنت متوفی مہر دل خاں صاحب۔ خریداری نمبر ۱۶۹۹

عصمت کے پچھلے

جنوری ۱۹۳۳ء سے دسمبر ۱۹۴۲ء تک چند متفرق پرچے ابھی تک سٹاک میں موجود ہیں مگر اب ان کی قیمت کاغذ کی گرانی بلکہ نایابی کی وجہ سے ۱۲ فی پرچہ ہے (اور سالگرہ نمبر کی قیمت ۱۳ فی پرچہ) ان پرچوں میں ایسی قدر شیرے کہ اگر اب کتابی صورت میں چھپوا لئے جائیں تو ان کی قیمت موجودہ زمانہ کی لاگت کے حساب سے ۱۳ فی پرچہ رکھی جائے۔ صرف ضرورت مند اصحاب اور خواتین منگائیں۔

عصمت کی طرح چند متفرق [illegible] سال کے رسالہ [illegible] کے بھی موجود ہیں۔ قیمت [illegible] وبنات دہلی

دُور بین

مسولینی غائب صقلیہ پر خلاف امید اتحادیوں کو نمایاں کامیابی ہوئی۔ حملہ کا ڈھنگ ابتدا سے اس طرح دکھا کہ جرمنوں اور اطالویوں کو یہی گمان ہوا کہ اتحادی مغربی ساحل پر کسی جگہ اتر گئے۔ چنانچہ انہی اطراف میں محوری بچاؤ کا سلسلہ رہا۔ اسی کا نتیجہ ہوا کہ جب اتحادیوں نے مشرق اور جنوب کی طرف سے حملہ کیا تو شروع ہی سے اطالویوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور اتحادی میدان پر میدان مارنے لگے۔ مبصروں کا گمان یہاں بھی غلط نکلا کہ اتحادیوں کو آسانی سے صقلیہ میں بڑھنے دینے کا مقصد یہ ہے کہ انہیں بیچ میں لا کے مہیب ترین جنگ میں الجھایا جائے۔ اطالویوں نے جگہ جگہ ہتھیار رکھنا شروع کر دیئے۔ ہٹلر نے مسولینی سے درہ برنیر میں ملاقات کی، معلوم ہوتا ہے۔ اس نے مسولینی پر دلی افسوس ظاہر کیا کہ اٹلی والے اپنے ملک کی بھی حفاظت نہیں کرتے۔ ایسے حال میں میں اپنے آدمیوں کا خون کیوں کروں۔ چنانچہ مسولینی وہاں سے شکستہ دل لوٹا اور چند روز بعد شاہ اٹلی کے پاس اپنا استعفیٰ بھیج دیا جو اس نے فوراً منظور کر لیا۔ اس طرح ۲۱ برس کے بعد اٹلی کا یہ فرعون غیر متوقع طور پر اچانک اترا شحنۂ مردک نام کا مصداق ہو گیا۔ کوئی کہتا ہے کہ اسے نظر بند کر لیا گیا ہے اور اس کے گھر کے گرد سخت پہرہ ہے کوئی کہتا ہے کہ جرمنی کو بھاگتا ہوا اسے گرفتار کر لیا گیا۔ کہیں سے خبر آتی ہے وہ سپانیہ اڑ گیا ہے کسی کی اطلاع ہے کہ اس نے سوئٹزرلینڈ میں پناہ لے لی ہے اب تازہ خبر یہ ہے کہ وہ کسی آبدوز میں جا رہا تھا کہ اتحادی جہاز نے اس پر گولہ مارا اور کشتی مسولینی سمیت ڈوب گئی۔ اب اس کی پارٹی شاہی حکم سے توڑ دی گئی ہے، اور اس کے طرفدار جگہ جگہ گرفتار کئے جا رہے ہیں۔ شاہ اٹلی نے خود کمان ہاتھ میں لے لی ہے، اور مسولینی کی جگہ مارشل بدوالیو وزیر جنگ بن گیا ہے۔ مسولینی کا تہلکہ مدت تک دنیا میں مچا رہا۔ انگریز جنگ سے پہلے اس سے ہٹلر سے زیادہ ڈرتے تھے۔ کیونکہ اس کی تقریریں ہی اس غضب کی تھیں کہ حریف سن کے مرعوب ہو جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ہٹلر کی مرضی کے خلاف فرانس کے بیٹھ جانے کے وقت جنگ میں شرکت کر کے اُسے طرح طرح سے مشکلات میں ڈالا، چنانچہ ہٹلر زیادہ تر جنوبی یورپ اور افریقہ میں اٹلی ہی کی جنگ کرتا رہا۔ اگر وہ غیر جانبدار رہتا تو یقیناً ہٹلر فائدہ میں رہتا۔ مگر بساطِ جنگ میں مہروں کی چالیں ہی دیکھی جاتی ہیں۔

جنگ صقلیہ اتحادیوں نے مرسالہ کے بعد تمام مغربی اور شمالی مغربی کنارہ پر قبضہ کرنے کے بعد پلرمو جیسی اہم اور زبردست بندرگاہ کو فتح کر لیا۔ ادھر وسط صقلیہ میں مارا مار بڑھ کے اتحادیوں نے مشرقی اور مغربی محوری فوجوں میں رکاوٹ ڈال دی۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد مغربی حصہ فتح ہو گیا اور بے شمار سپاہی قید ہو گئے۔ اور سامانِ حرب ہاتھ آیا۔ اب جرمن فوج سینا کے تکون میں جان توڑ کے لڑ رہے ہیں۔ انہوں نے یہ دیکھ کے کہ اب ان کے قدم صقلیہ پر نہیں جم سکتے آبنائے مسینا میں جہازوں کی تگ و دو شروع کر دی ہے، اور اپنی فوجیں اٹلی کو روانہ کرنے کا سلسلہ قائم کر دیا ہے۔ اتحادی موقعہ دیکھ کے ہوائی جہازوں سے گولے برسا برسا کے سپاہیوں اور سامانِ حرب کو غرق کر رہے ہیں اب سسلی سارا کا سارا اتحادیوں کے قبضہ میں آ چکا ہے۔ اس کا عمدہ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ یہاں سے اٹلی کے سب اہم مقامات پر ہوائی جہاز آسانی سے بمباری کر رہے ہیں۔ اور آسٹریا کے ایک اہم فوجی مقام پر بے شمار گولے پھینک کے سخت نقصان کیا۔ مسولینی کی افتاد سے فائدہ اٹھا کے اٹلی کے شمالی صنعتی حصہ پر جرمنوں نے قبضہ کر لیا اور فرانس کے جنوبی مقام نیس وغیرہ پر بھی جس پر اطالویوں نے فرانس کے مغلوب ہو جانے کے بعد قبضہ جما لیا تھا۔ انہوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ مطلب صاف ہے کہ وہ اتحادیوں کے مقابلہ کے لئے پیش بندی کر رہا ہے۔ اٹلی کی نئی وزارت نے اعلان کر دیا ہے کہ جرمنی سے اپنا وعدہ پورا کریں گے اور آخر دم تک لڑتے رہیں گے۔ دوسری طرف سارے اٹلی میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ جگہ جگہ صلح کے مظاہرے کئے جا رہے ہیں، مگر ہٹلر آسانی سے اٹلی کو اپنی مٹھی میں سے نہیں نکلنے دے گا۔ اس نے اپنی فوجیں اس میں جگہ جگہ تعینات کر دی ہیں۔ مگر اتحادی اس سے زیادہ ہوشیار ہیں۔ انہوں نے صقلیہ کے بعد اٹلی پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ سارا پہاڑی علاقہ ہے، اور اتحادیوں کو کوہستانی جنگ کا تجربہ نہیں

بہت دیر لگے گی۔ اور قربانیاں بھی بہت دینا ہوں گی، اس لئے وہ کسی اور ہی مقام پر نیا حملہ شروع کرنے والے ہیں ممکن ہے وہ بلقان پر ہو۔ ممکن ہے وہ جزائر کارسیکا یا سارڈینیہ پر ہو یا مغربی یورپ میں سے کسی مقام پر ہو۔ ہوائی حملوں سے اتحادیوں کو جرمنوں کی کمزوری کا حال معلوم ہو گیا ہے۔ اس لئے اُن کے دل بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ رومتہ الکبریٰ کو اطالویوں نے کھلا شہر قرار دیا ہے۔ مگر اتحادیوں نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ وہ اس کے فوجی اہمیت کے حصوں پر گولے گرا کے سخت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ آخر جرمنوں نے شمالی صقلیہ کو خالی کر دیا۔ اتحادیوں کو فتح سسلی سے جرمنوں کے خلاف بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے اب اٹلی پہ حملہ ہونے والا ہے۔

جنگ روس

اس دفعہ اُلٹی گنگا بہ رہی ہے۔ سردیوں میں روسی بڑھتے تھے اور گرمیوں میں جرمن۔ اس دفعہ سردی بھر روسی بڑھا ہی کئے۔ اب گرمیوں میں بھی ان کی فتوحات کا سلسلہ جاری ہے۔ انہوں نے اوریل۔ بائی لاغراد اور قراچاف فتح کر کے جرمنوں کو نقصانات پہنچائے ہیں۔ انہوں نے جرمنوں کے اس دعوے کی کہ ان لڑائیوں میں روسیوں کا بے حد مالی و جانی نقصان ہوا ہے۔ سخت تردید کر کے ان کا مذاق اڑایا ہے۔ روسی فوجیں خارقاف کے بیرونی استحکامات میں گھس گئی ہیں۔ جان توڑ کر لڑ رہے ہیں۔ دو تین محاذوں پر روسی حملہ کا زور بندھا ہوا ہے۔ جرمن مدافعت پر ہیں۔ اور جب وہ جوابی حملے کرتے ہیں، تو انہیں بُری طرح پسپا کر دیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہٹلر نے جاپانی سفیر کو بلا کے اس سے کئی مرتبہ گفتگو کر کے جنگ کی حالت کا اُسے موازنہ کرایا۔ قیاس ہے۔ کہ اُسے بتا دیا گیا ہے کہ اٹلی تو ایک طرح جنگ سے باہر ہو گیا۔ مسولینی سر کے بل گر چکا ہے۔ اور اٹلی اب جنگ میں محض جرمن دباؤ سے اُلجھا ہوا ہے۔ اگر جاپان اسی طرح اپنے ذاتی مفاد کو ہی پیش نظر رکھتا رہا اور اس نے روس پر حملہ نہ کیا۔ اور جرمنی بھی بیٹھ گیا تو جاپان کا بعد میں اتحادیوں کی مجموعی طاقت کے سامنے کیا حشر ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ روس پر حملہ کر کے اسے اُدھر مصروف کرے۔ مگر خیال یہ ہے کہ جاپان شاید ایسی حرکت نہ کرے۔

جرمنی کی حالت

جرمنی میں بہت گھبراہٹ پھیلی ہوئی تہلکا مچا ہے مسولینی کے زوال سے ہٹلر پر خاص اثر ہوا ہے۔ شاید اس کا بھی یہی حشر ہو۔ اس کے جہاز تو کبھی کبھار انگلستان پر معمولی سا ہوائی حملہ کر جاتے ہیں۔ مگر اتحادی جہاز دن اور رات جرمنی اور اس کے مقبوضہ علاقوں پر حملوں کا سلسلہ جاری کئے ہوئے ہیں۔ جرمنوں کا ناک میں دم ہو رہا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ اتحادیوں نے رومانیہ کے تیل کے چشموں پر بھی جا کے چھاپہ مار دیا۔ اور تیل کے چشموں میں آگ لگا دی۔ اہم شہروں پر بم گرا گرا کے عمارتوں، آدمیوں اور جنگی کارخانوں پر قیامت توڑ رکھی ہے۔ نہ رات کو آرام ہے۔ نہ دن کو چین برلن خالی کیا جا رہا ہے۔ وزارتیں اور سرکاری محکمے نامعلوم مقامات کو منتقل کئے جا رہے ہیں۔ حکومت برلن سے چلی گئی ہے۔ اب مسٹر چرچل اور مسٹر روز ولٹ کی مئی کے بعد کناڈا میں اس مقام کیوبک میں ملاقات ہو رہی ہے۔ اور نئے حملے کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ اس سے جرمن اور زیادہ متوحش ہو رہے ہیں۔

جاپان سے جنگ

اتحادی ہوائی جہاز برابر بما بم حملے کر رہے ہیں۔ برسات ختم ہو رہی ہے۔ عنقریب یہاں سخت جنگ برپا ہونے والی ہے۔ نیو گنی میں اتحادی بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ جزیرہ نیو جارجیہ میں امریکی فوجیں اتر کے بڑھ جا رہی ہیں۔ مُنڈا پر قبضہ کیا جا چکا ہے۔ سالا مُوا پر بندرگاہ میں اتنے زبردست ہوائی حملے کئے جا رہے ہیں کہ پہلے کبھی نہ ہوئے تھے، امریکہ والے جاپان پر ہوائی حملہ کرنے کی فکر میں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کا ظہور جلد ہوگا۔ جاپانی طیارے وقتاً فوقتاً آسٹریلیا کی بندرگاہ ڈاروِن وغیرہ پر گولے برسا جاتے ہیں۔ مگر نقصان کے ساتھ پسپا کر دیئے جاتے ہیں۔ چین میں بھی اس کی پیشقدمی رک گئی ہے۔

تاروں کا جھرمٹ

اس سال بھی حکومت نے حج نہ ہو سکنے کا اعلان کیا ہے کیونکہ سمندر بدستور غیر محفوظ ہیں

اسمبلی میں مسٹر حسین امام نے تجویز پیش کی کہ اس سال دو لاکھ ۶۴ ہزار مویشی کٹے گویا عام حالت کے مقابلہ میں پانچ گنا زیادہ۔ یہ حالت غیر ملکی فوجوں کی وجہ سے ہوا اسی لئے گھی، دودھ وغیرہ نہایت مہنگا ہو گیا ہے امریکہ سے مویشی وغیرہ منگا کے ہندوستان میں تقسیم کئے جائیں حکومت

بہنوں کے لئے عظیم الشان رعایت

بہنوں کی استدعا کو مدِ نظر رکھ کر پھر اس عظیم الشان رعایت کا اعلان کرنا پڑا یہ رعایت محض ایک ماہ تک رہیگی۔ لہذا بہنیں جلد اس موقع سے مستفید ہو جائیں پھر امید نہیں کہ موقع ملے۔ مجربات ذیل لاگت پر دی جائیں گی نرگش بیوٹی پلز چہرہ کی رنگت کو نکھار کر سرخ و سفید بناتی ہیں لاگت سالم کورس للعہ برلے تین ا، برلے دوماہ ہے۔ عنبری لوشن ہے۔ غازہ حنائی فی پونڈ صہ تمام جسم کو نکھار کر بالکل صاف بنا دیتے ہیں۔ نوانجا دبال سیاہ سفوف لاگت مع برلے ایک سال سفید بالوں کو سیاہ کرنے کا بیغر تیل ہے۔ سردھو کا سفوف لگاتی ہے۔ ان کے استعمال سے سفید بال سیاہ ہو جاتے ہیں اور پھر کبھی سفید نہیں ہوتے۔ گھونگھریلے بال کرنیکا خاص مصالحہ شیشہ آنکھوں کا سرمہ عہ اعلیٰ اوڈ نیٹ۔ اکسیر لیکوریا مجرب المجرب لاگت ہے اس کے استعمال سے اس موذی مرض کی ہمیشہ کے لئے بیخکنی ہو جاتی ہے۔ اکسیر دافع دوراں ہے۔ غازہ دافع شدوں عہ ان کے استعمال سے چہرہ بالکل صاف اور نکھرا ہوا ہے پھر نہیں ہوتا۔ بھاری پیٹ ہلکا کرنے کی بیغر مجرب جوب خاص ہے موٹاپا دور کرنیکی مجرب ادویات ہے۔ ان کے استعمال سے موٹاپا دور ہو کر جسم ہلکا ہو جاتا ہے۔ اکسیر دافع بانجھ پن ہے اس کے استعمال سے خدا صاحب اولاد کر دیتا ہے۔ بہشتی نسخہ برود... کو سخت سڈول چھوٹی بناتی ہے اکسیر دافع پائیوریا ہے اس کے استعمال سے دانت مسوڑھے مضبوط اور صاف ہو جاتے ہیں۔ اکسیر دافع کیل و تل ہے کیل و تل دور ہو کر چہرہ صاف نکل آتا ہے اکسیر دافع داغ و جھائیاں ہے۔ اکسیر جلوا ہے۔ یہ دماغی کمزوریوں اور قبض کو دور کر کے طاقت دیتا ہے۔ اکسیر دافع ہسٹریا سالم کورس عہ پہلی ہی خوراک میں ہسٹریا کے مہلک دورے بند ہو جاتے ہیں۔ اکسیر کمر عہ اس کے استعمال سے کمر پتلی اور نہایت خوبصورت ہو جاتی ہے۔ مجرب اور مفید ہے نیز جملہ پوشیدہ امراض کی مجربات تیار کر کے دی جاتی ہیں۔ جواب طلب امور اور طبی مشورے کیلئے ۱؍ کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

المشتہر الیس جے بیگم صاحبہ ڈیلو ما ہولڈر طب کھرڑ ضلع انبالہ

حلفیہ اعلان

عورتوں کے پیچیدہ امراض کیلئے پیغام شفا

وہ عورتیں جو کسی پوشیدہ مرض کی وجہ سے کمر اور پنڈلیوں کے درد۔ چہرہ کی زردی لاغر پن اور کمزوری میں مبتلا ہیں یا کسی بیماری کے بعد کمزوری میں مبتلا ہیں وہ حیاتین استعمال کریں۔ جو عورتوں کی ہر قسم کی کمزوریوں کو دور کرنے میں قابل رشک اور محیر العقول اثر رکھتی ہے۔ جو عورتیں جھوٹے اشتہار بازوں کی فریب دہی اور چکنی چپڑی باتوں سے تنگ آ کر شک و شبہ میں پڑ جاتی ہیں۔ ان کو اپنی سچائی کا یقین دلانے کی غرض سے میں خدا کو گواہ کر کے اعلان کرتا ہوں کہ اگر میں آپ کے ساتھ دغا یا فریب کروں تو خدا کے ہاں کی ذمہ دار ہوں گی۔ اور دنیا میں بھی خدا میرا منہ کالا کرے۔ خدا گواہ ہے میرا مقصد کمانا ہی نہیں، بلکہ خلقِ خدا کو نفع پہنچانا بھی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہزاروں فریبی اشتہار بازوں میں ایک ایسا انسان بھی پیدا ہو جائے جو حقیقی معنوں میں خلق کی خدمت کر کر بالکل صحیح اور اعلیٰ اجزا سے تیار کی ہوئی دوا آپ تک پہنچا دے؟ چند روپوں کی کوئی بات نہیں اگر آپ نماز نہیں پڑھتیں یا روزہ نہیں رکھتیں لیکن خدا کو دل سے ایک مانتی ہیں تو اس پر بھروسہ کر کے حیاتین استعمال کریں۔ اور میری سچائی کا امتحان کریں یہاں بھی خدا آپ کے اور میرے درمیان ہے۔ اور حشر کے دن بھی میں اور آپ اس کے حضور میں پیش ہوں گے۔ اگر آپ کو دھوکہ ہو اور دوا جھوٹی ثابت ہو تو آپ کا ہاتھ اور میرا گریبان ہوگا۔ اطمینان رکھئے کہ حیاتین دہلی کے شاہی حکماء کے نسخوں کا نچوڑ ہے اور دواخانہ رفیق نسواں ہی جس کی آمدنی حکیم این این خان کے آنکھوں کے خیراتی شفاخانہ پر خرچ ہوتی ہے۔ ایمانداری کے ساتھ خالص قیمتی اجزا سے تیار کی جاتی ہے جو عورتوں کے ہر قسم کے پوشیدہ امراض جن کے نتیجے میں کمر اور پنڈلیوں کا درد، سر کا چکرانا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا آنا۔ چہرہ کی زردی کمزوری دبلا پن اور ہاتھ پیروں کی کاہلی وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں سب کو دور کر کے ہاتھ پیروں میں طاقت پیدا کرتی ہے جسم کو سڈول اور مضبوط بناتی ہے۔ فعل ہضم کو درست کر کے طبیعت کو ہشاش بشاش کرتی ہے۔ دل و دماغ اور حافظہ کو قوی کرتی ہے۔ بدن میں خون بکثرت پیدا کر کے چہرہ کو گلاب کے مانند تر و تازہ خوشرنگ اور سرخ و سفید بناتی ہے۔

قیمت بیس روز کی دوا پانچ روپیہ چار آنہ

ملنے کا پتہ

طبیبہ حاذقہ اے خاتون منتظمہ دواخانہ رفیق نسواں

۱۰۷ چھتہ لال میاں

ماتا والی اسٹریٹ۔ دہلی

Regd. No. L. 1872 October 1943 Established

کاغذ کی گرانی کی وجہ سے کتابوں کی قیمت قریباً چار آنے فی روپیہ بڑھ گئی ہے

مرغن و چرب کھانے	ترکی اور عربی کھانے	ایرانی اور افغانی کھانے	بنگالی اور بہاری کھانے	کشمیری اور مدراسی کھانے
گجراتی اور پنجابی کھانے	حیدرآبادی اور بریلی کھانے	لذیذ لذیذ کھانے	دلی اور لکھنؤ کے کھانے	پشاوری اور سندھی کھانے

سینکڑوں قسم کے کھانے تیار کرنے کی اُردو زبان میں بے نظیر کتاب

عِصمتی دسترخوان حِصّہ اوّل

جس کی ایک نمایاں خصوصیت جو اس موضوع کی اور کسی کتاب میں نہ ملے گی یہ ہے کہ تمام ترکیبیں تجربہ کرنے کے بعد لکھی گئی ہیں اس لئے ترکیبیں بالکل صحیح ہیں اور وزن بالکل درست! ہندوستان بھر کے ہر حصہ کی تقریباً عصمتی بہنوں نے اس کتاب کی تیاری میں حصہ لیا ہے اور ایڈیٹر صاحب عصمت کی اہلیہ محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ نے بڑی محنت سے کتاب کی ترتیب فرمائی ہے باورچی خانہ کے انتظام اور کھانوں کے متعلق نہایت قیمتی ہدایات اور مضامین درج کئے گئے ہیں۔ ایک ایک چیز کئی کئی قسم کی تیار کرنے کے لئے بھی عصمتی دسترخوان سے بہتر کتاب ملنی ناممکن ہے مثال کے طور پر چند چیزوں پڈنگ اور کبابوں کی فہرست ملاحظہ فرمائیے۔

برڈ پڈنگ	انجیر پڈنگ	دال کے کباب	کباب بیضہ مرغ	تاشش کباب
سوجی کی پڈنگ	امرود پڈنگ	آلو کے کباب	بیسنی ٹکیاں	شامی کباب
نارنجی جیری پڈنگ	بیسن پڈنگ	کچے آلو کے کباب	گوشت کے میٹھے کباب	آنتوں کے کباب
گجر پڈنگ	جلیبیوں کی پڈنگ	ناریل کے کباب	کباب مرغ مسلم	انگریزی کباب
روز پڈنگ	میوہ دار پڈنگ	مچھلی کے چینی کباب	سیخ کے چٹ پٹے کباب	اروی کے کباب
اناناس پڈنگ	کسٹرڈ پڈنگ	سیخ کے کباب	مچھلی کے شامی کباب	اور کئی کئی قسم کے کباب
کمزور بیماروں کے لئے	بادامی پڈنگ	پسندے کے کباب	دہی کے کباب	

یہ صرف دو چیزوں کی فہرست ہے

اسی سے کتاب کا اندازہ کر لیجئے۔ چاول سلونے اور میٹھے سویاں کھیر فیرنی سادے اور ترکاری کے سالن مچھلی مرغ جیلی بسکٹ کیک دالیں بھنا یاں۔ حلوے چٹنیاں مربے اچار سموسے بڑے پوری کچوریاں پراٹھے۔ روٹی۔ غرض ہر قسم کے کھانوں کی بڑی بڑی اچھی ترکیبیں ہیں یا وہ چیزیں بھی کئی کئی طرح صحیح ترکیبیں اس کتاب کا ہر گھرانے میں ہونا ضروریات میں سے ہے ہندوستان بھر میں اس کی دھوم مچ گئی بہت سی عورتیں اس کتاب کی بدولت عمدہ عمدہ ذائقہ دار کھانے پکانے لگیں۔ لڑکیوں کو یہ کتاب اشد ضروری ہے جو کہ جہیز میں دی جاتی ہے سینکڑوں خواتین نے اس کی تعریف میں خطوط بھیجے ہیں اور کتنے ہی مردوں نے اس کتاب کی اشاعت پر مؤلفہ و پبلشر کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اس کی ہردلعزیزی کا اندازہ اس سے کر لیجئے کہ چند ہی سال میں ہاتھوں ہاتھ ۸ ایڈیشن نکل گئے۔ قیمت دو روپے مجلد سوا دو روپے۔ حصہ دوم مشرقی مغربی کھانے عہ/ مجلد عہ

عصمتی ہنڈکلیا

یہ کتاب بچیوں کے لئے ہے تاکہ شادی سے قبل کھانا پکانے کے فن میں ماہر ہو جائیں اور ایک کنواری بچی کو جو کچھ جاننا چاہئے وہ پورا اس سے واقف ہو جائے سوا سو کھانوں کی صحیح صحیح ترکیبیں چھوٹے ہی کے مطلب کی درج کی گئی ہیں بجز خوبی یہ کہ کھانے پکانے کے متعلق نہایت مفید مضامین اور کارآمد ہدایتیں لکھی ہیں قیمت صرف ۸

ناشتہ

دوپہر اور رات کے کھانے سے قبل صبح اور تیسرے پہر کیا کیا ناشتہ کیا جاتا اس موضوع پر قابل قدر کتاب جس میں چاء۔ کوکو۔ شربت لسی۔ فالودہ۔ آئس کریم۔ بسکٹ۔ کیک۔ توست۔ کھٹائی وغیرہ وغیرہ نیز ہندوستان کے ہر صوبہ اور ہر حصے کے مختلف قسم کے ناشتوں کی کئی کئی ترکیبیں ہیں گویا اس کتاب کی موجودگی میں کسی حصہ ملک کا مہمان ہمارے ہاں آ جائے اسی کے مطلب کی چیز ہم پیش کر سکتے ہیں۔ قیمت ۱۰/

بچوں کے کھانے

ننھے بچوں کو اصول صحت سے کس قسم کی غذا دینی چاہئے۔ کون سے کھانے مفید ہیں اور وہ کس طرح تیار ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر بے نظیر کتاب جس میں بچوں کے صحت بخش اور مفید کھانوں کی کئی درجن تجربہ کی ہوئی ترکیبوں کے علاوہ کئی نہایت کارآمد مضامین بھی ملک کے قابل ڈاکٹروں اور تجربہ کاروں کے لکھے ہوئے ہیں قیمت

بیماروں کے کھانے

بیماروں کے جو کھانے مفید ہیں اس میں صرف انہی کی ترکیبیں ہیں اور کئی قابل تجربہ کار ڈاکٹروں نے اس کی تیاری میں حصہ لیا ہے تمام ترکیبیں آزمائی ہوئی ہیں۔ مضامین بھی بے انتہا مفید و قابل قدر ہیں ہر گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔ قیمت

مذاقیہ کھانے

دولہا بھائی اور نندوئی سے ہیلیوں سے مہذب مذاق کرنے کے لئے نہایت دلچسپ کتاب جس کی ہر ترکیب صحیح ہے بیہودہ عامیانہ مذاق کی جگہ اس کتاب سے شائستہ مذاق کرو۔ اور اس ہنسنے ہنسانے والی کتاب سے زندہ دلی کا ثبوت دو۔ لڑکیوں کی شادی کے وقت دولہا بھائی کی تواضع کے لئے لڑکیاں یہ کتاب بہت شوق سے منگاتی ہیں۔ قیمت

عصمتی دسترخوان حصہ دوم
مشرقی مغربی کھانے

باعتبار مضامین پہلے حصہ پر بھی فوقیت رکھتا ہے قریباً ۱۰۰ صفحوں کے نہایت ہی کارآمد اور قابل قدر مضامین ہیں۔ چند عنوانات یہ ہیں۔ ہماری خوراک اور غذا کے متعلق تحقیقی مضامین۔ کھانے کے اصول۔ کھانے کی حفاظت۔ جرمنی باورچی خانہ۔ جاپانی باورچی خانہ۔ کچی سبزی۔ ترکاریوں کے خواص۔ کھانے کا کم اناج کا صندوق ایرانی دعوت وغیرہ وغیرہ۔ ترکیبیں سب نئی اور آزمودہ ہیں اور ایک ایک کی متعدد ترکیبیں۔ عربی۔ ایرانی۔ ترکی۔ جاپانی۔ عراقی۔ روسی۔ اطالوی۔ انگریزی۔ فرانسیسی کھانوں کی اچھی اچھی ترکیبیں ہیں۔ عصمتی دسترخوان بغیر حصہ دوم مکمل نہیں یہ بھی بہت مقبول ہوا ہے۔ قیمت عہ/ مجلد عہ/ عصمتی دسترخوان مکمل یعنی دونوں حصوں کی قیمت للعہ۔ مجلد للعہ

محصول ڈاک بذمہ خریدار — **پتہ منیجر عِصمت بُک ڈپو دہلی** — محصول ڈاک بذمہ خریدار

عصمت بک ڈپو دہلی

تصانیف علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ

اصلاحی معاشرتی ناول

صبح زندگی لڑکی کی پیدائش سے شادی تک کیونکر تعلیم و تربیت کرنی چاہئے۔ اس موضوع پر اردو زبان کی بہترین کتاب لڑکیوں کی اتالیق بیویوں کی مشیر اور بہوؤں کے لئے لٹریچر کا بیش بہا خزانہ بے انتہا دل آویز نتیجہ خیز مؤثر ناول کتاب ۱۴ دفعہ چھپی ہے۔ قیمت عہ

شام زندگی صبح زندگی کا دوسرا حصہ شادی سے موت تک نسیمہ بیگم کے حالات خورشید اس کی موت سے اپنے خاندان کا ول وہ بیتی ہیں مؤثر اتنی کہ قوم نے اسی کی وجہ سے مصنف کو مصور غم کا خطاب دیا تھا ہر سطر آنکھوں کو پرنم کر دیتی ہے اکیسواں اڈیشن قیمت عہ

شب زندگی صبح زندگی میں نسیمہ کے بچپن اور جوانی کو دکھایا گیا ہے۔ شام زندگی میں آخری منزل تک پہنچایا ہے شب زندگی میں موت کے بعد کے حالات پڑھو اپنے رنگ میں بے مثل اصلاحی ناول ہے پلاٹ بے حد دل آویز فی حصہ ایک روپیہ چار آنے۔ دونوں ۲ے

حیات صالحہ یا صالحات ایک نیک لڑکی کی زندگی کے وہ واقعات نہایت مؤثر پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ جو اکثر ہندوستانی گھروں میں پیش آتے رہتے ہیں سوتیلے رشتوں پر معرکۃ الآرا ناول ہے۔ واقعات اس قدر مؤثر کہ کلیجہ کے پار ہو جاتے ہیں۔ قیمت صرف ایک روپیہ بارہ آنے عہ

منازل السائرہ اس میں ایک شریر لڑکی کی پیدائش سے موت تک کے تمام واقعات نہایت دلچسپ پیرایہ میں لکھے گئے ہیں۔ طرز تحریر اس قدر پیارا کہ سر دھنے۔ دونوں حصے دو روپیہ آٹھ آنہ ۲؍۸

نوحہ زندگی بیوہ کے نکاح ثانی کے متعلق نہایت درد انگیز اور عبرتناک ناول اس کے مطالعہ کے بعد اُن خاندانوں میں جہاں بیوہ کا نکاح ثانی گناہ سمجھا جاتا تھا شرع اسلام کے بموجب سینکڑوں ہی بیواؤں کے نکاح ہوئے اور کتنے ہی کنوارے نوجوانوں نے بیواؤں سے نکاح کئے۔ نو دفعہ چھپی ہے۔ قیمت ۱۴؍

طوفان حیات تعلیم سوم اور شرکت و بدعت پر پرستی و قبر پرستی وغیرہ پر بے مثل ناول جس کے مطالعہ سے شرک کوسوں دور بھاگ جاتا ہے اور رسوم مروجہ خوفناک اژدہے کی صورت میں نظر آنے لگتی ہیں اور انسان خدائے واحد کی عظمت کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ نہایت دلچسپ اور درد انگیز ہے۔ قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ عہ

جوہر قدامت دو بہنوں کی پر لطف کہانی دو لڑکیوں کی مفصل زندگی دو عورتوں کی جگر خراش داستان جن ایک دور قدیم کی درخشندہ تصویر اور دوسری طرز جدید کی دلدادہ ہے۔ اس ناول سے معلوم ہوگا کہ نصف صدی قبل ہمارے گھرانوں میں کیسے کیسے لعل گدڑیوں میں چمکتے تھے۔ قیمت ایک روپیہ بارہ آنے عہ

اصلاحی معاشرتی افسانے

تمغۂ شیطانی اس تصنیف میں دست شیطانی کے آٹھ کیرکٹر دکھائے گئے ہیں۔ اُن لوگوں کے جو نیک سمجھے جاتے تھے مگر ان کے صرف ایک فعل سے جو بظاہر بہت معمولی بات تھی حلقۂ شیطانی میں داخل ہوئے واقعات اس قدر درد انگیز کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں بے حد مؤثر سبق آموز اور عبرت انگیز افسانے۔ قیمت ۱۲؍

سات روحوں کے اعمالنامے دنیا کی سات عجیب و غریب روحیں ایک شیطان کی مغفرت کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔ جن کے مطالعہ سے کہیں ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں کہیں آنسو نکل آئیں۔ آخری روح کے کارنامے اس قدر درد انگیز ہیں کہ پچی سنجیدہ جاتے سات دفعہ چھپی ہے۔ قیمت دس آنے ۱۰؍

غدر کی ماری شہزادیاں اس سلسلہ میں میلہ ۱۸۵۷ء کے غدر کی لٹی ہوئی دلی کی شہزادیوں اور بیگموں کی دل ہلا دینے والی کہانیاں نہایت درد انگیز اور عبرت ناک۔ تین چار کئی کئی رنگ کی بلاک کی تصویریں بھی ہیں۔ قیمت ۱۴؍

ستونتی ایک دلچسپ سبق آموز قصہ ثابت کیا گیا ہے۔ ۔ ۔ کے لئے بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔ اور شریف عورت ایثار کے جوہر دکھا کر دنیا کو محو حیرت کر دیتی ہے۔ قیمت ۸؍

موؤدہ ہندوستان کے بعض صوبوں میں شرع اسلام کے خلاف مسلمان لڑکیوں کو ترکہ پدری نہیں دیتے علامہ مرحوم نے یہ افسانہ اسی خرابی کے انسداد پر لکھا اور ایسے درد و سوز و گداز سے کہ پتھر سے پتھر دل بھی اس کو پڑھ کر پسیج جاتے ہیں نہیں موم ہو جاتے ہیں۔ قیمت ۱۰؍

تفسیرِ عصمت طلع اور ارتداد پر اس سے بڑھ کر افسانہ آج تک اردو زبان میں شائع نہیں ہوا۔ ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کی نظر سے گذرنا چاہئے۔ واقعات کہیں نہایت درد انگیز اور کہیں عبرت خیز۔ قیمت چھ آنے ۶؍

انگوٹھی کا راز تین مختلف الخیال لڑکیوں کا سبق آموز افسانہ۔ رابعہ کا عبرت انگیز انجام۔ اسلامی کی جگر خراش داستان اور صفیہ کی مشکلات۔ انگوٹھی کا راز نہایت خوبی سے حل کرتا ہے۔ قیمت ۷؍

ولائتی نخی ایک نہایت پر لطف باتصویر افسانہ جس کے ہر ہر صفحے پر پڑھتے پڑھتے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ بی نخی نے بڑھاپے میں وہ وہ سوانگ بھرے ہیں کہ بس پڑھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ قیمت ۸؍

منازلِ ترقی اس عبرت انگیز افسانے میں دکھایا گیا ہے کہ انسان ترقی کی دھن، لیڈری کے شوق اور دولت کے نشہ میں اخلاق و انسانیت اور مذہب کو تج کر غریب رشتہ داروں پہ کیسے کیسے ستم ڈھاتا ہے۔ قیمت چار آنہ ۴؍

بچہ کا کرتہ ایک عاشق زار بدنصیب ماں اپنے جوان بچے کی بدولت وہ مصیبتیں اٹھاتی ہے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ دنیا اسے مجنون دیوانی کہتی ہے۔ عبرت انگیز پیرایہ ایسا ہے کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ بہت موثر افسانہ ہے۔ دوسری بار چھپ چکا ہے۔ قیمت ۴؍

وڈیا کی سرگذشت فیشن و تجارت کی دلدادہ ایک عورت کی کہانی اسی کی زبانی۔ ذہنی معاشرت کا ایک نہایت کامیاب مرقع۔ میاں بیوی کے تعلقات کا پر لطف نقشہ۔ قیمت ۴؍

چہار عالم حیات انسانی پر ہندوؤں کی جبت۔ چند نسوانی کمزوریوں کا بیان۔ ہندوستان کی معاشرت کا مرقع۔ قصہ کا پلاٹ بے حد دلکش ہے۔ کئی تلمی تصویریں ہیں۔ قیمت ۴؍

بنت الوقت ہماری مستورات کی تعلیم و تربیت کا بے مثل مرقع۔ وقت کا اندھا دھند ساتھ دینے والی ایک ناعاقبت اندیش لڑکی کا حیرت انگیز انجام۔ سات دفعہ چھپ چکی ہے۔ قیمت ۱۰؍

سراب مغرب غیر مسلم مدارس میں لڑکیوں کا تعلیم پانا کہاں تک جائز ہے۔ اس بحث پر مشہور کتاب۔ تقلید مغرب کے دردناک نتائج۔ پارٹیز کا حشر۔ ماں باپ کی ناعاقبت اندیشی اور لڑکی کی تباہی۔ قیمت ۱۰؍ اس کتاب آگرہ یونیورسٹی کے بی۔اے کورس میں شامل ہے۔

فسانۂ سعید بیوہ کا نکاح ثانی اسلام کا حکم ہے۔ مگر اس افسانہ میں حضرت مصنف مرحوم نے سعید کا نکاح بے سود ثابت کیا ہے۔ سعید کی جگر خراش داستان دل ہلا دے گی۔ قیمت ۱۰؍

سنجوگ ایک تعلیم یافتہ سلیقہ شعار سمجھدار مگر کرموں جلی اور نصیبوں پھوٹی مصیبت زدہ اور مظلوم لڑکی کی درد انگیز داستان جس کا نکاح والدین نے سوچ سمجھ کر نہ کیا اور فریقین کی طبیعتوں کا اندازہ نہ لگایا۔ دولت و ثروت کی قربان گاہ پر اپنے جگر کے ٹکڑے کو بے دردی سے ذبح کر دیا۔ اس کتاب کا فقرہ فقرہ تیر ہے۔ درسِ عبرت ہے نشتر ہے۔ قیمت ۱۲؍

سوکن کا جلاپا ایک بے گناہ لڑکی پر ساس نے سوکن لا بٹھائی اور غم نصیب مصیبت زدہ لڑکی نے ماں باپ کی لاج رکھنے کے لئے ساس کی زیادتیاں شوہر کے مظالم غرض سب اذیتیں ہنس ہنس کر صبر و شکر سے برداشت کیں۔ یہاں تک کہ ان غموں میں گھل گھل کر جان دیدی۔ قیمت ۶؍

مختصر افسانوں کے مجموعے

جوہرِ عصمت حضرت علامہ مغفور کے بہت مشہور ۱۳ سبق آموز مختصر افسانے (۱) مرحوم بیوی کا پاک جذبہ (۲) بجنور کی دلہن (۳) اگلی محبتیں (۴) فسانہ تنویر (۵) بے گناہ کا قتل (۶) بھاوج کا کینہ (۷) مامون رشید کا دربار اور ایک سچی عورت (۸) عدل جہانگیری (۹) بلبل کی شہادت (۱۰) ملکۂ شہزادی (۱۱) برقعہ کی مستحق (۱۲) غلط فہمی (۱۳) خاتمہ بالخیر ان تیرہ افسانوں کا مجموعہ جوہرِ عصمت ہر شریف مرد اور ہر شریف عورت کا گذرنا چاہئے۔ بہت مشہور و مقبول ہے آٹھویں دفعہ چھپی ہے۔ قیمت ۱۲؍

سیلابِ اشک باتصویر حضرت مصور غم کے سات درد انگیز افسانے (۱) پرستار محبت (۲) طوچن کے تین رنگ (۳) طلاق کا سفید بال (۴) حج اکبر (۵) عدل گستران (۶) بے قصور بچا (۷) ثریا کا تخیل ہر افسانے کے ساتھ زر کثیر صرف کرکے بلاک کی تصاویر دی گئی ہیں۔ قیمت ۱۲؍

طوفانِ اشک یعنی رواج کی چوکھٹ پر مظلوم عورتوں کی قربانیاں۔ وہ موثر اور سبق آموز کتاب جس میں ۱۲ دل ہلا دینے والی کہانیاں اور سب درد اثر اور سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی۔ قیمت ۱۲؍

قطراتِ اشک آنسوؤں کے بادشاہ حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی افسانہ نگاری کے دورِ اول کے بہترین نمونے جو مخزن۔ عصمت۔ تمدن۔ کہکشاں وغیرہ میں شائع ہو کر قبولیت تام اور شہرت دوام حاصل کر چکے ہیں جنہوں نے پڑھنے والوں کو جادو نگار مصنف کی تحریر کے اثر و تاثیر کا قائل کر دیا تھا۔ اور جو ادبی رنگینیوں اور طرزِ تحریر کی دلاویزی کے باعث بار بار پڑھے جاتے ہیں۔ قیمت ۱۲؍

شہیدِ مغرب طرابلس و مراکش میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مقابلے۔ اسلام اور نصرانیت کے معرکے۔ مسلمان عورت کی ناموس اسلام پر قربانیاں۔ مسلمانوں کی ترقی کا راز اور تنزل کے اسباب۔ مشنری اور تبلیغ کا اثر۔ ۹ سبق آموز افسانے ۱۲؍

نسوانی زندگی ان افسانوں میں خصوصیت کے ساتھ بیوی بیٹی۔ بہن کی ہر حیثیت دکھائی گئی ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے کہ ہر حیثیت میں عورت ایسا ایثار اور قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ مرد حیرت میں رہ جاتا ہے۔ قیمت ۱۰؍

گوہرِ مقصود یعنی خیالستان کی پری یا دل کی تلاش اور بہت مشہور قصہ پہلا نقصہ خیال کی پری کا ہے۔ جو مدت تک ادھر ادھر بھٹکتی، کئی بار کوشش کرنے کے بعد دنیا کا

بہترین تحفہ لاتے میں کامیاب ہوتی ہے۔ دوسرا قصہ ایک دکھیاری ماں کا ہے جو گم شدہ بچہ کی تلاش میں جنگلوں اور پہاڑوں میں ماری ماری پھری قیمت سات آنے ۷ر

نانی عشو آپ کتنے ہی سنجیدہ کیوں ہوں، ناممکن ہے کہ نانی عشو پڑھتے یا سنتے وقت آپ کے پیٹ میں بل نہ پڑ جائیں۔ تمام ہندوستان میں اس کتاب کا ڈنکا بج چکا ہے۔ مصور غم مرحوم نے ظرافت کے مضامین بھی لکھے تو کمال کر دیا چھٹا ایڈیشن۔ قیمت ۱۰ر

روداد قفس حضرت علامہ مرحوم کی درد و اثر میں ڈوبی ہوئی نظموں کا مجموعہ۔ یہ معمولی نظمیں نہیں بے کس عورتوں کے جگر خراش نالے اور مسلمان گھرانوں کے حیرت انگیز مرقعے ہیں۔ علامہ مرحوم کو جذبات نگاری میں جو کمال حاصل تھا وہ پورے طور پر ان نظموں میں نمایاں ہیں قیمت ۱۲ر

گرفتار قفس حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی درد انگیز نظموں کے مشہور مجموعے روداد قفس کا دوسرا حصہ یہ نظمیں اس قدر درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ہیں کہ سنگدل سے سنگدل انسان کی آنکھ سے بھی آنسو نکل پڑیں۔ قیمت ۴ر

گلدستۂ عید سچی خوشی کس طرح میسر ہوتی ہے۔ رمضان شریف میں کیا کرنا چاہئے۔ عید کس طرح منانی چاہئے۔ ان موضوعات پر نتیجہ خیز مضامین اور افسانے۔ کتاب ایک طرف بہترین علمی عیدی ہے تو دوسری طرف ہر وقت پڑھنے اور روزانہ زندگی میں بہت سے مفید نتائج اخذ کرنے کی چیز ہے۔ قیمت صرف ۱۲ر

تاریخ و سیرت ادب و انشاء

آمنہ کا لال اُردو زبان کا سب سے بہتر مولود شریف حضرت علامہ مرحوم کی وہ تصنیف جو اپنے رنگ میں جواب نہیں رکھتی۔ اب تعلیم یافتہ گھرانوں میں مجلس میلاد پر یہی کتاب پڑھی جاتی ہے۔ کیوں کہ اس میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جو خلاف عقل کہا جائے۔ نثر کے ساتھ ساتھ نظم بھی علامہ مغفور کی ہے۔ ۱۲ر

سیدہ کا لال شہادت کی مکمل و مفصل تاریخ۔ حصہ اول مکمل تاریخ شہادت ہے۔ جس سے واقعہ کربلا کے صحیح اسباب ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ دوسرا حصہ میراثی کربلا ہے۔ یوں تو تمام کتاب اس قدر درد انگیز ہے کہ بغیر آنسو بہائے نہیں پڑھی جا سکتی۔ مگر نثر میں جو مرثیے علامہ مغفور لکھ گئے ہیں۔ اُن کی اُن کی ایک ایک سطر کلیجہ کے پار ہو جاتی ہے۔ ادب لطیف کے علاوہ جو کتاب کی جان ہے شہادت کا اس قدر مفصل اور درد انگیز اور مؤثر بیان کسی کتاب میں نہیں۔ قیمت ۱۲ر

الزہرا اُردو زبان میں جگر گوشۂ رسولؐ سیدۃ النساء حضرت بی بی فاطمہ کی بہترین سوانح عمری جو بتاتی ہے کہ میاں بیوی کو کس طرح رہنا چاہئے۔ بچوں کی پرورش کس طرح

کی جاتی ہے دنیا کے ساتھ دین کس طرح میسر آتا ہے۔ آخر میں واقعہ کربلا کا مختصر بیان اور مصور غم کا قلم۔ قیمت ۱۲ر

نوبت پنج روزہ شاہجہان آباد اُجڑ چکا مگر اُس کے کھنڈر اب تک مٹنے والوں کے کارنامے سنا رہے ہیں۔ اور شہر کے در و دیوار اس وقت بھی اپنے مہمانوں کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ آج سے ستر سال پیشتر دلی کیا تھی۔ بادشاہ کا جلوس قلعہ معلیٰ کی بہاریں شاہی جھگڑے میلے تماشوں کے رنگ۔ دربار کی کیفیت شہر و آبادی کی چہل پہل۔ ہندو مسلمانوں کی معاشرت۔ رمضان عید، سالگرہ کے تزک و احتشام شادی بیاہ کی رسم غرض دور گذشتہ کی بہار اگر دیکھنی ہو تو نوبت پنج روزہ یعنی وداع ظفر ملاحظہ فرمایئے۔ جس میں آخری تاجدار مغلیہ کی پانچ نوبتیں اس قدر درد انگیز پیرایہ میں لکھی گئی ہیں۔ کہ خون کے آنسو رلوا دیں گی۔ قیمت ۱۲ر

قلب حزیں چھوٹے چھوٹے نہایت لطیف ادبی مضامین کا دلاویز مجموعہ۔ جذبات نسوانی کی درد انگیز ترجمانی۔ ان مضامین میں علامہ مغفور نے شاعری کی ہے اور نظم نما نثر کا یہ کتاب بہترین نمونہ ہے۔ قیمت صرف ۱۲ر

وداع خاتون وہ درد انگیز مضامین جو مشہور ادیبہ محترمہ خاتون اکرم کی جواں مرگی پر لکھے گئے تھے جو بتاتے ہیں کہ بہو کیسے بنتے ہیں اور لڑکی شادی کے بعد کس طرح سسرال والوں کے دل کو فتح کر سکتی ہے۔ قیمت ۵ر

امین کا دم واپسیں شہنشاہ ہارون الرشید اور ملکہ زبیدہ خاتون کے لخت جگر شہزادہ امین الرشید کا دردناک قتل اسلامی تاریخ کا یوں ہی ایک درد انگیز واقعہ ہے۔ اس پر علامہ مصور غم نے قصہ کے دلکش پیرایہ میں عبرت انگیز واقعات اپنے خاص رنگ میں لکھے ہیں۔ قیمت ۴ر

لڑکیوں کی انشاء خط و کتابت سکھانے کی اُردو زبان میں بہترین کتاب جس میں خطوں کے ذریعہ لڑکیوں کو بتایا گیا ہے کہ میکہ کی زندگی انھیں کس طرح بسر کرنی چاہئے۔ اور سسرال میں جا کر ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ ایک عورت کی حیثیت سے انھیں کیا کیا فرائض انجام دینے ہیں۔ اور زندگی کی دشوار گذار منزلوں اور کٹھن راستوں کو وہ کس طرح کامیابی کے ساتھ طے کر سکتی ہیں۔ ضخامت سو صفحوں کے قریب۔ قیمت صرف ۱۴ر

اسلامی تاریخ افسانہ کے طرز پر

ماہ عجم مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ کا بے نظیر تاریخی ناول فاروق اعظمؓ کے عہد مبارک میں سلطنت ایران پر قابو پانے کے لئے مسلمانوں کے بے مثل جنگی کارنامے فرزندان ایران کا سرفروشانہ مذہبی جوش ایرانیوں کا پروانہ وار وطن پر قربان ہونا۔ فرزندان ایران کا سرفروشانہ مذہبی جوش۔ ایرانیوں کا پروانہ وار وطن پر قربان ہونا۔ اسلام اور نصرانیت کی لڑائیاں، کفر و ایمان کے معرکے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی ولولہ خیز

رسالہ عصمت دہلی

چھتیسواں سال | اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ عیسوی | جلد ۷۱ نمبر ۴

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی (مع محصولڈاک وغیرہ) چار روپیہ — قیمت فی پرچہ ۸ر — ممالک غیر سے ۱۰ شلنگ
امراء سے دس روپیہ — رؤساء سے پچیس روپیہ — والیانِ ریاست سے سو روپیہ

محترمہ بیگم خان عبد الرشید کشمیری دروازہ لاہور خریدار نمبر ۲۹۷۶، ستمبر کو لکھتی ہیں " اٹھارہ اُنیس سال کے عرصہ میں یہ پہلا موقع ہے کہ رسالہ عصمت ابھی تک نہیں پہنچا شاید ڈاکخانہ میں ضائع ہو گیا ہو۔ براہ نوازش رسالہ بابت ماہ ستمبر ۱۹۴۳ء جلد بھیج کر ممنون فرمائیں"۔ ان بہن کو اٹھارہ اُنیس سال تک رسالہ نہ پہنچنے کی شکایت کبھی نہیں ہوئی ان کے برخلاف بعض بہنیں ایسی بھی ہیں جنہیں شکایت ہے کہ رسالہ انہیں باقاعدہ نہیں ملتا حالانکہ غلطی ان کی اپنی ہوتی ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تبادلہ ہوتا ہے اور کئی کئی ماہ گذر جاتے ہیں مگر پتہ نہیں بدلواتیں یا پتہ میں کچھ غلطی ہوتی ہے تو تصحیح نہیں کراتیں یا ملازموں کی غفلت سے پرچہ ضائع ہوتا ہے اور وہ بے قاعدگی اشاعت کا الزام رسالہ پر رکھ کر دو دو تین تین ماہ کے پرچے اکھٹے طلب کرتی ہیں۔

"عصمت" کی اشاعت میں کبھی ایک دن کی بھی تاخیر نہیں ہوتی۔ ہمیشہ ۳۰ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ اگر کسی ماہ کا پرچہ آپ کو ڈاکخانہ کی غفلت سے وقت مقررہ پر نہ ملے تو ۵ تاریخ کے بعد خریداری نمبر کے حوالہ سے فوراً دفتر کو مطلع کر دیجئے دوبارہ بھیج دیا جائے گا۔ ورنہ کاغذ کی انتہائی گرانی کے زمانہ میں جب صرف ضرورت کے مطابق پرچہ چھاپا جا رہا ہے ہو سکتا ہے کہ ۱۵ تاریخ کے بعد قیمتاً بھی نہ مل سکے۔ چنانچہ ۱۹۴۳ء کے ۴ ماہ کے پرچے اب کسی قیمت پر نہیں مل سکتے۔

منیجر

باہتمام رازق الخیری ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محبوب المطابع دہلی میں چھپکر دفتر عصمت کوچہ چیلان (دریا گنج) دہلی سے شائع ہوا

گھر کی ملکہ اور عید

(از علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ)

بیوی اُس معزز لقب کی جو اسلام نے اُس کو عطا کیا یعنی گھر کی ملکہ اگر قدر کرے تو اُس کے ذمّہ کچھ فرائض ہیں اور جب تک وہ اُن کو پوری طرح ادا نہ کرے ہرگز گھر کی ملکہ نہیں ہو سکتی۔ عید کے جو فرائض اُس کے ذمّہ ہیں وہ یہی نہیں کہ وہ اپنا بیش قیمت جوڑہ تیار کرے اور خواہ شوہر کی مالی حالت اجازت دے یا نہ دے ایک معقول رقم اپنے لباس پر صرف کر دے اور ایک عید کے روز مہینہ بھر کی آمدنی بغیر اس فکر کے کہ کل کیا ہوگا خرچ کرے۔

جب عید میں آٹھ نو روز رہ جائیں یعنی بیسویں روزہ کے بعد بیوی کو سب سے پہلے گھر کے بناؤ سنگار پر توجہ کرنی چاہیئے۔ یعنی مکان کی ظاہری حیثیت اس کی آمدنی سے کم نہ ہو اگر اس کا شوہر دو سو روپیہ ماہوار بیوی کے ہاتھ میں دیتا ہے اور اس کے گھر کی حیثیت شوہر کی آمدنی دو سو روپیہ نہیں بتا رہی ہے تو وہ نہایت بدتمیز اور حد سے زیادہ پھوہڑ عورت ہے۔ یوں تو یہ اصول ہمیشہ ہی کے واسطے مقرر ہے لیکن عید بقر عید پر اور اسی قسم کے موقعوں پر گھر والی بیوی کو اپنے بناؤ سنگار سے زیادہ گھر کے بناؤ سنگار پر توجہ کرنی ضروری ہے۔

حفظانِ صحت کے اعتبار سے اگر ہر مہینہ نہیں تو کم از کم سال بھر میں دو مرتبہ گھر کی صفائی ہونی ضروری ہے اگر پختہ گھر ہے تو قلعی اور کچا ہے تو لپائی تاکہ عید کی خوشیوں میں گھر والی کے ساتھ گھر بھی شریک رہے۔

اس کے بعد گھر والی کے ساتھ اگر کچھ مسلمان نوکر چاکر متعلق ہیں تو اُن کی تنخواہیں کچھ روز پیشتر ادا کر دی مناسب ہیں تاکہ وہ بھی عین عید کے روز اپنی مالک کے ساتھ برابر شریک رہیں اور جس وقت بیوی عید کی خوشیاں منا رہی ہو اُن کی تیوری پر بل نہ آئے۔

اب گھر والی کے سامنے ایک چیز اور آتی ہے۔ بشرطیکہ وہ بااختیار گھر کی ملکہ ہے اور برائے نام بیوی نہیں جس کو گنی بوٹی اور ننھا شور بال رہا ہے اور بیوی کہلا کر ماما کا کام کر رہی ہے کہ جو مل گیا پکا دیا اور جو حکم ہوا وہ پہن لیا۔ یہ چیز صدقۂ فطر ہے۔ جس طرح ہندوؤں میں بھائیوں کی سلامتی اور مردوں کی تندرستی کا روزہ بہنیں اور بیویاں رکھتی ہیں اسی طرح اسلام نے بھی اپنی اور اپنے متعلقین کی صحت کا عید کے موقعہ پر کچھ صدقہ مقرر کیا ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ عید کی خوشی سے غریب بھی محروم نہ رہیں۔ اور یہ خوشی صرف امیروں پر ختم نہ ہو جائے۔

اس سلسلہ میں گھر والی بیگم کو اپنے عزیز اقارب ہمسایہ، جان پہچان، وغیرہ پر نظر ڈال کر دیکھنا چاہیئے کہ کون زیادہ مستحق ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ فطرہ صرف عید ہی کے روز دیا جائے اگر پہلے بھی دیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ اس سے فراغت پا کر بچوں کے لباس کی ضرورت ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں درزیوں کی دکانیں عید سے دو ایک روز پہلے رات رات بھر کھلی رہتی اور جہاں مسلمانوں کے افلاس کا مرثیہ پڑھتی ہیں وہاں بااختیار بیویوں کے پھوہڑپنے پر ضرور آنسو گراتی ہیں۔ اگر کپڑے تیار کروانے ہیں تو چاہیئے کہ وقت سے پہلے ان کا انتظام ہو جائے۔

اب بیوی کو اِن ضرورتوں پر غور کرنا ہے جو اس کے شوہر کی ہیں اور جن میں تھوڑا یا بہت اس کا ہاتھ بھی ہے بعض مرد خوشبو وغیرہ کو پسند نہیں کرتے مگر اسلام نے اس کو اچھا سمجھا ہے اور اس کی بہتری اسی سے ثابت ہے کہ گرم موسم میں اس کا ہونا ہر اعتبار سے مناسب ہے۔ یہاں تک کہ صحت کے لحاظ سے بھی۔

اِن سب ضرورتوں کو پورے طور پر انجام دینے کے بعد بیوی بشرطیکہ اس کو قرض نہ لینا پڑے اپنے اور شوہر کے مشورہ سے

آمدِ عید الفطر

خدا کا شکر عید الفطر خوشیاں لے کے پھر آئی
ہلالِ عید کی پھر ہم نے دیکھی جلوہ آرائی
وہ عید الفطر جس نے زندگی بخشی امنگوں کو
وہ جس کی ہر ادا میں جلوہ گر شانِ مسیحائی
وہ عید الفطر جو مؤمن کے دل کو شاد کرتی ہے
دلِ صائم کو جو دیتی ہے تسکین و توانائی
وہ عید الفطر جو ہے عید سچے روزہ داروں کی
ہوئے روزے جو پورے یہ خوشی خالق نے دکھلائی
وہ عید الفطر جو مسرور کرتی ہے غریبوں کو
امیروں کے گھروں میں بھی ہے جس کی لطف فرمائی
وہ عید الفطر جو انعام ہے روزہ داروں کا
دلوں میں جن کے نورِ صدق وایماں نے جگہ پائی
وہ عید الفطر جو ہر مفلس و نادار و بیکس کی
کیا کرتی ہے آکر سال بھر میں چارہ فرمائی
وہ عید الفطر جو لے کر حیاتِ تازہ آتی ہے
جو کرتی ہے شکستہ خاطروں کی ہمت افزائی
نظر آتے ہیں گھر عشرت کدے ایمان والوں کے
سمجھتے ہیں کہ عید آئی، نشاطِ جانفزا لائی
چمک اٹھتے ہیں سب افسردہ چہرے شادمانی سے
نظر آتی ہے ہر سو ولولوں کی کارفرمائی
لباس اچھے پہنتے ہیں، مزے کے کھانے کھاتے ہیں
بہارِ دیدنی ہے عید کی، چشمِ تمنائی
مہینا بھر کے روزے رکھے ہیں جن اہلِ ایماں نے
ملے گا عید گہہ میں اب انہیں لطفِ جبیں سائی
مبارک ان کو غیرت جن کی زندہ ہے ابھی محوی
مبارک ان کو جو ہیں دین اور ملت کے شیدائی

محوی، صدیقی، لکھنوی

۱۹۴۳ء کی عید

(۱)

پوچھو نہ اپنا حال بُرا ہے جواب کے سال
دیکھو جسے ہے ضعف کے مارے وہی نڈھال
اشیاء خوردنی کا تو پہلے ہی قحط تھا
روزوں نے آکے اور بھی تیل دیا نکال

(۲)

شکر کیا اس کی ازل ختم تو ہو ماہِ صیام
جو کھلائے گا خدا عید کے دن کھالیں گے
اس کا تو توڑا ابھی رہا جنگ کے باعث سے اگر
کھانڈ کے بدلے سوئیوں پہ نمک ڈالیں گے

(۳)

نیا لباس کہاں سے خرید کر لائیں
پُرانے کپڑوں میں کس طرح پڑھنے جائیں عید
نہ ان کو زر ہے میسر نہ گھی نہ شیر و شکر
غریب لوگ منائیں تو کیا منائیں عید

(۴)

شادی کا اہتمام کہ جلسہ ہو عید کا
مفلس کی کوئی بات جو پوچھے تو پھر ہے بات
ورنہ ازل امیر جو ہیں اُن کے واسطے
ہر روز روزِ عید ہے ہر شب شبِ برات

ابوالاعجاز ازل

قاضی محمد قیام الدین مرحوم عصمت کی مشہور شاعرہ محترمہ خورشید آرا بیگم کے والد ماجد قاضی محمد قیام الدین صاحب کا افسوس ہے ۲۹ اگست کو انتقال ہوگیا۔ قاضی صاحب مرحوم برار کے ایک قدامت پرست خاندان سے تعلق رکھتے تھے مگر انہوں نے اپنی لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلا کر مسلمانوں کے لئے ایک قابلِ تقلید مثال چھوڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اور متعلقین کو صبرِ جمیل دے۔

عید

عید کی سچی خوشی کے اصلی مستحق وہی لوگ ہیں جو رمضان کے پورے تیسوں روزے رکھتے ہیں۔ ایک ماہ کی پوری ریاضت اور انتظار کے بعد یہ گوہر مقصود ہاتھ آنا ایک نعمت غیر مترقبہ معلوم ہوتی ہے۔ یوں تو اس تہوار کی خوشی چھوٹے اور بڑے روزے دار اور روزہ خور سب ہی مناتے ہیں مگر عید کی سچی مسرت حاصل کرنے کے لئے جو تزکیۂ نفس لازمی ہے اُس کو سب مدّنظر نہیں رکھتے۔

یہ دن مہینہ بھر کی ریاضت، تمناؤں اور اُمیدوں کے بعد دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے فارغ البالی اور اطمینان دیا ہے وہ دل کھول کر خوشی منا سکتے ہیں مگر اُن کا فرض ہے کہ اپنی عید اور اپنے بچّوں کی مسرتوں کی بہار دیکھنے میں مگن اور غافل نہ ہو جائیں اور غریب و نادار اور معصوم اور یتیم بچّوں اور بے سہارے بیوہ عورتوں کو اس خوشی کی گھڑی میں یاد رکھیں۔

رمضان شریف کے مہینے میں زکوٰۃ نکالنا اس لئے واجب ہے کہ صاحب حیثیت مال و زر کا چالیسواں حصّہ نادار اور غریبوں کی امداد میں صرف کریں۔ چنانچہ اس کا عملی ثبوت عام طور پر مسلمان یوں دیتے ہیں کہ زکوٰۃ کی ایک معتدبہ رقم ہٹے کٹّے مسٹنڈے پیشہ ور فقیروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور اسی لئے بڑے شہروں میں دُور دراز سے پیشہ ور گداگر رمضان شریف کے مہینہ میں آکر جمع ہو جاتے ہیں اور نت نئی ترکیبوں اور تدبیروں سے اس اسلامی ٹیکس کو امیروں سے وصول کرتے ہیں۔ چونکہ دینے والے زیادہ تر اپنی سبکدوشی اور نام نمود کا خیال رکھتے ہیں لہٰذا یہ کبھی غور بھی نہیں کرتے کہ اس طرح پیسہ لٹانے سے ثواب بھی ہوگا؟ اور شارعِ اسلام کی غرض و غایت اس طرح پوری ہوتی ہے کہ نہیں۔

اب کے سال تو کلکتہ میں ویگرینسی بل (Vagarancy Bill) کی وجہ سے رمضان شریف میں راتوں کو ان پیشہ ور فقیروں سے امن ہے۔ ورنہ ہر سال یہ دیکھنے میں آتا تھا کہ اِدھر رویتِ ہلال کی توپ چلی اُدھر مسٹنڈے فقیروں نے چیخنا شروع کیا۔ پانچ پیسہ ایک لبتر چلم شاہ کا سوال ہے۔ پانچ پیسہ ایک لبتر ڈھنڈورا شاہ کا سوال ہے۔ پھر غضب تو یہ کہ روزانہ ایک بجے رات سے جو اُن کی صدائیں شروع ہوتی تھیں تو صبح اذان کے وقت خدا خدا کر کے نجات ملتی تھی۔ تمام رات روزہ داروں کا سونا حرام کر دیتے تھے۔ اگر انگریزی محلہ میں سے دو چار انگریز ڈانٹتے اور ان کو چیخنے سے منع کرتے تو یہ ہٹے کٹے فقیر اُلٹی لال پیلی آنکھیں نکال کر مذہب کا ڈراوا دیتے کہ ہمیں یہ کرنا فرض ہے۔ گویا مذہب کو یہ نام نہاد بدنام کرتے اور مالدار روپیہ پیسہ دے کر اُن کی تائید کرتے تھے۔

اگر صاحب مال حضرات اس زکوٰۃ کی رقم سے حقیقی معنی میں غریبوں بیکسوں اور یتیم بچّوں کی عید منانے کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیں تو ثواب کے علاوہ انہیں سچّی مسرّت حاصل ہو۔ پیشہ ور فقیروں کی لمبی لمبی حاشیہ دار دعاؤں سے وہ حسناتِ دُنیوی ہمیں حاصل نہیں ہو سکتیں جو چند معصوم غریب اور یتیم بچّوں کو عید کے نئے کپڑے پہنا کر ہو سکتی ہیں۔

بعض لوگ فطر کے پیسے بھی اِن ہی فقیروں میں تقسیم کر دیتے ہیں حالانکہ عید الفطر کی زکوٰۃ فطرہ کی صورت میں ایک ایسی رقم ہوتی ہے جس سے کسی نادار غریب کے ہاں عید منائی جا سکتی ہے۔ اور وہ اِن چند پیسوں سے عید کی خوشی میں شرکت کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نماز سے پیشتر فطرہ نکالنا مستحب قرار دیا گیا ہے۔

عام طور سے بچّوں والے گھروں میں عید کے اچھے اور دوسرے کپڑے چھوٹے ہو کر بیکار پڑے رہتے ہیں اگر اس وقت یہ کپڑے بیچارے غریبوں کے بچّوں کو دے دئے جائیں تو اُن کو بے حد خوشی ہو۔

عید کی خوشی اکیلے کوئی نہیں منا سکتا اور نہ اِس میں وہ خوبی اور مسرت ہوتی ہے۔ ہمیں یاد ہے کہ بچپن میں یا جب کبھی

مردوں کی ملازمت کی وجہ سے شہر سے باہر رہنا پڑا اور ایسی جگہ جہاں عام مسلمان آبادی کم ہے وہاں عید کبھی عید معلوم نہیں ہوئی۔ عید کی چہل پہل تو گھروں میں اپنے بچوں اور باہر غریبوں اور ہمسایوں کے بچوں کی عید منانے سے ہوتی ہے۔ اور شہر سے دیہات کی حالت اور بھی بدتر ہوتی ہے اگر دیہات میں رہنے والے صاحب حیثیت لوگ ان غریبوں کی خوشی کا سامان کریں تو اُن کی اپنی بھی خوشی دوبالا ہو سکتی ہے اور ان غریبوں کی بھی۔

یورپ میں غریبوں کے بچوں کے لئے خاص طور پر اور ہر غریب کے لئے عام طور سے کرسمس منانے کا انتظام گرجا کے ٹرسٹ والے یا امرا کرتے ہیں۔ اور ایک کمیٹی قائم کر کے اعلیٰ پیمانہ پر ان غریبوں کی عید منواتے ہیں۔ یہاں کلکتہ میں بھی مشنری سوسائٹی کی طرف سے نادار کرسچن بچوں عورتوں اور بوڑھوں کو کرسمس منانے کے لئے ایک دو روز پیشتر مٹھائیاں لیموں اور کسی کسی جگہ کپڑے بھی بانٹتے ہیں۔ اسی لئے اُن کے یہاں ان موقعوں پر دَر دَر کاسۂ گدائی ہاتھوں میں لئے کسی کو پھرتے نہیں دیکھا جاتا۔ اگر چاہیں تو ہم بھی اس طرح "طعام عید" یا "عید کے کپڑوں کا غریبوں کے بچوں اور رانڈوں کی عید منوانے کے لئے ان خیرات کے پیسوں سے بخوبی انتظام کر سکتے ہیں۔ خدا اس کارِ خیر کی طرف ہم کو مائل کرنے کی توفیق دے۔ آمین ٭

جمیلہ بیگم کلکتہ

عیدِ مہجور

خلد و فردوس بہ آغوشِ نظر ہوتی تھی
متبسّم ترے جلووں سے سحر ہوتی تھی
زندگی پاکے رُخِ صاف کے نظارے سے
غسل کرتی تھی فضا نور کے فوّارے سے
چارسو ایک تجلّی سی جو ہو جاتی تھی
شب، ترے حُسن کی تنویر میں کھو جاتی تھی
چہرۂ صبحِ مسرّت سے دمک اُٹھتا تھا
ذرّہ ذرّہ ترے پرتو سے چمک اُٹھتا تھا
نکہتیں مانگنے آتی تھیں ہوائیں تجھ سے
جگمگائی ہوئی ہوتی تھیں فضائیں تجھ سے
پھول ہنستے تھے تبسّم ترا بِل جانے سے
تازگی پاتی تھیں کلیاں ترے کِھل جانے سے
ہر طرف عیش کے آثار نظر آتے تھے
بام و در مطلعِ انوار نظر آتے تھے
تھا بہارِ دل جاں، چہرۂ خنداں تیرا
خُلد نظارہ تھا جب حُسن درخشاں تیرا

جب مبارک تھیں مرے دل کی اُمیدیں مجھ کو
ہیں ترے سر کی قسم یاد، وہ عیدیں مجھ کو

اب کہ تُو رونقِ گلزار نہیں۔ کچھ بھی نہیں
اب، کہ حاصل ترا دیدار نہیں کچھ بھی نہیں
اب وہ رنگینیٔ کیفِ نگہِ شوق کہاں
دلِ مایوس تمنّا کدۂ ذوق کہاں
اب فضاؤں میں نہ تابش ہے، نہ تابانی ہے
نہ ہواؤں میں وہ نکہت کی فراوانی ہے
اب نظر لذّتِ صد جلوہ در آغوش نہیں
صبحِ امروز میں نورِ سحرِ دوش نہیں
غنچہ و گُل میں تبسّم کا وہ انداز کہاں
اب مسرّت کا وہ سامانِ خدا ساز کہاں

(بقیہ کالم ۲ صفحہ ہذا)

عشرت آغاز کی، حسرت کش انجام ہوئی
مری تقدیر کی ہر صبحِ طرب شام ہوئی

بے ترے اِس دلِ نومید میں کیا رکھا ہے
عید آیا کرے، اب عید میں کیا رکھا ہے

جام نوائی (بدایونی)

آدمی ہونا بہت دشوار ہے

(ایران کی ادبیات جدیدہ کا ایک تازہ طنزیہ افسانہ)

مہر انگیز خانم، مشہور شاعر و ادیب ابراہیم جانباز کی رفیقہ حیات کبھی خوب بات کہہ دیتی ہے، آج ظہر کے بعد شوہر سے بولی۔ "تم کبھی آدمی نہیں بن سکتے، سب کے پاس موٹر کار ہے، سوائے تمہارے"!

یہ ایسا زرین اصول تھا کہ ایران کے تمام انشا پردازوں اور مصنفوں کی پیشانی پر لکھ دینا چاہیئے، ہمارا ادیب اعظم اس کلمۂ طیبہ کو سنکر آدھ گھنٹے کے اندر گھر سے روانہ ہو گیا، اپنے کتب خانہ کی تیرہ ۱۳ نادر کتابیں فروخت کی تھیں۔ ان کی قیمت وصول کرلی تھی، اتفاق سے سب قیمت یکشت مل گئی، اور یہ ایسا واقعہ تھا کہ تاریخ ایران میں نظیر نہ رکھتا تھا، جس وقت دس دس روپیہ کے دو نوٹ اور پانچ پانچ کے چار نوٹ جانباز کے ہاتھوں میں آئے، اس نے بغیر گنے جیب میں رکھ لئے اور فوراً رخصت ہو گیا، خوف تھا کہیں دینے والا کسی بہانے سے واپس نہ لے لے، جانباز جانتا تھا کہ ایران کی تاریخ میں ایسا واقعہ کبھی پیش نہیں آیا کہ کسی مصنف و انشا پرداز نے اپنے اہل وعیال کی فاقہ شکنی کی خاطر اپنے کتب خانہ کی نایاب قلمی کتابیں فروخت کی ہوں اور اس کو قیمت وصول ہو گئی ہو، ہضم نہ ہوئی ہو، دیر نہ لگی ہو۔

برسوں سے ابراہیم جانباز کو تجربہ یہ تھا کہ کتاب بڑی منحوس چیز ہے، یہ شکستہ و بوسیدہ اوراق گردش روزگار سے پنجہ لڑانے والے نسخے، یہ دیمک اور چوہوں سے دست و گریبان رہنے والے نوشتے بچوں کی روٹی کپڑے، جوتی ٹوپی کو تو خیر سانپوں کی طرح نگلتے ہی رہتے ہیں، لیکن جب انسان ان کی نحوست و نکبت کو دفع کرنا چاہتا ہے، اور اصلی قیمت کا دسواں بیسواں حصہ لے کر ان کی بلا کو سر سے ٹالنا چاہتا ہے کہ شاید اس طرح تنگدستی کی تلخی نان و گوشت کی لذت سے بدل جائے، تو یہ مصیبت بھی آپڑتی ہے کہ ہزار تکرار اور تقاضے پر بھی خریدار قیمت ادا نہیں کرتا۔

آج تاریخ ایران میں یہ پہلا کارنامہ تھا کہ ابراہیم جانباز ڈیڑھ سو روپیہ کی قیمت کی کتابوں کے چالیس روپیہ وصول پائے بیس برس ہو گئے، یہ مشہور مصنف اسی نکبت میں گرفتار ہے، کتابوں سے اس کو ایسا عشق ہے کہ جب کوئی کتاب ہاتھ آتی ہے، اور پہلے ورق کی دو ایک سطریں پڑھتا ہے، تو پھر دنیا و مافیہا کی اس کو خبر نہیں رہتی، اس وقت ہوش میں آتا ہے، جب مرغ سحر کی اذان، شب بیدار آنکھوں کی جلن، بھوکے پیٹ کا گڑھا بار بار تقاضا کرتا اور اٹھانا چاہتا ہے، لیکن ابراہیم جانباز پھر بھی پروا نہیں کرتا۔ ابھی کتاب کے چالیس صفحے باقی ہیں، ابھی دیکھنا ہے کہ مصنف نے کتاب کو کس عنوان سے انجام کو پہنچایا ہے،

ہر سال نوروز کی تیاری کے وقت جب مہر انگیز خانم ان دولت کے چوروں، ان ظالم کتابوں کو الٹ پلٹ کرتی اور ان کی گرد صاف کرتی ہے تو ان کا غبار اس کے دل میں بھر جاتا ہے، ان نسخوں کو دیمک اور چوہوں کی دست برد سے بچاتی ہے تو شوہر سے دست و گریباں ہونے کو جی چاہتا ہے کئی دن میاں بیوی میں بدمزگی رہتی ہے،

کیا یہ سچ ہے کہ قدیم زمانہ میں ماں باپ اپنی اولاد کی قربانی کیا کرتے تھے؟ ابراہیم جانباز جب کبھی اپنی لڑکی اور لڑکے کی کفش و کلاہ یا بیوی کی چادر و شلوار یا گوشت روٹی کے لئے اپنے گرد و غبار کے انبار اور دیمک کے آثار کی قربانی پر مجبور ہوتا تو کئی دن وعدے ہی وعدے میں ٹال دیتا ہے، پھر رات کے وقت جب سب سو جاتے ہیں، آہستہ سے چوروں کی طرح اس قبرستان علم و فضل میں داخل ہوتا ہے، جہاں ہزار برس کے مردے ایک دوسرے پر پڑے ہیں، ابراہیم اندر سے دروازہ بند کر لیتا ہے، اور

اپنے عزیز فرزندوں کو، جو کل قربان ہونے والے ہیں، کبھی
ہاتھ میں لیتا ہے، کبھی کھولتا بند کرتا ہے، ان کے بے رنگ
چہروں سے غبار صاف کرتا ہے، ان کے ہر ورق میں اس
کی جان پڑی ہوتی ہے، ہر تار شیرازہ میں اس کا رشتۂ حیات
بندھا ہوتا ہے، پھر بھی ان کو اپنے ہاتھ سے قربان کرتا ہے!
آخر صبح ہو جاتی ہے، اور جانباز ان دل بندوں اور
جگر پاروں کو بازار کے مقتل میں لے جاتا ہے، جس وقت ان
کو کتب فروش کے سامنے رکھتا ہے، اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے
اور آنکھیں بند کئے ہوئے دکاندار سے معاملہ کرتا ہے، ڈرتا
ہے کہ کہیں کتابوں پر نظر پڑنے سے رگ ادبی جوش میں نہ
آجائے کہ پھر فروخت ہی سے باز رہنا پڑے، اس نے اپنی عمر
میں کم سے کم سو مرتبہ اس طرح کا معاملہ کیا ہوگا، اگر وہ ان
معاملات کا حساب ہمیں بتائے تو معلوم ہو کہ اسی مرتبہ
لوگوں نے روپیہ ہضم کر لیا۔ اور بیس مرتبہ جو قیمت وصول ہوئی
تو اس طرح کہ زبان درازی اور حجت تکرار کر کے طے شدہ
قیمت کا بھی چوتھا یا پانچواں حصہ کم کر لیا گیا اور پھر جتنا ملا،
ہزاروں پھیروں اور تقاضوں کے بعد ملا، کتب فروش ہمیشہ
یہ عذر پیش کر دیتا ہے، کہ ابھی کتابوں کا کوئی خریدار پیدا نہیں
ہوا، سچ یہ ہے کہ کون احمق ہے جو نقد دام دے اور اس
مایۂ نکبت اور سامان نحوست کو گھر لے جائے، لوگوں نے
گدھے کا مغز تو نہیں کھایا؟ جس روپیہ سے زمین خرید سکتے
ہیں اور دو چار مہینے بعد معقول منافع پر فروخت کر سکتے ہیں،
یا کوئی مکان مول لے سکتے ہیں، اور اس کی قیمت ایک سال
میں کرایہ دار سے وصول کر سکتے ہیں، بھلا دیوانے ہیں جو
اس روپیہ سے اس تودۂ خاک اور انبار ادبار کو خرید لیں؟
بہرحال آج تو ہمارے فاضل ادیب ابراہیم جانباز
نے نقش الظفر کو دکھایا تھا، نادہند خریداروں نے بغیر امروز
فردا کئے چالیس روپیہ دے دیئے تھے، آج کا دن تاریخ
ادبیات ایران میں یادگار تھا، ابراہیم ہر چند سوچتا تھا مگر
عقل کام نہ کرتی تھی کہ ایسے تاریخی دن خانم نے یہ بات کیوں
کہی تھی کہ "تم کبھی آدمی نہیں بن سکتے"

خدا کا خوف نہ ہوتا تو ہمارا جانباز ایران کے تمام مصنفوں
اور انشاپردازوں کو دعوت دیتا کہ آئیں اور ثابت کریں کہ ان
میں کون ایسا ہے، جس نے ڈیڑھ سو روپیہ مالیت کی کتابیں
چالیس روپیہ میں فروخت کرنے کے باوجود دوسرے ہی
روز بغیر لیت ولعل کے ان کی قیمت وصول کر لی ہو، اس
وقت مہرانگیز خانم رفیقۂ آقا ابراہیم جانباز رئیس المصنفین
طہران پر بھی روشن ہو جاتا کہ وہ اگرچہ کبھی آدمی نہیں بن
سکتا، مگر اس آدمی سے بالاتر بھی ایک مرتبہ ہے،
پھر بھی، یہ دو زہریلے جملے کہ "تم کبھی آدمی نہیں
بن سکتے، سب کے پاس موٹر ہے سوا تمہارے" ابراہیم
جانباز کے دل و دماغ کو مسموم کر رہے تھے، دو گھنٹے سے
ایک قدیم و نادر کتاب "تاریخ خشت سازی" جو نو سو
برس پہلے کی لکھی ہوئی تھی، ابراہیم کے ہاتھ میں تھی، چاہتا
تھا کہ نمونہ کے طور پر اس کا ایک صفحہ خوشخط نقل کرے،
اور حاشیہ پر ایک دو تین چار نمبر ڈال کر متن کی تصحیح کرے
اور مؤلف کتاب اور کاتب نسخہ کے اغلاط بیان کرے لیکن
خانم کے وہ دو جملے اس کے حواس گم کر رہے تھے، معلوم ہوتا
تھا ساری کتاب میں یہی لکھا ہے کہ تم کبھی آدمی نہیں بن سکتے
سب کے پاس موٹر کار ہے سوا تمہارے "
کیا یہ سچ ہے کہ وہ کبھی آدمی نہیں بن سکتا؟ وہ ابراہیم
جانباز جس کا قلم ہر بزاز کی زبان اور ہر پیادے کے پاؤں
سے زیادہ تیزی کے ساتھ چلتا ہے، کیوں آدمی نہیں بن
سکتا؟ ابراہیم جانباز روزانہ چالیس صفحے سیاہ کرتا ہے کاغذ
کا ہر ورق جس میں عطار و بقال کی دکان سے سودا بندھ کر
آتا ہے، اور اس پر مطبع کے پروف کے نشانات ہوتے ہیں
اسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہوتا ہے، پھر کس طرح کہا جا سکتا
ہے کہ وہ ہرگز آدمی نہیں بن سکتا۔
آج مہرانگیز خانم شام کو اپنی ایک سہیلی کے ہاں چلی
گئی تھی، مشہور مثل ہے کہ "خانہ نشستن بی بی از بے چادری
است" (یعنی بی بی گھر سے باہر نہیں جاتی تو سمجھو اس
کے پاس چادر یا برقع نہیں ہے) مہرانگیز خانم جو رات کو

کہیں ملتے نہیں جاتی تو اس کا بھی یہی سبب ہے کہ رات کی سردی اور تیز ہوا سے بچنے کے لئے اس کے شوہر کو اونی چادر خریدنے کی توفیق نہیں ہوئی، بے شک وہ ہرگز آدمی نہیں بن سکتا۔

مہر خانم نے اب کے جاڑوں کے لئے نہ کوئلہ اور اپنید صن جمع کیا، نہ اچار ڈالا، نہ مربّا بنایا، نہ لحاف سیا، جو پار سال جعفر قلی ملازم کے ہاتھ سے تھوڑا سا جل گیا تھا، ابراہیم جانباز! تم بلاشبہ کبھی آدمی نہیں بن سکتے

شاید ہی کوئی دن گزرتا ہو کہ مہر انگیز دو ایک گھنٹہ اپنی اور اپنے شوہر عزیز کی زندگی تلخ نہ کرتی ہو، ابراہیم اپنے دل کو اس طرح فریب دے لیتا کہ خانم جوان ہے، مزاج میں تیزی ہے، ملیریا کا اثر ہے، چڑچڑاپن آگیا ہے، ملیریا زدہ لوگ بدمزاجی کے بہانے ڈھونڈا کرتے ہیں لیکن اس کو بھی خوب یقین تھا کہ میں ہرگز آدمی نہیں بن سکتا۔

آخر مہر انگیز کی بدمزاجی کو بھولنے کے لئے، آدمی بننے کی تدبیر پیدا کرنے کے لئے، حتیٰ کہ موٹر کار خریدنے کے لئے کتاب کے علاوہ اور کیا ذریعہ ہے، کہتے ہیں کتابیں ہر درد کی دوا ہے آخر یہ طب اور ڈاکٹری کی کتابیں کیوں لکھی گئی ہیں؟ دولت پیدا کرنے کا بھی کیا کوئی ذریعہ کتاب کے علاوہ ہے؟ یہ علم معیشت، فن اقتصاد، اصول سرمایہ و تجارت کی تصانیف کس کام کے لئے ہیں؟ کیا موٹر حاصل کرنے کا بھی کتاب کے سوا کوئی اور وسیلہ ہے؟ موٹر کی ساخت اور موٹر چلانے کے متعلق کتابیں کیوں ترجمہ کرتے اور چھاپتے ہیں؟

ابراہیم جانباز انہی خیالات وافکار میں مستغرق تھا، آدمی بننے کی تدبیر، موٹر کی خریداری، مہر انگیز کے لئے اونی چادر کی دستیابی اس کی بدمزاجی کا علاج، یہی باتیں دل و دماغ کے فانوس میں گردش کر رہی تھیں کہ یکایک مرزا علی محمد کتب فروش اپنا مشہور و معروف چرمی بکس لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا، سلام و مزاج پرسی کے بعد بیٹھ کر بکس کھولا اور نہایت احتیاط سے ایک کتاب نکال کر ابراہیم کو پیش کی، ابراہیم جانباز جیسے حضور قلب اور تعظیم و محبت کے ساتھ کسی قدیم قلمی کتاب کو لیتا اور کھولتا ہے اس طرح شاید کسی فرشتہ سے بھی مصافحہ نہ کرتا، میرزا علی محمد کی نظر میں بھی اس سے زیادہ قدر خریدار اور سادہ لوح گاہک تمام ایران میں کوئی دوسرا نہیں، خریدار اور تاجر خوب مل گئے تھے۔

"آقا، یہ تاریخ تسخیر جن و پری ہے، آج تک تمام عالم میں کسی نے اس کی صورت بھی نہیں دیکھی، کہیں اس کا کوئی قلمی نسخہ نہیں ہے تمہارے سر کی قسم، میں نے ابھی کسی کو نہیں دکھائی سیدھا تمہارے پاس لایا ہوں"

"بہت خوب، اچھا اس کی قیمت بتاؤ، لیکن شرط یہ ہے کہ جتنے کو خریدی ہے وہی دام بتانا"

آخر آدھ گھنٹہ کے اتار چڑھاؤ، حجّت و تکرار کے بعد وہ چالیس روپیہ کے تاریخی نوٹ جو آج ڈیڑھ سو روپیہ قیمت کی کتابوں کے معاوضہ میں وصول ہوئے تھے، جن کو ابراہیم جانباز مہر انگیز خانم کی بدمزاجی کو رفع کرنے کے لئے جمع رکھنا چاہتا تھا، جن سے اونی چادر خریدنے موٹر کار پیدا کرنے اور آدمی بننے کے لئے سرمایہ کا آغاز کرنا چاہتا تھا، صرف ایک قلمی نسخہ "تاریخ تسخیر جن و پری" کی نذر ہو گئے! میرزا علی محمد کو علم تھا کہ آج ان چالیس روپیوں کے علاوہ اور کچھ بساط میں نہیں ہے، اس لئے اگر یہ تاریخ تسخیر جن و پری زیادہ قیمت کی بھی ہو تو اس کی تلافی آیندہ دوسری کتابوں کی فروخت کے وقت کر لی جائے گی۔

کیا میرزا علی محمد رخصت ہوتے وقت اپنے دل میں نہ کہتا تھا کہ تم کبھی آدمی نہیں بن سکتے، سب کے پاس موٹر ہے سوائے تمہارے!

ممکن ہے کسی دوسرے کو علم نہ ہو، لیکن میرزا علی محمد جانتا ہے کہ جس وقت ابراہیم جانباز تاریخ تسخیر جن و پری کے مطالعہ میں محو و منہمک تھا، میرزا علی محمد نے اپنا چرمی بکس بند کرتے وقت آہستہ سے تاریخ خشت سازی میز پر سے اٹھا کر بکس میں رکھ لی تھی، وہ کوئی بڑی چیز نہ تھی، تسخیر جن و پری سے فقط چوگنی قیمت کی تھی!

اس تاجر کتب اور اس خریدار کے درمیان ایسے معاملے بہت ہو چکے تھے، اور ہمیشہ ابراہیم جانباز نے کتابوں کے گم ہونے کا الزام مہر انگیز کی گردن پر رکھا تھا،

کیا ایسا شخص کبھی آدمی بن سکتا ہے، کبھی موٹر کار لے سکتا ہے!

میرزا علی محمد! اگر ہم میں سے کوئی شخص آدمی بن سکتا، اور موٹر کار خرید سکتا ہے۔ تو دوست وہ ایک تم ہی ہو!

مترجمہ حامد حسن قادری

دریا کا منظر

آئینۂ دُھندلہ قدرت ہے یہ دریا
یا نقرۂ سیال کا سر سبز خزانا

تنویر جہاں تاب
ایک چادرِ سیماب
یا پارۂ مہتاب

گُل ہنستے ہیں بیساختہ دریا کے کنارے
کس ناز سے کرتے ہیں یہ ہر سمت اشارے

ٹہنی کو جُھکا کر
پتّوں کو اُٹھا کر
عارض کو دکھا کر

رومال ہلانے لگیں پانی پہ ہوائیں
اور لینے لگیں چہرۂ دریا کی بلائیں

موجوں کے کُھلے لب
فیشن میں ہوئیں اب
اور گانے لگیں سب

کچھ ان کی زبانوں پر ہیں ہیبت سے فسانے
داؤد کے دل خوش کُن و جاں بخش ترانے

گائے کوئی جیسے
خیّام کی لَے سے
رومی ہی کی نَے سے

زربفت کی پوشاک ہی ہر گُل کے بدن پر
سورج نے بٹھایا ہو اسے اپنی کرن پر

کس درجہ چمک ہے
ہر پتی دھنک ہے
رگ رگ میں جھلک ہے

عکس آب میں پھولوں کا ہو اور جھوم رہے ہیں
جھک جھک کے یہ ساحل کے قدم چوم رہے ہیں

دیکھا ہے تہِ آب
اک منظرِ نایاب
اک گلشنِ شاداب

پانی میں جو کچھ پودے کھڑے کانپ رہے ہیں
وہ سینۂ دریا کا عمق ناپ رہے ہیں

مُرغاب ہیں جنباں
گرداب ہیں رقصاں
ہو شے ہے وہ شاداں

افکارِ جہاں یاس فزا و الم انگیز
قدرت کے مناظر ہیں سکوں بخش و طرب خیز

گو صورتِ مدہوش
وہ شہر سے روپوش
ہر وقت ہیں خاموش!

محمود اسرائیلی

(بقیہ صفحہ ۱۵۷)

۲۸ مارچ ۱۹۴۳ء

اگر سانس کی آمد و شد پر زندگی کا انحصار ہے تو بے شک میں زندہ ہوں۔ بولتی ہوں ہنستی ہوں اور کھاتی پیتی ہوں۔ مگر سینہ خالی۔ آنکھیں ویران۔ دل مایوسی کے اندھیرے میں سویا ہوا اور دماغ سمجھنے سے یکسر قاصر۔ اسی کا نام زندگی ہے؟ دنیا کے سمندر میں ایک جلے ہوئے جہاز کے نیم سوختہ تختے کی مانند بہی جا رہی ہوں اور نہ معلوم کب تک بہتی چلی جاؤں۔ دنیا میں ہر ہر قدم پر شکست کا سامنا ہوا مگر ہمت نہ ہاری۔ برابر کوشش کرتی رہی، مگر یہ شکست!! آہ!!! ...

خ۔ ج۔ رامپور

سازِ زندگی

دوست! میرے سازِ زندگی کا وہ فردوس گوش نغمہ جس پر کبھی تیری روح وجد کیا کرتی تھی اب خاموش ہو گیا ہے ... ہاں وہ ساز شکستہ ہو گیا اس کے تار ٹوٹ چکے ہیں ... آہ دوست! اب تو ان شکستہ تاروں کو چھیڑنے کی کوشش نہ کر ورنہ اس سے ایسی ناخوشگوار لرزش پیدا ہوگی جو تیرے دل میں درد و کرب کی لہر دوڑا کر تیرے ننھے سے دل کا خون کر دے گی اور اس سے ایسا دلدوز نغمہ پیدا ہوگا جس کو تیرا نازک دل برداشت نہ کر سکے گا ... بیتے ہوئے ایامِ دلکش بھول جا، بھول جا میری محبوب سکھی! ان سہانی صحبتوں کی یاد کو دل سے بھلا دے۔ اس شکستہ ساز کے ٹوٹے ہوئے تاروں پر افسانۂ ماضی دُہرانے کی کوشش نہ کر۔ اس کی شکستہ آواز فضا میں ارتعاش پیدا کر کے تیرے ننھے سے دل کو لرزا دے گی۔ ہاں جا میری محبوب سکھی! ضد سے باز آ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا دلخراش نغمہ تیرے جگر کو چھید دے اس کی دلسوزی کہیں تیرے خرمنِ حیات کو جلا کر خاک سیاہ نہ کر دے ... بے فکری کے وہ ایام دلکش زمانے کے ناروا سلوک اور اس کے تلخ تجربوں نے مجھے بھلا دیئے ہیں تو بھی انہیں بھول جا۔ بھول جانے کی کوشش کر میری سکھی! ایسا نہ ہو کہ کہیں تو بھی میری طرح مستقبل کی خوشگوار امیدوں کا خواب دیکھتے ہوئے اپنی کشتیٔ حیات کو ہلاکت کی طرف دھکیل دے۔ دیکھ سکھی! کہیں تیری کشتیٔ حیات بھی سرابِ ہستی کے گرداب میں پھنس کر نہ رہ جائے؟

ب۔ ن۔ آنسہ۔ ابراہیم بنگلور

....کی ڈائری سے

۴ر مارچ ۱۹۴۳ء

پھر وہی وحشت۔ پھر وہی داغی انتشار۔ زندگی اور کائنات پر غور کرتی ہوں مگر ہر طرف تلخی ہی تلخی اور تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے۔ یہ دیکھ کر دل بیقرار اور پریشان ہو جاتا ہے۔ بچپن میں ایک نظم پڑھی تھی جس میں شاعر نے دنیا کی رنگینیوں اور رعنائیوں کا ذکر کرتے ہوئے دنیا کو جنت ثابت کرنے کی کوشش کی تھی، اور سچ تو یہ ہے کہ اس وقت میں بھی دنیا کو جنت ہی سمجھتی تھی، مگر آج دنیا کی حقیقت کوئی میرے دل سے پوچھے۔ مجھے اس ظالم دنیا سے نفرت ہے! شدید نفرت!!

کسی کو کیا معلوم میرے دل پر کیا گزر رہی ہے، لوگ پانی کو دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ سمندر ساکن ہے، حالانکہ اس کی گہرائیوں میں ایسے طوفان اور ایسے تلاطم برپا ہوتے ہیں کہ اگر وہ سطح پر آجائیں تو کائنات کے ہر ہر ذرہ کو چند لمحوں میں اپنی آغوش میں لے کر میٹھی نیند سلا دیں مگر دنیا!! دنیا کو اس کی کیا خبر!!

۵ر مارچ ۱۹۴۳ء

آج کا دن بھی کل کے دن اور رات کی طرح بیت گیا، نہ کل کے دن میں کوئی خصوصیت تھی اور نہ آج کے دن کو کوئی امتیازی شان حاصل ہے۔ آزاد قوموں کے لئے زندگی کا ہر دن بذات خود ایک نئی زندگی ہے۔ مگر غلام کے لئے تمام زندگی ایک خواب پریشاں سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ آزاد باشندے زندہ ہیں ان کو آزاد رہنے کا حق ہے لیکن غلام نہ تو زندہ ہیں نہ مردہ، زندگی کا ہر حادثہ ان کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے۔ ان کی بوجھ سے دبی ہوئی روحیں زندگی کے سیلاب میں حقیر تنکوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔

انہیں میں سے ایک میں ہوں۔ ایک تاریک کنوئیں میں پڑی ہوں، جہاں زندگی کی ہلکی سی روشنی بھی نہیں آسکتی جہاں مسرت کی حقیر سی کرن بھی نہیں پہنچ سکتی۔ سینہ میں چند ناکامیوں کے نقوش چھوڑ کر یہ رات بھی اپنی تمام افسردگی اور مردہ دلی کے ساتھ گذر گئی۔ غلام زندگی کے لئے ناکامی کوئی نئی چیز نہیں۔

۷ر مارچ ۱۹۴۳ء

خط آئے ہوئے کئی گھنٹہ گذر چکے ہیں۔ کس قدر پیارے اور نصیحت آمیز جملے ہیں۔ ایک ایک جملہ دل میں چبھ کر رہ گیا۔ میں بھی جانتی ہوں کہ "الام اور مصائب سے تنگ آکر موت کی تمنا کرنا نہ صرف بزدلی اور کم ہمتی ہے بلکہ ایک بہت بڑا مذہبی گناہ اور اخلاقی جرم بھی ہے" لیکن "آدمی کیا نہیں کرتا ہے پریشان ہو کر" تاہم مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے کاش میں لکھنے سے پہلے کچھ سوچ لیتی، اگر میں ہی ان کی تکلیف کا باعث بنوں گی تو پھر دنیا میں کون راحت پہنچا سکتا ہے۔ اے خدا میں صدق دل سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتی ہوں۔ مجھے کوئی حق نہیں کہ اپنی ناکامیوں سے متاثر ہو کر ان کی تمناؤں کا خون کردوں جنہوں نے صرف میری خوشی کی خاطر دنیا کی ہر تکلیف کا سامنا کر کے مجھے حاصل کیا۔

۱۷۔ مارچ ۱۹۴۳ء

معلوم ہوتا ہے، کہ کامیابی کو میری کوشش کے ساتھ دشمنی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر ہر جگہ ناکامی کا سامنا کیوں کرنا پڑتا ہے۔ ہر جگہ مایوسی کا بھیانک چہرہ کیوں دیکھنا پڑتا ہے۔ کیا اس لئے کہ عورت کمزور ہے؟ کمزور کو سب دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ظالم ظلم کرتا ہے۔ صرف اس لئے کہ وہ ظلم کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اور اس طاقت کو استعمال کرنا بھی جانتا ہے، مظلوم ظلم سہتا ہے۔ صرف اس لئے کہ نہ تو اس میں ظلم کا مقابلہ کرنے کی طاقت ہے اور نہ مظلومیت کے دائرے سے باہر نکلنے کی جرأت ظالم مظلوم کی ہر کمزوری سے واقف ہوتا ہے۔ اور اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، مظلوم ہر طاقت سے مرعوب اور اس کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہے۔

(باقی صفحہ ۱۵۶ کالم ۲ پر دیکھو)

ہم کیا کھاتے ہیں

ہندوستان اصل میں ایک وسیع براعظم ہے جس میں کئی قومیں آباد ہیں۔ ان کی زبان مذہب اور رہنے سہنے کے عام طور طریقوں کی طرح ان کے کھانے پینے کے دستور اور رواج بھی جدا جدا ہیں جس علاقہ میں جو پیداوار زیادہ ہوتی ہے۔ وہی اس کے باشندوں کی عام خوراک بن جاتی ہے، شمالی ہندوستان یعنی کوہ ہمالیہ کا دامن شاید تمام دنیا میں سب سے زرخیز علاقہ ہے۔ جہاں ہر طرح کے کھانے پینے کی چیزیں نہایت افراط سے پیدا ہوتی ہیں۔ ہر قسم کا غلہ یعنی گندم۔ جَو۔ مکئی۔ باجرہ چاول اور دوسرے اناج، دالیں۔ کئی قسم کی سبزیاں۔ ترکاریاں اور پھل۔ غرض کسی چیز کی کوئی کمی نہیں، اس کے علاوہ دودھ دینے والے جانوروں کے لئے ہر قسم کا چارہ کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ ہر جگہ بڑی بڑی چراگاہیں موجود ہیں اس لئے دودھ اور وہ تمام چیزیں جو دودھ سے حاصل ہوتی ہیں مثلاً دہی مکھن۔ پنیر گھی وغیرہ کثرت سے موجود ہیں۔ گوشت کھانے والے لوگوں کے لئے گوشت مچھلی۔ انڈے۔ ان چیزوں کی بہتات ہے۔ ہندوستان کے باقی حصّوں میں یہ بات نہیں۔ بنگال، مدراس اور بمبئی کے علاقوں میں گندم بہت کم اور چاول بہت زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی چراگاہوں کی کمی کے سبب سے دودھ دینے والے حیوان بھی کم ہیں۔ اس لئے ان علاقوں میں عام لوگوں کا گزارہ گندم کی بجائے زیادہ تر چاولوں پر ہے۔ دودھ کے ساتھ گھی بھی کم ہے گھی کے بجائے کئی قسم کے تیل استعمال ہوتے ہیں۔ پھلوں میں کیلا۔ ناریل۔ زیادہ پیدا ہوتے ہیں چنانچہ ان علاقوں میں دودھ۔ گھی مکھن اور عمدہ قسم کے پھل اور سبزیاں، ترکاریاں فقط امیر لوگوں کو میسر آسکتے ہیں جو مقام سمندر کے قریب ہیں۔ وہاں مچھلی عام ہے لیکن پرانے خیال کے پرہیزگار ہندو جو کسی قسم کا گوشت نہیں کھاتے اس کو اپنی غذا میں شامل نہیں کرتے۔ درمیانی ہندوستان میں گندم اور چاول دونوں کی کمی ہے۔ اس لئے عام لوگوں کا گزارہ گھٹیا قسم کے غلوں پر ہے۔ اس علاقے میں پھل اور سبزیوں کی پیداوار بھی کم ہے۔ اور دودھ مکھن وغیرہ تو بہت ہی کم ہوتے ہیں۔

پس جغرافیائی لحاظ سے سب سے عمدہ اور مکمل غذا شمال مغربی ہندوستان میں اور سب سے ناقص وسط ہندوستان میں پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ سرحد اور پنجاب کے لوگ بلند قد۔ مضبوط جسم، طاقتور اور باہمت ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں ملک کے باقی باشندوں کی نسبت بیماری بھی کم ہوتی ہے، اور یہ لوگ عمر بھی زیادہ پاتے ہیں اس کے برخلاف وسط ہند کے باشندے نہ پورے قد کو پہنچتے ہیں۔ نہ اتنی لمبی عمر پاتے ہیں۔ اور نہ اس قدر طاقت اور ہمت رکھتے ہیں۔

لیکن جغرافیائی حالات کے علاوہ اور بھی کئی باتیں ہیں جو غذا کے انتخاب پر اثر ڈالتی ہیں۔ ان میں سب سے اہم مذہب ہے۔ ہر مذہب کئی چیزوں کے کھانے سے روکتا ہے اور کئی چیزوں کا حکم دیتا ہے یا سفارش کرتا ہے۔ چنانچہ بدھ، جینی اور اونچی ذات کے ہندو کئی صدیوں سے گوشت اور انڈے قطعی استعمال نہیں کرتے۔ لیکن دودھ اور اس سے تیار کی ہوئی چیزوں کا استعمال ان کے ہاں جائز ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ نشاستہ۔ چکنائی۔ پروٹین۔ وٹامن اور کئی قسم کے نمک غذا کے ضروری اجزاء ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی کمی تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے آپ کو ظاہر کر دیتی ہے، اعلیٰ قسم کا نشاستہ اور شکر نباتات ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور ایسے ہی نمک اور کئی قسم کے وٹامن۔ نباتاتی چکنائی یعنی تیل اپنی غذائیت کے لحاظ سے حیوانی چکنائی یعنی گھی اور چربی کے تقریباً برابر ہیں۔ لیکن نباتاتی پروٹین کے متعلق غذا کے ماہروں کا یہ فیصلہ

ہے کہ حیوانی پروٹین کے مقابلہ میں ناقص ہے۔ نباتاتی پروٹین زیادہ تر دالوں میں اور کچھ گندم اور جَو میں موجود ہوتی ہے اور حیوانی پروٹین گوشت۔ انڈے اور دودھ سے حاصل ہوتی ہے صحت کو قائم رکھنے اور جسم کو مضبوط بنانے اور کام کاج کے لئے طاقت بہم پہنچانے کے لئے پروٹین غذا کا نہایت ضروری جزو ہے۔ اس کے علاوہ پروٹین جسم کو سردی کے موسم میں گرم رکھتا ہے۔ اور کام کاج سے جو نقصان ہر وقت ہوتا رہتا ہے اس کی مرمت کرتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ پروٹین جلد ہضم ہو سکے۔ جس غذا سے یہ چیز حاصل ہو۔ اس کا حجم کم ہو تاکہ معدہ اور آنتوں کو اسے ہضم کرنے میں دقت نہ ہو۔ اور یہ خوبیاں فقط حیوانی پروٹین ہی کو حاصل ہیں۔ دودھ اور انڈوں میں نہایت عمدہ قسم کا پروٹین موجود ہے۔ اس لئے وہ لوگ جو گوشت نہیں کھاتے مگر دودھ ضرور پیتے ہیں۔ عمدہ پروٹین حاصل کر لیتے ہیں لیکن اس ملک میں ایسے لوگ کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں جنہیں نہ گوشت میسر آتا ہے اور نہ دودھ وہ اپنا پروٹین دال ہی سے حاصل کرتے ہیں۔ ایک آدمی کو کم از کم ایک چھٹانک پروٹین کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مقدار کوئی ڈیڑھ سیر دودھ سے یا پاؤ سیر گوشت سے یا اسی قدر دال سے حاصل ہو سکتی ہے۔ دال کی اتنی مقدار ہاضمہ پر بوجھ ڈالتی ہے۔ اور اکثر ہضم ہی نہیں ہوتی۔ اس لئے اگر اس قدر مقدار کھائی بھی جائے تو اس سے ضرورت کے مطابق پروٹین حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس ملک میں زیادہ آبادی ان لوگوں کی ہے۔ جن کو یہ چیز ضرورت سے بہت ہی کم ملتی ہے۔ اور اس کے علاوہ غذا کی اور ضروری چیزیں خاص طور پر وٹامن عام لوگوں کی خوراک میں موجود نہیں ہوتے۔

بچوں کو عمدہ قسم کے پروٹین اور ہر قسم کے وٹامن کی خاص طور پر زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ ان کی نشوونما رُک جاتی ہے۔ یا وہ لوگ جن کے ہاں چاول ہی کا استعمال ہوتا ہے۔ انہیں یہ نقصان خاص طور پر زیادہ ہوتا ہے۔ گندم اور جَو میں نشاستہ کے علاوہ کچھ پروٹین۔ نمک اور وٹامن بھی ہوتے ہیں۔ لیکن چاول میں سوا نشاستہ کے اور کچھ نہیں۔ اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ بنگال اور مدراس وغیرہ کے لوگ پست قد۔ کمزور جسم اور بے ہمت ہوتے ہیں۔

جو لوگ اچھی خوراک کھانے کی توفیق بھی رکھتے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ جو نہیں جانتے کہ اچھی خوراک کیا ہے بعض لوگ پیٹ بھر کر کھانا ہی ٹھیک سمجھتے ہیں اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس خوراک میں وہ تمام چیزیں موجود ہیں یا نہیں جن کی جسم کو ضرورت ہے ہمارے ملک میں زیادہ تعداد ایسے ہی لوگوں کی ہے، جو نہ جاننے کے باعث یا غریبی کے سبب سے مکمل خوراک نہیں کھاتے عام طور پر ہندوستانی غذا میں نشاستہ ضرورت سے بہت زیادہ پروٹین بہت کم چکنائی بھی ضرورت سے کم اور وٹامن بالکل نہیں ہوتے۔ یا محض برائے نام ہوتے ہیں۔ اس قسم کی غذا بچوں کو بڑھنے پھولنے سے روکتی ہے جسم کو کمزور رکھتی ہے۔ بیماریوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں پیدا ہونے دیتی۔ اعلیٰ دماغی قابلیت نہیں پیدا کر سکتی، اور انسان کو بہت جلد بوڑھا کر دیتی ہے۔ ہندوستان بھر کے دیہات میں پھلوں۔ سبزیوں۔ دودھ۔ دہی وغیرہ کی کمی ہے۔ اس لئے غذا میں دودھ اور وٹامن کی کمی میں دیہاتی ہندوستانیوں کی بہت بڑی تعداد مبتلا ہے۔

شہروں میں رہنے والے غریب اور درمیانی درجے کے لوگ بھی مکمل غذا نہیں کھاتے۔ کیونکہ شہروں کی آب و ہوا بھی صاف اور درست نہیں ہوتی۔ اس لئے غذائی کمی کے اثر ان پر بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ چھوت کی بیماریاں اور خاص طور پر تپ دق غریب شہریوں میں نہایت تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔

امیر لوگ مکمل خوراک کی توفیق رکھتے ہیں لیکن وہ بھی ناقص خوراک زیادہ کھاتے ہیں۔ جہاں پروٹین کی کمی جسم کے اندر کمزوری اور بیماریاں پیدا کرتی ہے۔ اس

ریادتی جگر۔ گردوں اور جسم کے دوسرے بڑے بڑے اعضاء کو کمزور کرتی ہے، خاص طور پر گوشت کا پروٹین اگر زیادہ ہو تو بہت نقصان دیتا ہے۔ امیروں کی خوراک میں دوسری خرابی یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی سب غذاؤں کو گھی میں بھون کر کھاتے ہیں۔ ایسا کرنے سے غذا کے ڈامن ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور کھانا جلد ہاضم نہیں ہو سکتا۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ یہ لوگ ضرورت سے بہت زیادہ خوراک کھاتے ہیں۔ غذا کیا ہے؟ ہمارے جسم کی مشین کا پٹرول مشین کو اسی قدر پٹرول کی ضرورت ہے، جتنا کام اسے کرنا ہے مشین کو کام پہ نہ لگانا اور اس میں پٹرول ڈالتے جانا کوئی عقلمندی نہیں۔ ایسے ہی زیادہ کھانا اور کام نہ کرنا نقصان دہ ہے۔ اس سے غذا کا فالتو حصہ جو کام کاج میں خرچ نہیں ہوتا۔ یا تو ہضم ہی نہیں ہوتا یا اگر ہوتا چربی کی شکل میں جمع ہونے لگتا ہے امیروں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو موٹاپے کی بیماری میں گرفتار ہوتے ہیں۔ یہ بیماری خطرناک ہونے کے لحاظ سے اور کسی خطرناک بیماری سے کم نہیں جسم کو بدنما کرنے کے علاوہ مٹاپا دل کو اور دوسرے اعضاء کو کمزور کر دیتا ہے بیماری کے مقابلہ میں جسم کو کمزور رکھتا ہے اور لمبی عمر نہیں حاصل ہونے دیتا۔

غذا نہ صرف اپنی ترکیب کے لحاظ سے مکمل ہونی چاہیئے بلکہ اس کے کھانے کا طریق بھی درست ہونا ضروری ہے۔

سکولوں کے طلباء، دفتروں کے کلرک۔ کارخانوں کے مزدور ان لوگوں کو عام طور پر آرام سے بیٹھ کر کھانے کی فرصت نہیں ملتی جلد جلد کھانے سے اول تو غذا چبانے کے بغیر معدے میں پہنچتی ہے اور دانتوں کا کام معدے کو کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے کھانے کے فوراً بعد سکول یا دفتر کو بھاگنے سے خون کا دوران ہضم کرنے والے اعضا کی بجائے دوسرے مقامات میں شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ غذا جو دو تین گھنٹوں میں ہضم ہونی چاہیئے، چار پانچ گھنٹے تک معدہ میں پڑی رہتی ہے۔ کھانا کھاتے وقت پوری بے فکری ہونی چاہیئے تاکہ ہر نوالہ نہایت آہستہ آہستہ چبا کر معدے میں اتارا جائے۔ کھانے کے فوراً بعد کام پر لگ جانے کی بجائے کم از کم ایک گھنٹہ آرام کی ضرورت ہے۔

(آل انڈیا ریڈیو دہلی سے نشر کی گئی)

ڈاکٹر ممتاز حسین

کوہستان شملہ موسم برسات میں

یہ شملہ ہر طرف اک جنت بیدار کیا کہنے؟
فروغ سبزہ و گل، رونق کہسار کیا کہنے؟

اُمنڈتے بادلوں کے سرسراتے ریشمیں آنچل
حسیں فطرت کے پاکیزہ تبسم زار کیا کہنے؟

بھری برسات کے بیست دن، مدہوش سی راتیں
یہ محسوسات کی کیفیت سرشار کیا کہنے؟

شرابی ڈگمگاتے ابر کی تاریک چادر میں
لپٹتے اور الجھتے سرمئی دیو دار کیا کہنے؟

جواں نغمات سے گونجی ہوئی شاداب ڈھلوانیں
اور ان کی گود میں معصوم نغمہ زار کیا کہنے؟

مناظر پر جو اک بے نام مستی بن کے چھائے ہیں
وہ دلکش قہقہے، موسیقی گفتار کیا کہنے؟

پہاڑوں کی فلک رس چوٹیوں کی سرد پیشانی
اور اس پہ مہر و مہ کی بارش انوار کیا کہنے؟

سنہری زرفشاں زرکار زر افروز صبحوں میں
طلائی وادیاں، سونے کے سے اشجار کیا کہنے؟

ہوا میں سوئی سوئی رس بھری تانیں ماشاءاللہ!
فضا میں کھوئی کھوئی نکہت بیدار کیا کہنے!

اُفق کی نیلگوں حد تک طلسماتی نظاروں میں
نظر کی وسعتوں میں پھیلتے گلزار کیا کہنے؟

رگ ہر خار و خس میں جوشش ذوق نمو، توبہ
دل ذرات میں اک خواہش گفتار کیا کہنے!

اری ناہید ان ساون کی مست اور سرد راتوں میں
تیرے اشعار، تیری گرمی افکار کیا کہنے؟

سیدہ انیس ناہید

آزادیٔ نکاح و شادی

ایک ادبی رسالہ کی ایک تازہ اشاعت میں ازدواجی حالات کی جو عموماً دنیا میں پائے جاتے ہیں چند مثالیں نظر پڑیں جو نہایت اہم اور غور کے لائق ہیں۔

پہلی مثال میں ایک چالیس سالہ ذی حیثیت اور شریف خاندانی شخص ایک اٹھارہ سالہ غریب لڑکی پر محبت اور دولت کے ڈورے ڈال کر اُس سے اپنا گھر آباد کر لیتا ہے۔ اُس کو چاہنے، خوش رکھنے اور اپنی دولت سے مالا مال کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتا۔ لیکن لڑکی جلد ہی یہ محسوس کر لیتی ہے کہ اُسے اپنے خاوند سے محبت نہیں۔ وہ ہر چند اُس سے محبت و رغبت پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے مگر ناکام رہتی ہے۔ آخر ایک غریب مفلوک الحال مگر خوشرو و قابل جوان سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ اُس کے گھر میں جا بیٹھتی ہے اور شوہر کو داغ مفارقت دے جاتی ہے۔ وہ روتا پیٹتا رہ جاتا ہے اور اُس کے غم میں دیوانہ اور زندہ درگور ہو جاتا ہے۔

دوسری مثال ایک بدچلن مرد کی ہے جسے بے شمار دولت ورثہ میں ملی ہے وہ ایک ایسی عورت سے شادی کرتا ہے جسے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ شریف النسب ہے۔ ابھی ماہ عروسی ختم نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بیوی کو بھلا دیتا اور خالی بوتل کی طرح چھوڑ دیتا ہے۔ قسمت کی ماری عورت کچھ دن روتی پیٹتی ہے آخر اُسے صبر آ جاتا ہے اور وہ سمجھ لیتی ہے کہ اُس کے آنسو اس سے کہیں زیادہ قیمتی ہیں کہ نفس پرست بے وفا مرد پر ضائع کئے جائیں۔ ایسے ہی ایک خوش جمال شیریں خصال جوان کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ اُس کی راحت کے لئے ہر قسم کی قربانیاں کرتی ہے اور اُس کی جیب اپنے شوہر کے زر و مال سے بھرتی رہتی ہے۔ شوہر نے اُس سے آنکھیں پھیر لیں ہیں۔ وہ شوہر سے بے پروا ہو گئی ہے۔

تیسری مثال ایک رئیس زادے کی ہے جو مفلس ہو گیا ہے ایک بدصورت مگر بہت مالدار عورت سے شادی کر کے اُس کی دولت پر قبضہ کر لینے کے بعد اُسے بھلا دیتا ہے اور ایک اور نوجوان حسینہ سے دوستی گانٹھ لیتا ہے۔ عورت پچھتاتی اور دانتوں سے انگلیاں کاٹتی ہے۔ اس کی پرواہ نہیں کرتی مگر آخر اپنا سارا وقت اپنے تئیں بنانے سنوارنے زیور و لباس کے آراستہ کرنے غازہ مل کر خوبصورت بننے میں گذارتی ہے۔

چوتھی مثال ایک عیش پسند بیوہ کی ہے جو اپنے متوفی شوہر کی بے انتہا دولت کی تنہا وارث ہوئی ہے وہ کسی شخص سے نکاح کر لیتی ہے۔

پانچویں مثال ایک سیٹھ کی ہے۔ جسکو کسی لالچی باپ نے اپنی حسین بیٹی دے دی ہے۔ جو ہنوز جوان بھی نہیں ہوئی۔ جوان ہو کر وہ اب روز بروز گھلتی جا رہی ہے۔ اپنی بے کیف زندگی سے اُکتا گئی ہے۔ موت کی دعا مانگتی ہے۔ یا اُس شخص کی قید سے خلاصی۔ اُدھر وہ شخص اُس سے بیزار ہے کہ اُسے کوئی اولاد اس بی بی سے نہ ہوئی جو اُس کی دولت کا وارث بنتی۔ اور بقائے نسل کا باعث ہوتی۔

چھٹی مثال ایک شاعر کی ہے جس کی بیوی بے عقل، نالائق، بدمزاج ہے۔ اُس کی منظومات کی داد دینے کی قابلیت کجا اُس کے اشعار پر ہنستی، مذاق اُڑاتی ہے۔ شاعر ایک غیر عورت کی محبت میں مبتلا ہے جو اُس کے ذہن کو جلا بخشتی اُس کے دل کو [illegible] کرتی اور تبسم ریزیوں اور اشارات و کنایات سے غیر فانی خیالات القا کرتی ہے۔

دُنیا اور قانون ان سب کو ان کے اطوار سے روکتے ان کے طرز عمل اور چلن کو نامناسب قرار دیتے ہیں۔ لیکن حق و انصاف کیا ہے؟

پہلی مثال میں جو اٹھارہ سالہ لڑکی چالیس سال کے مرد سے شادی کر کے باوجود مرد کی خوش سلوکی، خاطر داری اور محبت کے اُسے داغ مفارقت دے جاتی ہے تو اپنے فعل کی شاعرانہ حمایت کرتی ہے۔ اور یہ تمام وکالت ایک افسانہ نگار کے قلم سے ہے اور عورت بھی فرضی ہے لیکن اس کی واقعی مثالیں ہر جگہ ہر قوم میں پائی جاتی ہیں اُن کے فعل کی یہی حمایت کی جا سکتی ہے جو افسانہ نگار کے قلم نے کی۔ اس تقریر میں قانون اور معتقدین قانون کو کافی ستایا گیا ہے۔ لیکن کچھ نکتہ چینی بھی کی جا سکتی ہے۔ اٹھارہ برس کی عمر کوئی کم عمر نہیں۔ دُنیا بھر کے قوانین نے اس عمر کی عورت کو عاقل اور سمجھدار اور اپنی مرضی کا مالک مانا ہے۔ اس نے اُس وقت زیادہ

اور ٹھاٹ باٹ کو پسند کیا کیونکہ وہ غریب تھی اور ان چیزوں کی بھوکی تھی۔ کیا قانون یہ ہونا چاہیئے تھا کہ وہ ان چیزوں کو پسند کرنے سے روک دی جاتی؟ یا قانون یہ ہونا چاہیئے تھا کہ جب تک اُس کو ان چیزوں سے نفرت اور اُکتاہٹ پیدا ہو اُسے شادی نہ کرنے دیا جاتی؟ کیا اٹھارہ برس کی عمر تک کوئی ہم سن نوجوان ایسا نظر نہ پڑا تھا جس کی طرف وہ رغبت محسوس کرکے عمر کی پختگی پر نوجوانوں کی ترجیح کو سمجھتی؟ اس قسم کے اور بھی اعتراض اس عورت پر کئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً جب یہ نوجوان جس سے اُس نے جوڑا لگایا پڑا تا پڑا اور نوجوانی سے اُترا۔ ساتھ ہی کوئی اور نوخیز نظر پڑا تو جو اصول اس نے پسند کیا اُس کے مطابق شوہر کو چھوڑ دینے اور اُس نوخیز سے تعلقات قائم کرنے کے لئے اُس کی روح پھڑ پھڑائے گی۔ وقس علی ہٰذا اگر بڑھیا بھی ہو جائے گی تب بھی دل تو اس کا وہی رہے گا۔ پس قناعت کرنے اور دل کو جولانیوں سے روکنا لازم آیا ورنہ انجام وہ ہوگا جو خدا نہ کرے شریفوں کا ہو

شوہر کے گھر سے فرار ہونا۔ مرتد ہوکر غیر کی پناہ لینا وغیرہ۔ یہ ٹیڑھی راہیں اختیار کرنے کی عورت کو ضرورت نہیں۔ اگر باہم ناچاقی اور نااتفاقی لا علاج صورت اختیار کرلے، شوہر بے اتفاقی سے باز نہ آئے۔ نان نفقہ نہ دے سکے، مرتد ہو جائے، واقعی مرد نہ ہو، آوارگی، ڈھیٹ داری، بدوضعی، بدمعاش ہو۔ ان سب حالات میں عورت کو طلاق پانے کا قطعی حق ہے اور قاضی کو شرع کی تاکید ہے کہ طلاق کرادے۔ مکرر۔ اگر عورت کے وارثوں نے خلافِ مرضی بیاہ دیا ہے یا بیاہنا چاہتے ہیں تب بھی عورت اگر بالغ ہے ایسے نکاح سے انکار کرسکتی ہے۔ اگر نابالغ ہے تو بالغ ہونے پر اس کو مسترد کراسکتی ہے۔ سوال صرف عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے اور عدالت کا انصاف سہل الحصول ہونے کا ہے اور یہ دونوں چیزیں حاصل ہوسکتی ہیں اگر عورت میں قابلیت ہو یا عورتوں کو تعلیم کے ذریعے قابلیت پیدا کرنی اور پیدا کرانی لازم ہے۔ جہاں یہ قابلیت موجود ہے اور عدالتیں منصف و ذی اقتدار ہیں عورت کی یہ تمام مشکلیں آسان ہیں۔ خلاصہ یہ کہ قانون نے کوئی ظلم و جبر عورت پر روا نہیں رکھا ہے۔ یہاں شاید یہ سوال ہو کہ مرد کی طرح تین بار طلاق کا لفظ کہہ کر جدا ہو جانے کا اختیار عورت کو کیوں نہیں دیا گیا؟ عورت کے لئے یہ آسانی کیوں نہیں؟ جواب یہ ہے کہ عورت اب تک بمقابلہ مرد کے کمزور ہی رہی ہے۔ قانون نے بھی اس کو کمزور تصور کیا ہے۔ عورت ہزار مرتبہ شوہر سے بیزاری ظاہر کرے اور طلاق دے مگر بغیر کسی زبردست امداد کے اُس کے قبضہ سے نکلکر محفوظ نہیں رہ سکتی۔ نہ اُس کو اپنے سے باز رکھ سکتی ہے اُس کو اپنا پلّہ مرد کے برابر کرنے کے لئے عدالت کا پاسنگ ڈالنا لازم و ناگزیر ہے۔ جو خلع عدالت کے ذریعہ ہوگا عدالت کی تمام قوت و اقتدار اُس کی حمایت کو موجود ہوگا بس عدالت کے توسل کی عورت کو خود ضرورت ہے۔ عدالت جب نہ ہو عورت اور مرد کے کنبہ داروں اور رشتہ داروں کو قرآن کا حکم ہے کہ وہ بیچ بچ کرکے زوج و زوجہ کے مناقشے کا انصاف سے تصفیہ کردیں۔ عورت کو مدعی بننا آسان نہ ہو تو وہ اپنے اعزہ کے زیرِ حمایت خانہ نشین رہکر مرد کو مدعی بننے پر مجبور کرسکتی ہے۔ اس صورت میں عورت کو مرد کے دعوے کا صرف جواب دینا واجب رہجاتا ہے۔ ہم نے خود دیکھا کہ عورت میکے میں جا بیٹھی شوہر نے بازدہی عورت کا دعویٰ کیا اور ثابت کردیا کہ اُس کی طرف سے کوئی بدسلوکی وغیرہ نہیں، "عدالت نے اُس کے موافق فیصلہ کرکے عورت کو حکم دیا کہ اُس کے گھر جائے ورنہ قید کی جائے" عورت نے جیل خانہ کو ترجیح دی۔ یہ دیکھکر شوہر نے جو واقعی ایک نیک مرد اچھا آدمی تھا دعوے سے دست برداری اختیار کرلی کہ جیل میں رکھے جانے کے واسطے اُس نے دعویٰ نہیں کیا تھا۔

ہم نے شوہر کو خود دیکھا تھا نہایت خوشرو، صالح، تندرست کماؤ، شریف، جوان تھا مگر پسند کا کیا علاج۔ اپنی اپنی پسند ہے۔ زوجہ اُس کو ناپسند کرتی تھی۔ اُس کی طبیعت اُس مرد سے راضی نہ تھی عدالت کا حکم البتہ بیوقوفی سے خالی نہ تھا بلکہ مہمل تھا جبکہ عورت راضی ہی نہیں تو اس صورت میں عدالت کا فرض عورت کی طرفداری کرنا اور مرد سے طلاق دلانا تھا جیسا کہ ہمارے آنحضرت صلعم نے کیا۔ ذیل میں ہم اس کے متعلق صحاح ستہ کی حدیث نقل کردیتے ہیں۔ جو اپنی حکایت آپ بیان کرتی ہے۔ اور ثابت کرتی ہے کہ آنحضرت کا انصاف بیسویں صدی عیسوی کی انگریزی عدالتوں کے انصاف سے کس قدر بڑھا ہوا تھا!

حدیث یہ ہے:۔ عَنْ ابنِ عبّاسٍ انّ امرأۃ ثابت بن قیس اتت النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فقالت یا رسول اللّٰہ ثابت بن قیس اما انّی ما اعیب علیہ فی خلقٍ ولا دینٍ ولکنّی

اکرہ الکفر فی الاسلام۔ فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اتردین علیہ حدیقتہ؟ قالت نعم۔ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ اقبل الحدیقۃ وطلقہا تطلیقۃ (نسائی)

(ترجمہ) ابن عباس سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس کی عورت (ام حبیبہ نام) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگی "یا رسول اللہ میں ثابت بن قیس پر کسی طرح کا عیب نہیں لگا سکتی نہ اُس کی عادات میں نہ دین داری میں لیکن میں کفر (انکار) کو اسلام میں ناپسند رکھتی ہوں" پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم ثابت کا دیا ہوا باغ اُس کو واپس کر دوگی؟ عرض کیا "جی ہاں" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (ثابت سے) فرمایا "باغ لے لو اور اسے ایک طلاق دے دو۔" (نسائی)

یہ حدیث دو طرح سے صحیح نسائی میں وارد ہوئی ہے۔ دوسرے طریق میں آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "ام حبیبہ اپنے کنبہ میں جا بیٹھیں" یعنی کہ آنحضرت صلعم کے فیصلہ پر عمل درآمد ہو گیا۔ آپ کا فیصلہ ناطق و نافذ ہوا۔

شمس العلما ڈاکٹر مولوی نذیر احمد دہلوی مرحوم کا اس حدیث شریف پر یہ حاشیہ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں "ثابت بن قیس کی بی بی کو اپنے شوہر سے کوئی طبعی منافرت ہوگی جس کی وجہ سے اُسنے مفارقت چاہی لیکن اُس کی وجہ کو ظاہر نہیں کیا۔ کفر کو اسلام میں ناپسند رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کی نافرمانی کفر سمجھتی اور اسلام میں اس کفر کو ناپسند کرتی ہوں"!

اللہ اللہ! اسلام میں ایسی بیبیاں بھی ہو گذری ہیں جو شوہر سے ناخوش رہنے کو کفر سمجھتی تھیں۔

آنحضرت صلعم کی تہذیب اخلاق صد آفرین کہنا چاہیئے کہ آپ نے ام حبیبہ سے وجہ ناراضی دریافت کرنے سے پرہیز فرمایا۔ آج بیسویں صدی عیسوی کی یورپ کی عدالتوں میں بھی یہ تہذیب مفقود ہے۔ وجہ ناراضی وہ ضرور پوچھتے ہیں اور اس پوچھنے پر جو جو عقدے کھلتے ہیں وہ اخباروں کے ذریعہ مشرق سے مغرب تک کی محفلوں میں نقلِ محفل بنتے ہیں!

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ آنحضرت کی زندگی میں یہ ایک مثال گذر گئی۔ پھر کبھی اور کہیں ایسا نہ ہوا ہوگا کہ زوجہ کے محض ناراضی ظاہر کرنے پر خلع ہو گیا [illegible] ۔ اسلامی [illegible]

سچے مسلمان ہیں اور تعلیم اسلام اُن کی معاشرت میں نفوذ کر گئی ہے۔ وہاں اس حدیث پر عملدرآمد اب بھی موجود ہے۔

میرے ایک معزز کرم فرما جو الریاض (پایۂ تخت سلطان ابن سعود) میں سرکار انگریزی کے نمایندے رہ چکے ہیں فرماتے تھے کہ وہاں کے امیروں میں سے ایک سے اُن کی گہری ملاقات تھی خوب ملنا جلنا رہتا تھا ایک دن جو گئے تو سُنا کہ اُن کی بیوی کو طلاق ہو رہی ہے اُنہوں نے بپاس ہمدردی و انسانیت سمجھانا چاہا کہ بچے ویران ہو جائیں گے یہ کیا حماقت ہے۔ اپنا بنا بنایا گھر کیوں بگاڑتے ہو؟ امیر نے کہا کہ میں تو طلاق نہیں دے رہا میری زوجہ خود اُس کی طلبگار ہے۔ پوچھا کیوں؟ کیا وہ کسی اَور سے نکاح کرنا چاہتی ہے! میرے کرم فرما کہتے تھے کہ یہ سُن کر مجھے بہت ہی غصہ آیا اور میں نے اُن سے کہا کہ میری بیوی مجھے ایسا کہتی تو میں اُس کی گردن اُڑا دیتا۔ ہندوستان میں کسی کی بیوی بھی ایسا کہے تو وہ اُسے مار ڈالے یا مارنے سے بدتر کر دے۔ آپ ہرگز طلاق نہ دیں" امیر سُن کر ہنسا اور کہا "اگر میری بیوی نے صداقت اور صفائی سے کہہ دیا کہ وہ کسی اَور کو پسند کرتی ہے تو اس میں کیا بُرائی ہے؟ دل سے انسان مجبور ہے سچ بولنے کا یہ بدلہ نہ دینا چاہیئے جو آپ تجویز کرتے ہیں۔ اور یہ بھی حماقت ہے کہ اُس کو زبردستی رکھا جائے اس کا نتیجہ اُس کی دشمنی اور اپنا نقصان مول لینا ہے۔ دشمن ہو کر وہ میری خیر خواہ نہیں رہ سکتی مجھکو نقصان پہنچائے گی، طرح طرح سے ایذا دے گی۔ ممکن ہے مجھے زہر دیدے یا مروا ڈالے۔ مجھے کیا حق ہے جو اس کو زبردستی قید کر کے رکھوں؟" میرے کرم فرما کہتے تھے کہ میں اُس امیر کا منہ دیکھتا رہ گیا!

اس حکایت کا ضمیمہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں جو میرے کرم فرمانے کہا کہ ایک روز جو امیر مذکور کے ہاں گیا تو معلوم ہوا کہ امیر صاحب آج کہیں جا رہے ہیں۔ اُن سے ملے تو پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ کہا کہ "ہماری زوجۂ سابقہ نے ہماری اور اپنے بچوں کی ضیافت کی ہے اُس کے شوہر موجودہ کے مکان پر جانا ہے"! القصہ امیر مذکور نے وہاں جا کر ضیافت کھائی۔ ماں نے بچوں کو گلے لگایا۔ اُن کے دیدار سے دل شاد کیا اور ہنسی خوشی واپس آ گئے۔

ہمارے ہندوستانی بھائیوں کو اس حکایت پر انتہائی تعجب ہوگا۔ شاید جھوٹ سمجھیں مگر میرے معزز کرم فرما [illegible]

اور ہندوستان میں موجود ہیں اُن سے تصدیق کرائی جا سکتی ہے نام نامی خان بہادر صدیق حسن ہے۔

خیال کرنا چاہیئے کہ اسلام نے عورت کو کس درجہ آزادی عطا کی ہے۔ مگر چونکہ اسلامی فقہ مردوں نے مرتب کیا ہے عورتوں کے اس حق کو دبانے سے قلم چرایا گیا ہے۔ کنز الدقائق جو فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہے۔ اس میں خلع کے متعلق بہت سے مسائل ہیں۔ نہیں ہے تو یہی مسئلہ نہیں ہے کہ عورت خلع کی طالب ہو تو اُس کو بخوشی فرزند؟ بلا چون و چرا خلع دلا دینا اور دینا واجب ہے جیسا کہ حدیث صحیح منقولہ بالا سے ثابت ہے!

مگر عورتوں کو جو حقوق اسلام نے عطا کئے ہیں اُن سے مستفید ہونے کے لئے عورتوں کا خود قابل و تعلیم یافتہ ہونا لازم ہے بغیر تعلیم و قابلیت کے عورتیں تو عورتیں ہی ہیں مرد بھی اپنے حقوق ملاحقہ؟ حاصل کرنے پر محروم رہ سکتے ہیں۔ بخوبی مستفید نہیں ہو سکتے

اگر یہ حق خلع عورتوں کا تسلیم کر لیا جائے اور مسلمان مرد صحیح مسلمان ہوں تو پھر وہ صورتیں بھی جو مثال ملے اور اُس کے بعد کی مثالوں میں مذکور ہیں پیش ہی نہیں آ سکتیں اور گناہ کا راستہ اختیار کرنے کی عورتوں کو ضرورت باقی نہیں رہتی! دونوں اپنے اپنے گھر خوش رہ سکتے ہیں۔ چونکہ شرع کی جگہ شرم و رسم نے غصب کر رکھی ہے اسلئے یہ رسوائیوں کی صورتیں پیدا ہوتی اور پیش آتی ہیں۔ جن کا مندرجہ بالا چھ مثالوں میں مذکور ہے۔ حالانکہ شرع میں شرم نہیں ہے۔

پس نہایت لازم و ضروری ہے کہ عورتوں کے نصاب تعلیم میں ایک باب یا کوئی کتاب ایسی مقرر کی جائے جس سے اُن کو اپنے حقوق اور شرعی حیثیت سے کماحقہٗ آگاہی ہو۔ یہ صرف تھوڑی سی باتیں ہیں۔ کوئی لمبا چوڑا کورس نہیں ہے۔ دوسرے عورت سے عین وقت نکاح پر جبکہ وہ دلہن بنی دبی سکڑی مجمع میں گھری ہوتی ہے اُس کی مرضی پوچھنے کے علاوہ نسبت منظور کرنے سے پہلے ہی عندیہ لے لینا واجب ہے۔ سمجھ دار مائیں اس پر اب بھی عمل کرتی ہیں اور نسبت نامنظور کرنے میں اکثر اُن کا انکار در حقیقت لڑکی کا انکار ہوتا ہے۔ جسے وہ اپنے اوپر اوڑھ لیتی ہیں۔ لڑکی کا [illegible] ملنا اتفاقی و عموماً اور ایک اتفاقی امر ہے جتنا کہ لڑکے کی پسند کی لڑکی میسر آنا۔ لڑکا ہزار چاہے کہ فلاں لڑکی سے اُس کی شادی ہو لیکن جب تک لڑکی کے والدین یا خود لڑکی نہ چاہے ناممکن ہوتا ہے۔ یہ صرف ہم ہی لوگوں تک نہیں بلکہ دُنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ اور آزاد سے آزاد سوسائٹی میں یہ کیفیت پائی جاتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص نامور ہوتا ہے تو اُس کی شادی کی لئے سینکڑوں لڑکیوں کی درخواستیں آ جاتی ہیں۔ لیکن بعض اوقات ایک بھی مقبول نہیں ہوتی۔ اکثر رشتے غرض کی بنا پر ہوتے ہیں۔ عموماً خوشحالی پر فریفتہ ہو کر۔ بہت کم محبت کی بنا پر۔ جو رشتے محبت کی بنا پر ہوتے ہیں وہ بھی آگے چل کر اتنے ہی ٹوٹتے ہیں جتنے دیگر قسم کے رشتے آئندہ ناکام رہتے ہیں۔ یورپ و امریکہ کی طلاقوں کے اعداد و شمار اس کے گواہ ہیں۔ پس ہماری لڑکیاں یا لڑکے اس بارے میں کسی خاص بدقسمتی کی حالت میں نہیں۔ ان حالات سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ شادی کا رواج ہی سرے سے لغو ہے لیکن اگر اس رواج کو اُٹھا دیا جائے تو انسانی سوسائٹی جانوروں کا گلّہ رہ جاتی ہے۔ پس لازم آیا کہ کبوتر اور کبوتری کی طرح جوڑا لگا کر رہیں جوڑا جیسا بھی میسر آئے یا آگے چل کر ثابت ہو۔ اُس پر حتی الامکان قانع و شاکر رہیں۔ اور جب یہ ناممکن ہو جائے تو قانون میں ایک دوسرے سے جُدا ہو جانے کی آسانی موجود ہو۔ یورپ کے قانون اب اس اصول پر پہنچے ہیں۔ شرع اسلامی تیرہ سو برس قبل اس کو مقرر کر چکی ہے لیکن طلاق میں اُس نے دوسرے انکار جلد بازی کو روکا ہے۔ تین مہینے میں تین بار کرکے ٹھیر ٹھیر کر سوچنے سمجھنے کو کافی وقت لے طلاق یا خلع دینے کا مشورہ دیا ہے اس عرصہ میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ صلح و مصالحت ہو جاتی ہے گھر بگڑنے سے بچ جاتے ہیں۔ اور بچے ویران ہونے نہیں پاتے ہیں۔ بچوں کی دیرانی کا بھی شرع نے خیال رکھا ہے۔ نابالغی میں اُن کو ماں کے پاس رہنے کا اہل و مستحق قرار دیا ہے اور باپ پر اُن کی پرورش کے مصارف عائد کئے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر بچہ شیر خوار ہو تو ماں کو دودھ پلانا فرض نہیں۔ انکار کر جائے یا ماں کو دودھ پلانے کا معاوضہ دیا جائے۔

اسلام نے آخر میں یہ بھی کہدیا ہے کہ مباحات میں بدترین چیز طلاق و خلع ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ اس کو کھیل نہ بنائیں بچے ہونے کی طرح اس رشتہ کو ہر ادنیٰ بات پر توڑ لینے پر مستعد ہوں۔ جوش جذبات کو قابو میں رکھیں۔ ایک جذبہ جو دل میں پیدا ہو [illegible] کے لائق نہیں ہے۔ عقد نکاح ایک [illegible] کو توڑنا [illegible]

"ابّا...... بنے"

بیگم نے برقعہ اوڑھتے ہوئے فرمایا "بچّوں کا دھیان رکھئے گا میں تین بجے تک تو واپس آجاؤں گی" میں نے کہا "لیکن دیکھو تو، مسلسل کئی گھنٹہ تک ماشاءاللہ تینوں بچّوں کو بہلانا میرے ساتھ زیادتی ہے" بیگم کے تیور بدل گئے جھنجھلا کر بولیں "میں آپ سے یہ تھوڑی کہہ رہی ہوں کہ آپ گود میں لے کر بہلائیے یا کندھے سے لگا کر ٹہلئے میرا مطلب یہ ہے کہ آتا نئی ہے بچے اُس سے مانوس نہیں ہیں آپ خیال رکھئے گا"

"یعنی کس کا؟" میں نے چندرا کر پوچھا۔

بیگم بولیں "ارے بھئی بچّوں کا اور کس کا"

"معاف کرنا میں سمجھا کہ آتا کا"

"آپ کے سمجھنے کا کیا ہے یوں ہی سمجھا کرتے ہیں"

میں نے کہا "بیگم تمھیں معلوم تو ہے کہ میں قریب قریب ساری رات کا جاگا ہوا ہوں سوچا تھا کہ صبح اتوار ہے دو ڈھائی گھنٹہ سو جاؤں گا لیکن تمہیں بھی آج ہی جلسہ میں جانا ہے"۔

"پھر ان باتوں سے آپ کا مطلب کیا ہے؟ یہی نا کہ میں نہ جاؤں"

"نہیں نہیں خدانخواستہ میرا یہ مطلب کیوں ہونے لگا تم جاؤ شوق سے جاؤ۔ کہہ تو رہا ہوں کہ تمھارے بچّوں کو بھی بہلا لوں گا۔ اور۔۔ ...... لاحول ولا قوۃ"

وہ کھِل کھِلا کر ہنس پڑیں اور جلسہ میں چلی گئیں اور ہم اپنے تینوں بچّوں کی رکھوالی کو رہ گئے۔

چھوٹی بچی تقریباً ڈیڑھ سال کی تھی اُس سے بڑی ریحانہ چار سال کی اور ظہیر ریحانہ سے دو سال بڑا تھا۔ مجھے ریحانہ سے خاصی محبت تھی اور وہ بھی اباجان اباجان کرکے ہر وقت لپٹتی تھی۔ لڑکوں کے متعلق مشہور ہے کہ بیٹے تو گھر کے پیچھے ہوتے ہیں یہی حال ظہیر کا تھا۔ چھوٹی منّی سے میں کچھ گھبراتا تھا پھر بھی وہ مجھ سے کافی مانوس تھی المختصر ہم اپنے چینٹی پوٹوں کو لے کر ڈرائنگ روم میں چلے گئے اور آتا نے دھوتی کا پلّو جھاڑتے ہوئے فراغت کا سانس لیا۔ ظہیر کو ہم سے دلچسپی نہیں تھی لیکن ہماری چیزوں سے انہیں خاص اُنس تھا۔ پہلے تو وہ لپک کر دستر ... کرسے ... اور ... ہیٹ جو پرسوں ہی

خرید اتھا، سر پر رکھ آگئے۔ میز کے اوپر سے عینک کا کیس اُٹھا کر عینک کی کمانیاں کانوں پر لٹکالیں اور کھونٹی پر سے بیٹی اُتار کے کمر پر باندھ لی اور چھڑی تو وہ بہت پہلے ہی سے اُٹھا لائے تھے۔ میں نے چمکار کے ڈرتے ڈرتے کہا بھی کہ میاں شیشہ ٹوٹ جائیگا عینک اُتار دو لیکن اس وقت وہ خود اباجان بنے ہوئے تھے!

ریحانہ اور چھوٹی منّی کے آگے میں نے دو تین تصویروں کی کتابیں ڈال دیں وہ دونوں تصویریں دیکھنے میں مشغول ہوگئیں اور میں صوفہ پر لیٹ کر اُونگھنے لگا۔ ریحانہ کی ہلکی سی چیخ سے میں نے جھک کر دیکھا۔ منّی نے دیا سلائی جلالی تھی اور ریحانہ گھٹنوں پر دونوں ہاتھ رکھ بے تحاشا پھونکیں مار رہی تھی۔ اور منّی ہنس رہی تھی۔ دیا سلائی بجھ گئی تھی۔ میں نے منّی کے ہاتھ سے جلا ہوا تنکا پھینک کر کہا "کیوں پیٹوں؟" بس منّی کا ہونٹ آگے نکل آیا اور وہ چیخ مار کر رو دی۔ آتا نے بہتیرا بہلایا مگر وہ نہ بہلی۔ آخر میں نے ہی بار جھک مار کے منّی کو اُٹھا کر پیٹ پر بٹھا لیا۔ اور چیا (چڑیا) بوتر کو پکار کے اُن کا دھیان بٹایا۔ اب وہ راضی ہو گئی تھیں اور تالیاں بجا بجا کر میرے پیٹ پر کدائیاں لگاتے لگاتے میرا منہ نوچنے لگیں۔

"کیا لوگی منّی کیا بات ہے" میں نے پچکارا۔ وہ میری ناک گھسیٹ کر بولی۔ "ابّا ماموں موٹے" بس اُس کا مطلب سمجھ گیا اور جلدی سے ٹانگوں پر بٹھا کر جھو جھو جھوٹے ماموں موٹے" کرتا رہا۔ جب میں پاؤں روک لیتا تو وہ کہتی "آول۔ آول" اور میں پھر اُسی طرح ماموں موٹے کی تسبیح کے ساتھ پاؤں ہلانے لگتا۔ اور "راجہ کا کوٹھا گرتا ہے گرتا ہے" کہہ کر دھمّا کر دیتا۔ میں گھبرا گیا تھا آخر کب تک یہ بے وقت کی ورزش کئے جاتا۔ وہ تو ظہیر میاں کا بھلا ہو کہ باہر سے ایک چڑیا کا بچّہ پکڑ کر لے آئے۔ منّی کود کر ظہیر کے پاس گئی اور میں پنجے جھاڑ کر اُکڑوں ہو بیٹھا۔

گھڑی نے ٹن ٹن بارہ بجا دیے۔ میں اُٹھ کر غسلخانے میں گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ بچّوں نے بھی میرے ہی ساتھ کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں نے آتا کو ہدایت کی کہ وہ بچوں کو دوسرے کمرہ میں لے جا کر بہلائے میں سونا چاہتا ہوں۔ آتا بچّوں کو لے گئی اور میں ...

دراز ہوگیا۔ نیند بھی ایسے غضب کی آرہی تھی کہ میں لیٹتے ہی سوگیا۔
یکایک کسی زور کے دھماکے سے میں چونک پڑا اور گھبرا کر باہر صحن کی طرف دوڑ کر گیا۔ ظہیر میاں کے ہاتھ میں میری ہاکی سٹک تھی اور پانی کا مٹکا ٹوٹا پڑا تھا اور وہ خود پانی میں شور بہ شور سبکیاں لے رہے تھے۔ میں نے آنا سے غصہ میں کہا کہ آنا تم ذرا سی دیر بھی بچوں کو نہیں بہلا سکیں بچے کے کپڑے جلدی تبدیل کرو۔ اور ہاکی سٹک اندر رکھ آؤ۔ آنا ناک سکیڑ کر بولی "سرکار میں بہلا تو رہی ہوں ننھے میاں گیند مانگ رہے تھے مجھے کیا معلوم آپ کی گیندیں کہاں رکھی ہیں اُنہوں نے مٹکے پر ہی ہاکی دے ماری" میں نے کہا اچھا کوئی بات نہیں ہے تم اس کے کپڑے بدل کر دہیں بہلاؤ اور دیکھو غل نہ ہونے پائے۔ میں نے ظہیر اور ریحانہ کو بھی سمجھا دیا کہ اب شور نہ مچائیں سو رہا ہوں۔ سمجھا بجھا کر مسہری پر آگیا اور تھوڑی دیر میں پھر سوگیا۔ مجھے نیند کی حالت میں مشکل سے پندرہ منٹ گذرے تھے کہ کسی نے میرا پاؤں جھنجھوڑا۔ کروٹ لے کر دیکھا ریحانہ کھڑی تھی۔ میں نے جھنجھلا کر کہا "تم یہاں کیوں آئی ہو" ریحانہ سہم کر آنکھیں جھپکاتے ہوئے بولی "میں تو یہ کہہ رہی ہوں ابا جان ..... کہ میں شہود منّی بن جاؤں گی۔ ۔ ۔ آپ سو جائیے "ہیں نا؟" خاک سو جاؤں۔ دھول سو جاؤں میں دل ہی دل میں بُرا بھلا کہنے لگا۔ "اچھا۔ تم اس کمرہ میں مت آنا سُنا ریحانہ جاؤ آنا کے پاس کھیلو میں سو رہا ہوں"۔
ریحانہ بولی "لیکن ابا جان آپ تو کہتے تھے کہ سوتا ہوا آدمی پاؤں اٹھا لیتا ہے" میں نے جلدی سے پاؤں اُونچا کر لیا۔ ریحانہ یہ سمجھ کر کہ میں واقعی سو رہا ہوں، باہر چلی گئی۔ بار بار جاگنے سے نیند بھی کچھ اچاٹ سی ہوگئی تھی میں نے سگریٹ جلا لیا اور میز پر سے ایک پرانا اخبار اُٹھا کر الٹ پلٹ کرنے لگا ابھی پانچ سات منٹ ہی گذرے تھے کہ پھر نیند کا خمار آنے لگا اور میں نے سگریٹ بجھا کر آنکھیں بند کر لیں۔ یہ میری نیند کا تیسرا دَور تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سوتے میں ایکدم ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے میرے ہونٹوں پر ہتھوڑی کھینچ ماری۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں چھوٹی منّی گودے کی ہڈی میرے منہ میں ٹھونستے ہوئے بولی "آبا ..... لے"
میں نے اُس کا ہاتھ پرے ہٹا کر گھنٹے کی طرف دیکھا ابھی دو ہی بجے تھے۔

آمنہ نازلی

(بقیہ صفحہ ۱۷۱ کالم ۲) جن کے ڈھکن میں اس طرح باریک سوراخ کرلئے جائیں پھر بوتل یا ٹین میں شربت بھر کر بروڈ چیمبر کے فریموں پر اُلٹ دیا جائے۔ اس طرح متواتر کئی روز تک حسب ضرورت شربت تول کر دیا جائے۔ دیگر حالات موزوں رہتے ہوئے کالونی یقیناً ترقی کریگی۔ کسی کسی موسم میں مگس بان کو مونوں سے چھتے بنوانے کی سخت ضرورت پیش آتی ہے۔ تاکہ ہائیو میں مونوں کی تعداد بڑھانے کے لئے کافی جگہ مل سکے یا شہد اکٹھا کرنے کے لئے مومی خانے (Cells) حسب ضرورت دستیاب ہو سکیں۔ ایسی صورتوں میں مگس بان کو چاہیئے کہ برابر مقدار میں چینی اور پانی کا پتلا، نیم گرم شربت تیار کرکے مونوں کو دے۔ وہ اس خوراک کی موجودگی میں مومی چھتے تعمیر کرنے کا کام بخوبی انجام دیں گی۔
اکثر جاڑے کے ایام میں دیکھا گیا ہے کہ بعض مگس بان اپنی غلطی سے مونوں کے پاس موسم سرما گذارنے کے لئے کافی مقدار میں شہد نہیں چھوڑتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوب سردی پڑتے ہی جب وہ سکڑ کر ایک گیند نما شکل (Cluster) بنا کر آپس میں گرمی پیدا کرکے زندہ رہنے کی کوشش کرتی ہیں اور باہر سے خوراک نہیں لا سکتیں اُسوقت اُن کی موت ہو جاتی ہے۔ یہ بات پہاڑی اضلاع میں خصوصاً جہاں برف گرتی ہے عام طور پر دیکھی گئی ہے۔ میدانی خطّے اس معاملے میں محفوظ قرار دئے جا سکتے ہیں۔ اگر ایسی صورت کسی سال جاڑے کے موسم میں آجائے اُس وقت زیادہ سردی پڑنے سے قبل ہی ڈھائی سیر عمدہ چینی میں ایک سیر پانی ملا کر مصری تیار کر لی چاہیئے۔ اور پھر مصری کے ٹکڑے بروڈ چیمبر کے فریموں کے اوپر رکھ دئے جائیں۔ ضرورت کے وقت یہ خوراک مونوں کو مرنے سے بچالے گی۔ مصری کے بجائے اگر اس وقت چینی کا پتلا شربت دیا جائے تو مونیں اسے پختہ کرکے خانوں میں مہر بند نہ رکھ سکیں گی۔ ظاہر ہے وہ شربت سڑ کر خراب ہو جائے گا۔ اسی لئے مصری کا استعمال اِن حالتوں میں ضروری سمجھا جاتا ہے۔
جب پھولوں سے پالن کم مقدار میں دستیاب ہوتا ہو اُس وقت مصری کے ساتھ یا الگ سے سویابین کا آٹا دیا جاتا ہے اس خوراک کو پولن سپلمنٹ (Pollen Supplement) کہتے ہیں

(باقی آئندہ) بیگم م ح ۔ ہاشمی

مگس بانی

(سلسلہ کے لئے اگست ۴۳ء کا پرچہ ملاحظہ فرمائیے)

اگر کالونی بہت زبردست ہے تو اس میں کئی سوارم نکل سکتے ہیں۔ سب سے پہلے نکلنے والے سوارم کو پرائم سوارم (Prime Swarm) کہتے ہیں اور بعد والوں کو (Cast Swarm) کاسٹ سوارم۔ سوارمنگ کے لئے اندرونی اور بیرونی دونوں حالات موزوں ہونا ضروری ہے۔ کالونی کی اندرونی خوشحالی اس لئے ضروری ہے کہ رہ جانے والی موئیں کامیابی سے پرانا کنبہ قائم رکھ سکیں۔ باہر کی مہمی حالات کا اچھا ہونا اور پھولوں کی موجودگی اس لئے ضروری ہے کہ نکلنے والا سوارم گھر بسا سکے۔ کارخانۂ قدرت میں موں کی نسل قائم رکھنے کا یہی انتظام ہے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ سوارمنگ مندرجۂ ذیل وجوہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ پرانی ملکہ کی زیادہ عمر ہونا۔ چھتے میں جگہ کی کمی، سایہ کی کمی یا ہائیو پر زیادہ دھوپ پڑنا۔ کم عمر مولوں کی زیادتی، ڈرون کا زیادہ تعداد میں موجود ہونا۔ ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ خوشحالی بھی ضروری ہے۔ مگس بان کے لئے سوارمنگ کا ہونا شہد کی پیداوار میں کمی کا باعث ہوگا۔ ظاہر ہے کہ سوارمنگ نکل جانے کے بعد کارکن موئوں کی تعداد گھٹ جائے گی اور زیادہ سے زیادہ مقدار میں شہد نہ اکٹھا ہو سکے گا۔ ایک بات یہ بھی دیکھی گئی ہے کہ سوارمنگ کی تیاری کرتے وقت مولوں کا دل شہد جمع کرنے میں زیادہ نہیں لگتا۔ انہیں اسباب سے مگس بان ہمیشہ سوارمنگ روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ موئوں کی نسل بڑھانے کا کام بند ہو جائے گا کیونکہ خوشحال کالونی کو بعد میں مگس بان خود ہی تقسیم کر کے ایک سے دو کنبہ بنا لیتا ہے۔ سوارم روکنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ملکہ کے ایک پَر کا تہائی حصہ کتر دیا جائے۔ اور جتنے نئے کوئین سل بنیں انہیں توڑ دیا جائے۔ اس کے علاوہ مکھیوں میں چھتے کافی جگہ کا انتظام کیا جائے۔ اگر ایک بروڈ چیمبر کافی نہ ہو تو دو رکھ دیئے جائیں۔ سایہ اور روشنی کا مناسب انتظام کرنا بھی ضروری ہے۔

مولوں کو خوراک دینا۔ قدرت نے درحقیقت موئوں کو اپنے لئے شہد کی خوراک جمع کرنا سکھایا ہے لیکن ہم زیادہ تر شہد کا حصّہ اپنے مطلب کے لئے نکال لیتے ہیں ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ مولوں کو کبھی کبھی خوراک دینے کی ضرورت ہوگی ورنہ شہد کی پیداوار میں کمی ہو جائے گی۔ خوراک کے لئے خالص اور اچھی قسم کی چینی استعمال کرنا چاہیئے۔ بعض لوگ غلطی سے خراب قسم کی شکر یا گڑ کا شربت مولوں کو دے دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ غریب پیچش کے عارضہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ مولوں کی خوراک تین طرح کی ہو سکتی ہے۔

(۱) اسٹارویشن فیڈنگ (Starvation Feeding)

(۲) اسٹیمولیٹیو فیڈنگ (Stimulative Feeding)

(۳) کومب بلڈنگ (Comb Building)

یعنی چھتہ بناتے وقت۔ پہلی قسم جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس وقت دی جاتی ہے جب موئیں بہت زیادہ بھوکی ہوں یعنی ان کے پاس خوراک کا ذخیرہ نہ ہو اور باہر کے پھولوں سے رس بھی زیادہ نہ ملتا ہو۔ یہ خوراک ایک حصّہ پانی میں ۲ حصہ شکر ملا کر پتلا شربت تیار کرنے سے بن جاتی ہے اسے ہائیو کے اندر فریموں کے اوپر یا اندر جگہ ہو تو پاس ہی کسی کھلے پیالہ نما برتن میں رکھ دینا چاہیئے۔ اس شربت سے بھرے برتن میں گھاس کے ٹکڑے ڈال دینا ضروری ہے۔ ورنہ بعض موئیں شربت دیتے وقت ڈوب جائیں گی۔

دوسری قسم کی خوراک کالونی کو خوشحال بنانے کے مقصد سے دی جاتی ہے۔ تاکہ انڈے بچوں کی تعداد میں اضافہ ہو اور پھولوں کے موسم میں کارکن موئیں بکثرت موجود ہوں اگر یہ ترکیب کامیاب ہو سکے تو فی کالونی زیادہ سے زیادہ مقدار میں شہد اکٹھا ہو سکتا ہے۔ اس قسم کی خوراک ایک حصہ چینی میں دو حصہ پانی یا چینی اور پانی برابر مقدار میں ملا کر بنائی جا سکتی ہے۔ شربت پتلا ہونا چاہیئے۔ اسے مولوں کو دینے کا طریقہ یہ ہے کہ شیشہ کی ایک پونڈ والی بوتل لی جائے جس میں پتیل یا ٹین کا اسکرو دار ڈھکن ہو پھر اس ڈھکن میں دو چار باریک باریک سوراخ کر دیئے جائیں۔ اگر ایسی بوتل نہ مل سکے تو [illegible] کا ڈبہ لیا جائے۔

اصلاح اور ترقی

[illegible]

سرسید احمد خاں مرحوم نے مسلمانوں کی اصلاح اور ترقی کے لئے محمڈن اورینٹل کالج کی بنیاد علی گڈھ میں رکھی۔ اور آج یہ کالج مسلم یونیورسٹی کے نام سے موسوم ہے۔ ایجوکیشنل کانفرنس قائم ہوئی، انجمن حمایت الاسلام لاہور بنی، خلافت کمیٹی نے بھی خوب دھوم مچائی، جمعیت علمائے ہند اور مجلس احرار بھی موجود ہیں مسلم لیگ بھی زور پر ہے۔ ملک میں مسلمانوں کے سرکاری مدارس اور کالج بھی بکثرت موجود ہیں۔ یتیم خانے بھی ہیں۔ وہ مدارس جو دینی کہلاتے ہیں لاتعداد ہیں لیکن باوجود اس کے مسلمان ہر لحاظ سے روبتنزل ہیں۔ اخلاق میں دیکھو، ارکان اسلام کی پابندی میں دیکھو، معاملات پر نظر ڈالو، تعلیمی یا اقتصادی حالت ٹٹولو، تہذیب اور تمدن پر نظر کرو، دیکھو گے کہ ایک جنگل ہے۔ جہاں قسم قسم کی خودرو گھاس اُگ رہی ہے جس کا پہچاننا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت جبکہ آپ اکیلے اور تنہا تھے اصلاح کی آواز اٹھائی سب سے پہلے فرقہ بندیوں کا علاج کیا اور اللہ رب العالمین کا گرویدہ بنایا۔ کوئی جماعت یا قوم اگر اخلاقِ حسنہ سے عاری ہو تو قوت اور استحکام حاصل نہیں کر سکتی۔ اور اخلاق کی درستی بغیر دانا و بینا عالم و خبیر پر ایمان لائے ناممکن ہے۔ یہ اخلاقِ حسنہ وہ مصالحہ ہے جو افرادِ قوم کو اس مستحکم عمارت کی اینٹوں کی طرح وابستہ اور مربوط کر دیتا ہے جو ٹوٹ کر ہی ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستگی میں قوم کی تعمیر کے ساتھ ساتھ قومی استحکام بھی ہوتا چلا جاتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ سے تعلق صحیح ہو گیا اور اس کی شان عظمت اور جلال کا تصور دل نشین ہو گیا تو انسان بول اٹھا کہ پروردگار تو نے مجھ کو خلق فرمایا، نوازا، اور اپنی شانِ ربوبیت سے سرفراز فرما کر دنیا و ما فیہا پر اختیار عطا فرمایا۔ میں تیرا ہوں۔ میرا جینا اور مرنا میری صلوٰۃ اور قربانی تیرے اور صرف تیرے لئے ہے۔ اس کیفیت پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کا ہر حکم قابلِ تسلیم، ہر ہدایت قابلِ عمل ہو گئی۔ تعمیلِ حکم میں مصلحت اندیشی [illegible] کافور ہو گیا۔

[illegible] اسلام کی چھوٹی سی جماعت رہبر و رہنمائے عالم کی سپہ سالاری میں جو بدر میں صف آرا تھی کس بھروسے اور کس اطمینان پر مقابلہ کو آئی تھی۔ کیا اپنی کثرت پر، یا سامانِ جنگ پر بھروسہ تھا نہیں بلکہ اللہ کے وعدے پر یقین کامل کے ساتھ کہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو پائے ثبات بخشے گا۔ ایک ہزار تلواروں، نیزوں، برچھیوں کے جنگل میں اور ایک ہزار پیٹ بھرے بہادر جنگجوؤں کے مقابلہ میں ان پیٹ سے پتھر باندھنے والوں ہی کے لئے ثبات کا باعث اللہ اور اس کے رسول پر ایمان اور یقین کے سوا کچھ اور بھی تھا؟ عقل تو یہی کہتی اور کہہ گئی کہ میاں پاگل ہو تم ۳۱۳ وہ ایک ہزار تمہارے پاس ۳ تلواریں اُن کے پاس ایک ہزار۔ تمہارے پیٹوں پر پتھر وہاں روز سو اونٹوں کا گوشت تم فاقوں سے ناتواں وہ طاقت میں بھرے ہوئے۔ اس مقابلہ کا نام خودکشی ہے۔ مگر یہ ایمان کی قوت تھی اور ہے جو قلت کو کثرت پر کمزور کو طاقتور پر محتاج سامان کو صاحبِ وسعت پر فتحیاب کر دکھاتی ہے۔ آج مسلمانوں سے یہ تریاق، یہ جوہر یہ ایقان یہ ایمان گم ہو گیا تو شیرازہ منتشر ہوا۔ ہمدردیاں رخصت ہوئیں۔ ایثار اور قربانی کا نام رہ گیا۔ نفس پرستی اور خودغرضی عود کر آئیں تصنع جذبہ بن گیا اور وہ قوم جو اعلیٰ بننے اور رہنے کے لئے وجود میں آئی تھی ادنیٰ ترین اور غلام بن کر رہ گئی۔ وہ جو عالم کے لئے رہنما بنائے گئے تھے آج لغیا کو اپنا رہنما بنانے پر فخر کر رہے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں محتاج غیر ہیں اور خوش ہیں۔

اسلام کی تعلیم نے ۲۳ برس کی قلیل مدت میں مسلمانوں کو اعلیٰ بنا دیا۔ اغیار کی محتاجی سے نجات دلائی۔ اپنی زندگی کے ہر شعبے پر قابض ہو گئے۔ گھر گھر امن کا ڈنکا بج گیا۔ عورت ہو یا مرد سب کی زندگی اللہ کے واسطے وقف تھی ہر دل میں اور ہر گھر میں اللہ کی حکومت قائم تھی۔ عالم بشریت میں گناہ ہو جاتا تو حکومتِ الٰہی کی گرفت سے تھرا جاتے۔ اور اس سے بچنے کے لئے دنیا کی سخت سے سخت سزا کو بطیبِ خاطر برداشت کرتے۔ اللہ کی حکومت کے قیام اور استحکام کے لئے جانوں تک کی پرواہ نہ کرتے۔

یاد رکھئے مسلمانوں کی بحیثیت مسلمان اصلاح اور ترقی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کے سایۂ دامن سے ہٹ کر اور حضور صلعم کی تعلیم اور اسوۂ حسنہ کو نظرانداز کر کے قطعی ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام کے علاوہ کوئی [illegible] مقبول نہیں۔ مسلمانوں نے [illegible] اصلاح اور ترقی [illegible] کیا ہے؟

آؤ رہنمائے اعظم رہبر [illegible] کے نقش قدم پر [illegible] کا سر [illegible]

خوشامد

خوشامد کتنا ذلیل کرنے والا فعل ہے۔ اس سے انسانی وقار کو کس قدر ٹھیس لگتی ہے۔ اور خودداری کا جذبہ کس بری طرح مجروح ہوتا ہے۔

نہ معلوم لوگ خوشامد کیوں کرتے ہیں۔ اگر اس خیال کے ماتحت کرتے ہیں کہ اس طرح آسانی سے ان کو ترقی اور دوسرے فوائد حاصل ہوں تو یہ امید بہت کم پوری ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر عقلمند خوشامدی شخص سے نفرت کرتا ہے۔ اور اپنی خوشامد سے بجائے خوش ہونے کے طبیعت میں ایک قسم کی الجھن ہونے لگتی ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو خوشامد کو شیر مادر کی طرح پی لیتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر خوشامد بجائے خوش کرنے کے نفرت دلانے کا باعث ہوتی ہے۔ خوشامد عموماً اپنے سے زیادہ متمول اور ذی عزت لوگوں کی کی جاتی ہے۔ اور عموماً یہ صورت اختیار کرتی ہے کہ بار بار ان کے دروازے پر سلام کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔ ان کو بے اختیار اصرار سے اپنے گھر پر مدعو کیا جاتا ہے۔ ان کی خدمت میں تحفہ تحائف پیش کئے جاتے ہیں۔ موسم کے پھل اور میوے بھجوائے جاتے ہیں اور اگر کبھی دس منٹ بات کرنے کو میسر آ گئے تو زبانی مدح و ثنا بھی کی جاتی ہے لیکن ان کوششوں کا نتیجہ عموماً حکام اعلیٰ کی طرف سے مزید بیزاری کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اگر یہ برتاؤ اپنے برابر والوں سے کیا جائے تو واقعی دوستی اور محبت پیدا ہو جائے لیکن خوشامدی لوگ تو اپنے ہم رتبہ لوگوں سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ ان کا سارا وقت اپنے سے بڑے لوگوں کی دربارداری میں خرچ ہو جاتا ہے۔ ان کی نظر عنایت تو نصیب ہوتی نہیں۔ اپنے ساتھ والوں کی دوستی سے بھی محروم رہتے ہیں۔

بدقسمتی سے اقتصادی فرق کی خلیج اتنی وسیع ہے کہ اس نے انسانوں کے مختلف گروہوں کو بالکل ہی ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ ان کا باہم ملنا اور دوستی قریب قریب ناممکن ہے۔ کیونکہ اقتصادی فرق کے ساتھ ساتھ ان کے رہنے سہنے کے طور طریقے ان کے مذاق اور ان کے مشاغل میں بھی بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ اگر وہ چاہیں بھی تو اپنے طبقے کے علاوہ دوسرے طبقوں سے میل جول نہیں رکھ سکتے۔ کیونکہ ان کو اپنے حلقہ میں ہی آنا جانا اور رہنا سہنا مشکل ہے۔

بعض لوگ خوشامدی سے فائدہ اٹھانے میں دریغ نہیں کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض اعلیٰ حکام کی کوٹھیوں پر دو چار ماتحت افسر بطور اردلی کے ہر وقت حاضر رہتے ہیں۔ اور ان کی بیویاں بے تنخواہ کی گورنس اور ہاؤس کیپر کا کام انجام دیتی ہیں اور اس کو فخر سمجھتی ہیں کہ لیڈی فلاں ان سے شاپنگ کراتی ہیں یا اپنے بچوں کے کپڑے بنانے کا بکھیڑا ان کے ذمہ کر دیا ہے۔ واقعی خودداری کا یہ فقدان دیکھ کر خون کھولتا ہے۔ اگر یہ لوگ واقعی غریب ہوتے تو ان کا یہ رویہ قابل معافی سمجھا جا سکتا تھا کہ مجبوری انسان سے سب کچھ کراتی ہے۔ لیکن عموماً یہ لوگ اچھے خاصے فارغ البال ہوتے ہیں۔ پھر دوسروں کی خوشامد کرتے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ سوائے حرص کے اور کچھ نہیں، چاہتے ہوں گے کہ خوشامد کے ذریعہ ان کو مزید ترقی ملے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں اس میں کسی قسم کا حظ حاصل ہوتا ہوگا کہ جو کوئی اپنے سے ذرا اونچا مرتبہ رکھے اس کی کفش برداری کریں۔ معزز خاتونوں کا اپنے سے ذرا اونچے درجے کے لوگوں کی خوشامد کرنے کا آخر کیا مقصد ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ خوشامد ہی کو فخر سمجھیں۔ اور یہ لوگ بڑے لوگوں کی ذرا سی توجہ کو کتنا غنیمت سمجھتے ہیں۔ اگر افسر اعلیٰ ان سے سیدھے منہ بات کرے تو کہتے پھرتے ہیں۔ "واہ کیا اخلاق ہے واللہ بہت ہی اچھے آدمی ہیں۔" ایسے فقرے سنتی ہوں، تو مجھ کو وہ لطیفہ یاد آتا ہے کہ ایک تعلقہ دار صاحب نے کسی گارڈن پارٹی میں گورنر بہادر کی تعریف میں فرمایا تھا کہ "گورنر صاحب خود اپنے ہاتھ سے سب سے ہاتھ ملا رہے ہیں۔"

ایسے ہی لوگوں نے امراء اور افسروں کو فرعون بے سامان بنا دیا ہے۔ ان کی اتنی خوشامد کرتے ہیں۔ اور ان کی ذرا سی نظر عنایت کو ایسی نعمت تصور کرتے ہیں کہ وہ لوگ انسانیت اور

شرافت اور اخلاق سے عاری ہوتے جاتے ہیں۔ اپنے سے کم حیثیت لوگوں کے ساتھ سیدھے منہ بات کرنا ان کے لئے عار ہے۔ اور اخلاق اور تہذیب کے معمولی قوانین کو برتنا غیر ضروری خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ بغیر ان کے برتے ہی لوگ پروانہ وار ان پر فدا اور نثار ہوتے رہتے ہیں۔

خوشامد نے جہاں ان لوگوں کو فرعون بے سامان بنا دیا ہے وہاں بعض خود دار لوگوں کی زندگی بھی اجیرن کر دی ہے۔ جو خود داری اور عزت کھو کر ترقی خریدنے کو تیار نہیں ایسے لوگ مغرور مشہور ہو جاتے ہیں۔ اور خوشامد کے عادی افسر اور حکام کو ان سے خواہ مخواہ کا بغض ہو جاتا ہے۔ لیکن تب بھی ان کی حالت ان سے بدرجہا بہتر ہوتی ہے۔ جو خوشامد کے ذریعہ اپنی ترقی کرا لیے ہیں۔ جو انہیں ترقی دیتے ہیں۔ خود ان کی نظر میں ان کی ذرا بھی وقعت نہیں ہوتی اور نہ وہ دنیا سے اس بات کو چھپا سکتے ہیں۔ ان کو ترقی کس طرح سے حاصل ہوئی۔ اور جو سچ مچ قابل ہیں۔ چاہے وہ خوشامد کریں یا نہ کریں کبھی نہ کبھی ان کو ترقی مل کر رہے گی۔ کیونکہ قابلیت کے سونے کو خوشامد کے ملمع کی ضرورت نہیں۔ ترقی اعلیٰ عہدہ۔ دولت۔ ان چیزوں کی خواہش انسان کو کیوں ہوتی ہے۔ اس لئے تاکہ ان کے ذریعہ عزت حاصل ہو لیکن ان کو حاصل کرنے کے لئے اگر خوشامد کا ذریعہ اختیار کیا جائے تو عزت ملنے سے پہلے جو تھوڑی بہت ہوتی ہے۔ وہ بھی مجروح ہو جاتی ہے اور بعد میں کوئی درجہ یا عہدہ خوشامد کی ذلت کو چھپانے میں نہیں ہوتا۔

جو خواتین پارٹیوں میں دھکا پیل کر کے آگے بڑھ کر بیٹھ جاتی ہیں۔ تاکہ اس پارٹی کے معزز مہمان ان سے بھی دو باتیں کریں۔ ان کو اس امر کی کیا خوشی ہوتی ہوگی جب کہ سب حاضرین کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کن کوششوں سے آپ نے ان تک باریابی حاصل کی ہے۔ عزت (اگر کسی معزز خاتون سے بات کرنا عزت سمجھا جا سکتا ہے) واقعی عزت جب تھی کہ وہ خاتون خود آپ کو ڈھونڈھ کر آپ سے باتیں کرتیں۔ اور اگر آپ کی یاد ان کے دل میں اتنی ہوتی جتنی کہ ان کی آپ کے دل میں تو وہ ضرور خود آپ کو ڈھونڈھ نکالتیں۔ اور اگر انھوں نے آپ کو یاد نہیں رکھا تو آپ میں اتنی خودداری ہونی چاہئے اور یقیناً ہونی چاہئے کہ آپ ان کو یاد دلانے کی زحمت ہرگز ہرگز نہ اٹھائیں۔

اگر خوشامد عیب ہے تو خوشامد پسندی اس سے بھی بڑا عیب اور نہ صرف عیب بلکہ حماقت بھی۔ میں نے دیکھا کہ عموماً لوگوں کو خوشامد سے الجھن ہوتی ہے۔ لیکن چند حضرات و خواتین ایسی بھی نظر سے گزریں۔ جن کی مہربانی اور التفات انہی تک محدود ہوتی ہے۔ جو ان کی خوشامد کریں

خوشامد کرنا میرے خیال میں ایک ایسی کمزوری ہے جس کو مرض کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح خوشامد پسندی بھی بعض لوگوں میں مرض کے حد تک ہوتی ہے۔ اچھے خاصے عقلمند خوشامد سے ایسے مسحور ہو جاتے ہیں کہ ان کو برا کچھ نہیں سوجھتا۔ اچھے برے کی تمیز نہیں رہتی۔ ان کا خوشامد کرنے والا انسان صرف اس لئے کہ وہ ان کی خوشامد کرتا ہے۔ دنیا کی بہترین مخلوق میں شمار ہونے لگتا ہے۔ وہ اتنا نہیں سوچتے کہ یہ حضرت جو ابھی ابھی مجھ سے ملے ان کو میرے معاملات سے اتنی ہمدردی۔ میری مشکلات۔ میرے اتنا تفکر کیوں کر پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ جو مجھ کو سخاوت اور صاف گوئی اور ذہانت و لیاقت وغیرہ وغیرہ کا مخزن سمجھ رہے ہیں۔ تو کس بنا پر؟ انہیں کیا معلوم کہ مجھ میں یہ اوصاف ہیں یا نہیں؟ لیکن خوشامد ایک ایسا جادو ہے جس کے آگے خوشامد پسندوں کی عقل ماری جاتی ہے۔ اور وہ اپنے قصیدے مزے لے لے کر سنتے ہیں۔ اور اس کو سچ سمجھتے ہیں۔

خوشامد پسندی خود پسندی کی انتہا ہے۔ لیکن یہ ایک اخلاقی کمزوری نہ صرف بطور خود بری ہے۔ بلکہ اس سے نقصان بھی ہوتا ہے اسی طرح خوشامد پسند اگر سخت دھوکا کھاتے ہیں لیکن خوشامد کی چاٹ بھی نشہ کی طرح ایک ایسی چیز ہے خوشامد پسند سو بار دھوکا کھا کر بھی پھر خوشامد ی کے فریب میں آجاتا ہے ✦

شائستہ اختر سہروردی

تبدیلیٔ پتہ کی اطلاع خریداری نمبر کے حوالہ سے دفتر کو فوراً دے دینی چاہئے۔ مینیجر

مالی کی بیٹی

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

مسٹر کیلاش نے مسکراکر راجکماری سے پوچھا "مس نرملا یہ تو کہئے کہ آپ کے یہ عجیب و غریب مہمان سیٹھ جی کس قسم کے انسان ہیں؟ مجھ کو تو کچھ ان کا دماغ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ لڑکی تو بہت اچھی ہے۔ بہن بھی خوبصورت ہے حسین اور ہنس مکھ لڑکی ہے۔ مگر وہ کیسے ہیں؟" راجکماری نے جواب دیا "میں زیادہ تو جانتی نہیں۔ آج تیسری ہی ملاقات تھی۔ مگر سُنا ہے کہ کسی دماغی بیماری سے ابھی صحت پائی ہے۔ ہاں یہ کہئے بہن پسند آئی؟ معلوم ہوتا تھا وہ بھی آپ کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔" اس پر کیلاش ہنسے اور کہا "مجھ غریب کو کیا دیکھتیں البتہ ڈاکٹر صاحب پر بہت مہربان معلوم ہوتی تھیں۔ بہت ہی محبت آمیز نظروں سے دیکھ کر ان سے بات کرتی تھیں۔ آپ مجھ کو کیوں بے وجہ پھانس رہی ہیں؟" راجکماری نے جواب دیا "ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر۔ ہیں مسٹر کیلاش بہت سمجھدار حقیقت کو کس قدر جلد بھانپ گئے" ڈاکٹر اپنی عادت کے موافق خاموش رہے اور خفیف مسکرا دیئے۔ پھر کیلاش صاحب نے کہا "کیوں ڈاکٹر صاحب کیسا بچا تا پہلی ملاقات ہیں؟" ان کے دوبارہ چھیڑنے پر ڈاکٹر بولے "آپ سب بڑے بڑے لوگ ہیں۔ راجکماری اور راجکمار کروڑ پتی مہاجن، ریاست نہ سہی روپیہ راجاؤں سے زیادہ ہے۔ ان سیٹھ صاحب کے گھر۔ ان سب میں بھلا میری کیا پرسش؟ ان کی والدہ کا علاج کیا ہے تب سے ملاقات ہے۔ ہماری راجکماری بھی خوب ہیں۔ خود تو مذاق بنا ہی رکھا تھا۔ کیلاش صاحب کو بھی وہی سبق پڑھا دیا۔ میرا ان معاملات میں کچھ دخل نہیں ہے۔ آپ سب سے بہت بڑا ہوں اب یہ باتیں زیبا نہیں۔" یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر صاحب اپنے کمرے میں چلے گئے۔ کیلاش نے کہا۔ "کیا خفا ہو گئے ڈاکٹر؟ میں نے تو ویسے ہی مذاق کیا تھا۔ معافی مانگ لوں گا" "نہیں نہ بہت اچھے ہیں خفا کبھی نہیں ہوتے۔ میں بھی کچھ دن سے سروجنی سے ان کا مذاق کر رہی ہوں۔ آپ نے بھی کہا ذرا چڑھ گئے۔ ابھی راضی کر لوں گی" وہ خود ان کے پیچھے گئیں۔ دفتر کے کمرے میں کھڑے میز پر کچھ کاغذات دیکھ رہے تھے۔ پیچھے سے جاکر راجکماری نے ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔ گھبرا کر دیکھا تو ہنسنے لگے۔ انہوں نے سامنے ہو کر کہا "ڈاکٹر صاحب خفا نہ ہوں ہم چھوٹے ہیں۔ آپ کو اس عمر میں کیلا بے خانماں دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ آپ کو بھی دنیا میں لگایا جائے۔ میں کیلاش کی طرف سے بھی معافی مانگتی ہوں۔ چلئے کھانا تیار رہے۔ کیلاش صاحب کو بھی نہیں کھلائیں گے؟"

"نرملا جی میں برا نہیں مانتا۔ جس قدر آپ کا جی چاہے بنایئے مگر خوف یہ ہے کہ کہیں یہ چھیڑ چھاڑ سروجنی تک نہ پہنچ جائے ورنہ غضب ہوگا۔ وہ غریب لڑکی ہے۔ آپ کی دوست ہے۔ آنا جانا ہے۔ اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اور کیلاش بیچارے سے میں کیوں بگڑتا وہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔ آپ کو دیکھ کر اس نے بھی زبان کھولی ہے میری شادی یہاں ناممکن ہے پھر ایسی باتیں بیکار ہیں۔" "ناممکن کیوں ہے ڈاکٹر؟" "اس لئے کہ اُن کو اور مجھ کو کرنا نہیں ہے۔" "کیوں نہیں کرنا آج میں کہوں کل شادی ہوتی ہے" ڈاکٹر نے جواب دیا کہ "آپ کا خیال بالکل غلط ہے۔ مجھ سے عمر میں وہ بیس۔ بائیس سال چھوٹی ہو گی" "اچھا ڈاکٹر صاحب میرے زبان سے نکالتے ہی راضی ہو جائے گی۔ مگر آپ اتنا دل کہاں سے لائیں۔ آپ تو اُس مسلمان لڑکی سے چاہتے تھے۔ آٹھ سال کی مدت گذر گئی مگر آپ کا دل ابھی اس کو بھولا نہیں۔" ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا کہ "آپ نے یہ کیسے خیال کر لیا کہ بھولا نہیں"

"خط وکتابت جاری ہے، شادی ہوجانے پر بھی تعلقات قائم ہیں۔ کل ہی تو میں نے آپ کی میز پر اس کی تصویر دیکھی جو اسی ماہ کی کھنچی ہوئی ہے۔ جس میں وہ گود میں ایک بچہ لئے بیٹھی ہے۔" یہ سنکر ڈاکٹر صاحب خوب ہنسے پھر کہا۔ "اس سے کیا ہوتا ہے، خط وکتابت بہتوں سے ہوتی ہے۔ تصویروں کا تبادلہ بھی ہوتا ہے۔ نرملا بہن یہ خیال دل سے نکال دو مجھ کو اس غریب کا کچھ خیال نہیں ہے ویسے بھی کوئی لڑکی آج تک ملی نہیں جیسی کہ میں شریک زندگی بنانا چاہتا تھا، یوں ہی دیر لگتی گئی۔ اب سوچتا ہوں کیا کرنا شادی کرکے اور مصیبت ہی سر لینی ہے۔ ابھی آزادی ہے۔" "کوئی فکر نہیں۔ چلئے کھانے کی گھنٹی ہوگئی۔ کیلاش منتظر ہوگا۔"

:(*):

دونوں بہن بھائی وہاں سے گھر پہنچے، بہن نے تو کھانا کھالیا مگر بھائی نے کہہ دیا کہ "شام بہت کچھ کھا آیا ہوں بھوک نہیں"۔ اور اپنے کمرے کے آگے برآمدے میں آرام چوکی پر لیٹ کر سوچنے لگا کہ اب کیا کروں گا۔ میں کیوں آیا، سخت مصیبت میں پھنس گیا۔ راجکماری نے کس عقلمندی اور دھوکہ سے مجھ کو بلایا ہے۔ کہ مالی کی بیٹی کو بلا دیا جائے گا۔ اور یہ راز ظاہر کردیا۔ اب بہن بنکر کس قدر محبت سے مل رہی ہے واقعی وہ بہن اسی قابل ہے کہ عمر بھر اس کی پوجا کی جائے مگر میری عقل کام نہیں کرتی۔ میرا دماغ معطل ہے۔ میں نے کل سے اس کو بہن مان لیا۔ خدا شاہد ہے کہ بہن سروجنی کی طرح سمجھ لیا مگر دل کی عجیب کیفیت ہے، اس کی شکل دیکھ کر مالی کی لڑکی اور پہلی محبت یاد آتی ہے، دل نفرین کرتا ہے وہ پہلے ذرا محبت سے پیش نہیں آتی تھی، مگر اب بھائی بنا کر کس قدر بے تکلفی سے اظہار محبت کررہی ہے میرے لئے یہی بہت کافی ہے۔ عمر بھر کو کافی ہے اس کی اس قدر محبت کے سہارے پر اپنی زندگی گذار سکتا ہوں۔ آخر وہ شادی شدہ ہے اب تو بہن ہی ہے، پھر یہ کیلاش کون تھا کیوں آیا۔ مجھ کو اس کا ہونا اس قدر ناگوار کیوں گزرا۔ اگر وہ راجکماری کو یا راجکماری اس کو چاہتی ہے۔ تب بھی مجھ کو کیا۔ وہ شادی شدہ ہے۔ راجکمار سے بھی شادی نہ کرسکے گی، ہاں وہ محبت کرسکتی ہے، اور ممکن ہے کررہی ہو۔ اس سے دوستی کی محبت ہو، مجھ سے بھائی کی۔ کیا میں پھر چلا جاؤں مگر میری ماں رہ جائے گی، راجکماری کو چھوڑ کر جانا بھی تو مشکل نظر آتا ہے۔ کیا کروں؟ یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ سروجنی آگئی اور پوچھا "بھیا کھانا نہیں کھایا اور ابھی تک سوئے بھی نہیں، دیکھو کس قدر تیز سرد ہوا ہے۔ کمرے میں بیٹھنا چاہئیے۔" بہن کو پاس بٹھا کر اس نے کہا "سروجنی میں بہت پریشان ہوں اب مجھ کو کیا کرنا چاہئیے۔ راجکماری بہت محبت کررہی ہے مگر اس کا برتاؤ سب سے یکساں ہے۔ اپنے ڈاکٹر کو بھی ایسا ہی چاہتی ہے، کیلاش صاحب آج ایک اور دوست دیکھئے مجھ کو تو خیر بھائی بنا لیا۔"

"مصیبت کیا ہے بھائی؟ بہت اچھا ہوا ایک معزز قابل قدر راجکماری بہن بن گئی، مالی کی بیٹی ہی اگر نکلتی تو پھر مشکل کا سامنا تھا، اب تو پتاجی بہت خوش ہیں۔ آپ کو آج کس شوق سے ۵۔۶ ہزار کا زیور اور جوڑا بیٹی بنا کر دے آئے۔ بس ملنا جلنا اچھا وقت گزار دے گا۔ یہی زندگی کا مقصد ہے۔ چھوڑ دو پچھلے خیال کو۔ اب بہن راجکماری سے ملو مجھ کو بھی وہ بہت چاہتی ہے۔" "مگر یہ کیلاش کون تھا سروجنی؟" "بھائی آپ کو کیلاش کمبخت کی کیوں فکر پڑگئی۔ ہوگا وہ بھی اس کا ملنے والا یا رشتہدار رجواڑے کے لوگ ہیں۔" "اس کی وہ بہت قدردان معلوم ہوتی ہے۔" "ہوا کرے۔ بھائی آپ ہی کو بتایا ہے اس کو تو استاد کہتی ہے، چونکہ بیاہی ہوئی ہے، شادی اس سے بھی نہ ہوگی۔ ہمیں کیا فکر؟" "تم سروجنی ڈاکٹر صاحب سے علیحدگی میں پوچھنا کیلاش کا حال۔" "بھائی بیکار کی فکر ہے، کیلاش اس کا دوست ہے۔ بس مگر آپ تو عزیز بھائی ہیں۔" (باقی آئندہ)

نذر سجاد حیدر

ماں کا گیت

مجھے اس کی خاطر ہے سب کچھ گوارا
کرے گا زمانے میں نام آشکارا
وطن کی بدل دے گا قسمت دوبارا
مرے دل کی ٹھنڈک میری آنکھوں کا تارا
اُمیدوں کی دُنیا مرا ننھا پیارا

وطن کے ترانے سکھاؤں گی اس کو
شجاعت کے جوہر بتاؤں گی اس کو
جہاں میں دلاور بناؤں گی اس کو
بنے گا یہ ٹوٹے دلوں کا سہارا
اُمیدوں کی دُنیا مرا ننھا پیارا

یہ پابند ہے طاعتِ ذو المنن کا
نہ خاطر میں لائے گا زور اہرمن کا
بہادر سپاہی بنے گا وطن کا
بڑا پُر اثر ہوگا اس کا نظارا
اُمیدوں کی دُنیا مرا ننھا پیارا

فدا اس پہ دل میرا قربان جاں ہے
کہ دُنیا میں یہ نازشِ خانداں ہے
شرافت کا رنگ اس کے رُخ سے عیاں ہے
بلندی پہ چمکے گا اس کا ستارا
امیدوں کی دُنیا مرا ننھا پیارا

خدا اس کو بخشے گا شیریں زبانی
کرے گی اثر اس کو جادو بیانی
جب آئے گی اس پر نکھر کر جوانی
چمک جائے گا بن کے یہ ماہ پارا
اُمیدوں کی دُنیا مرا ننھا پیارا

لڑائی میں جب اس کے جوہر کھُلیں گے
رقیبانِ قوم و وطن کٹ مریں گے
اسے دیکھ کر اپنے سارے کہیں گے
یہ ہے قابلِ فخر افسر ہمارا
اُمیدوں کی دُنیا مرا ننھا پیارا

الٰہی یہ مقبول میری دُعا ہو
علومِ زمانہ سے یہ آشنا ہو
وہ اس کی خوشی ہو جو تیری رضا ہو
اور اس کے موافق زمانہ ہو سارا
اُمیدوں کی دُنیا مرا ننھا پیارا

خلیق برہانپوری

رباعیات

ہو دُور کہ نزدیک ہر اِک پہلو دیکھ
سادہ ہو کہ باریک ہر اِک پہلو دیکھ
انساں ہے تو اپنی زندگی کا غافل
روشن ہو کہ تاریک ہر اِک پہلو دیکھ

آسودۂ دکامیاب ہونا ہے تجھے
اس دہر میں لاجواب ہونا ہے تجھے
اے ذرّہ صفت خاک پہ سونے والے
بیدار! کہ آفتاب ہونا ہے تجھے

کہتا ہے خرد مجھ سے زباں اپنی نہ کھول
تقدیر کی میزان میں ہر چیز کو تول
جو دُور سے دیتے ہیں سنائی ہم کو
کہتے ہیں کہ ہوتے ہیں سہانے وہ ڈھول

صادق اندوری

بھول جاؤ

بھول جاؤ اُن خیالات کو جو تمھارے ماحول کو پریشان کریں۔ فراموش کردو اُن لمحات کو جو ناخوش گوار حالت میں گذرے ہوں کیونکہ وہ موجودہ خوشی کو بھی چھین لیں گے۔ گذشتہ مسرّت وصعوبت۔ فکر اور مایوسی کو دور کردو جو تمہارے مستقبل پر قبضہ کرے کیونکہ زوال کی حالت ہو یا ترقی کی کچھ عرصہ کے بعد بدل جاتی ہے۔ مٹادو اُن خواہشات کو جو تمہیں خود غرض۔ خود پسند اور غمگین بنائیں۔ جو تمھاری محنت، کامیابی، اور قوتِ ارادی میں حائل ہوں۔

کنارہ کر لو اُن رہبروں سے جو تمہیں شاہراہِ ترقی سے دُور لے جائیں۔ مٹادو پریشان کُن خیالات اور احساسات کو کیونکہ وہ تمہارے نفس پر قابو پالیں گے اور شاہراہِ حیات پر ظلمت کے پردے چھا جائیں گے۔

ترک کردو اُس ارادے کو جو حق پرست اور حق بین نہ ہو یا جس پر تم عمل نہ کر سکو کیونکہ ایسے ارادے محض وقت کی موت ہیں۔

بھول جاؤ اُس فکر کو جو زندگی کی دوڑ دھوپ اور جدوجہد میں کام نہ آسکے اور سکون واطمینان کی کھیتی کو پامال کردے

بھول جاؤ اُن اُستادوں کو جو تمہیں صبر۔ استقلال اور اپنے نفس پر فتح پانا نہ سکھائیں۔

خیر باد کہدو ان کتابوں کو جن سے تمہیں سادگی عزّت اور سعادت کا سبق حاصل نہ ہو۔

چھوڑدو اُس زندگی کو جس میں بناوٹ تصنع۔ فریب۔ نمائش۔ خود پسندی۔ غصّہ اور رنج جیسے جراثیم پوشیدہ ہوں۔

مسعودہ محمد اعظم عباسی
راولپنڈی

پڑھے لکھوں کی جہالت

" اس لئے بندوق اُٹھاکر توکّل کے بھروسہ پر جدھر سے آیا تھا اُدھر ہی کو ہولیا "

بیگم رخ نے ایک ادبی رسالہ سے یہ الفاظ پڑھے اور کہا "یہ جملہ ملک کے مایۂ ناز ادیب م کے افسانہ کا ہے۔ کیوں بہن " توکّل کے بھروسہ " کے کیا معنی ہوئے ؟ "

بیگم ضیا نے جواب دیا " یہ معمولی سی بات ہے۔ آج کل کے ادیب یہ نہیں سوچتے کہ معنی کیا ہیں نہ زبان اور محاورہ کی پرواہ کرتے ہیں۔ ک کو تو ہے کی آہنی زنجیریں" نظر آتی ہیں اور ش کی رائے میں " فراغ دلی کو وسیع تر بنایا جاسکتا ہے۔"

ایک مشہور ادیب کے ایک مضمون سے

" اُونگھ آگئی "

" اُونگھنے لگے " لکھنا چاہیئے تھا۔ " نیند آگئی " کے وزن پر " اُونگھ آگئی " کہنا خلافِ محاورہ ہے۔

ایک ترقی پسند افسانہ نگار کے ایک مختصر افسانہ سے

" اس نے کھُرپا اور پھاوڑا ایک طرف رکھ دیا "

کھُرپے اور پھاوڑے کا جوڑ صحیح نہیں۔ کدال سے زمین کھودی جاتی اور پھاوڑے سے مٹی سمیٹی اور نکالی جاتی ہے۔ رئیس کا مکان بن رہا ہے۔ مزدور اینٹیں اور مٹی ڈھوتا ہے اور زمین کھودتا ہے۔ کھُرپے کا یہاں کیا کام ؟

ب " آج چاند گرہن ہے۔ آپکو معلوم ہے۔"
ج " مجھے نہیں معلوم۔ ہوگا "
ب " پنڈت کہتے ہیں آج دو بجکر دس منٹ پر شروع ہوگا اور پونے تین تک رہیگا "
ج " دن کو ہے یا رات کو ؟ "
ب " اگر دن کے دو بجے چاند گرہن ہو سکتا ہے تو یقیناً دن کو ہے "

ایک نامور مسلم انشا پرداز نے ایک مشہور غیر مسلم رئیس کی ایک کتاب پر کئی صفحوں کی تقریظ لکھی۔ رئیس کی داد و دہش اور جود و سخا کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

" اس انسانِ کامل میں وہ خوبیاں نظر آئیں "

بانیٔ اسلام صلعم دوسرے مذہبی رہنماؤں کی طرح خدا نہیں۔ خدا کے بندے تھے مگر اس ذاتِ اقدس کی پاک زندگی کے واقعات پیشِ نظر رکھ کر " انسانِ کامل " سوائے سرورِ کائنات صلعم کے اور کسی کو نہیں کہا جا سکتا۔ یہاں تک کہ ابوبکر صدیقؓ کو بھی " افضل البشر " کہا گیا ہے۔ تشبیہ۔ استعارہ۔ مبالغہ۔ بلاغت کی خوبیاں سہی۔ مگر ایسے الفاظ جو طبعِ سلیم کو ناگوار ہوں۔ جن سے احساسات کو ٹھیس لگے انشا پردازی کی شان سے بعید ہیں۔ پھر جو شخص مجموعۂ حسنات ہے اس کا " ناقص انسانوں " سے مقابلہ کچھ کم مضحکہ خیز نہیں !

سلمہ " بہتری کی کوئی اُمید نہیں۔ ازغیب سے کوئی سامان ہو جائے تو اَور بات ہے "

طلعت " تم نے پڑھ لکھ کر بھی ڈبویا " از " کے تو معنے ہی " سے " ہیں۔ " غیب سے " پہلے از ایسا ہی ہے جیسے ایک مشہور مصنف نے " یا خدایا " لکھا تھا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ پڑھے لکھوں سے ایسی ایسی غلطیاں ہوں"

اُس وقت طلعت خوب بڑھ بڑھ کر بول رہی تھیں مگر تھوڑی دیر بعد کچھ روٹھی سی ہو گئیں جب اس فقرے پر سلمہ نے اعتراض کیا :-

" ازبرائے خدا خاموش بھی ہو جاؤ "

سا

خانہ داری

(جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے)

سنگھار کی ضرورت۔ وہ زمانہ گیا جب سنگھار اور بناؤ چاؤ بیکار اور آسودہ حال عورتوں کا مشغلہ سمجھا جاتا تھا۔ گھر بار والی عورتوں کو اس سے سروکار بجائے خود ایک نقص تصور ہوتا تھا۔ اب یہ خیال فضول قرار دیا جاتا ہے۔ ہر ایک عورت کو اپنے جسم اور چہرہ کی دیکھ بھال میں روزانہ تھوڑا بہت وقت صرف کرنا چاہیئے روزانہ لفظ کا ذرا خیال رکھیں۔ اس سنگھار کا طریقہ اور طرز البتہ مختلف نتائج پیدا کرتا ہے۔ اگر صحت جسمانی اور خوبروئی کے لئے اس شغل کو قائم رکھا جائے تو یہ خوبی ہے۔ اگر اس سے خانہ داری میں خلل پڑتا ہو اور عورت خوشنما پتنگ بننے کی سعی کرے تاکہ ایک کی نظر پتنگ کی صورت اور اُن کے خوطوں اور داؤں پر جمی رہے تو حقیقت میں یہ مذموم اور قابلِ نفرت ڈھنگ بن جاتا ہے۔

اکثر بیبیاں کہیں گی کہ آج کل نوکرنیاں نہیں ملتیں۔ ہر ایک اس قابل نہیں ہے کہ ماما رکھ سکے۔ گھر کا کام کاج بھلا اتنی مہلت کہاں دیتا ہے کہ بدن اور چہرہ کی دیکھ بھال کی جائے۔ افسوس کا مقام ہے کہ دیگچیاں، کمرے، پلنگ، اور گھر کی چھوٹی موٹی چیزیں تو روزانہ صفائی کی محتاج ہیں مگر جس چیز پر ان سب کی رونق اور مسرت کا انحصار ہے یعنی گھر والی وہ اسے بیکاری کا مشغلہ سمجھتی ہے کیونکہ وہ اسے گھر کے روزانہ کاروبار سے زائد بات سمجھتی ہے!

کوئی بھی گھر والی ایسی نہیں جسے ۲۴ گھنٹوں میں اتنا وقت نہ ملے جس میں وہ اپنے بشرہ اور انداز صوری کی طرف دھیان دے سکے۔ ہنسی خوشی اور اطمینان وہ چیزیں ہیں کہ آدمی پہاڑ ڈھا سکتا ہے اور پھر بھی اُسے آرام کے لئے وقت مل سکتا ہے۔ گھروں میں بیبیاں کیوں دُکھ سے کراہتی ہیں؟ کیوں انہیں روزانہ خفیف شکایتوں سے بڑی بڑی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ ہر وقت ایک خلجان میں، ایک وحشت، بے صبری، جلد بازی، اور بوکھلاہٹ میں گھلی رہتی ہیں۔ خود پریشان رہتی ہیں، اپنے شوہر اور بچوں کو بدحواس اور بے چین رکھتی ہیں۔

[illegible] مختصر یہ ہے کہ [illegible]

تھوڑا سا وقت نکالئے پھر دیکھئے کیا اچھے نتیجے برآمد ہوتے ہیں۔ جن عورتوں کو مہاسوں، موٹی بدنما جلد، قبل از وقت جھریوں والی کھال، موسم کے زیرِ اثر خشکی وغیرہ کی شکایت رہتی ہو انہیں معمول سے زیادہ صفائی جلد کی درستی اور پرورش کی ضرورت ہے انہیں خاص طور سے احتیاط و توجہ دینی چاہیئے۔

بڑے بڑے شہروں میں ایسی دوکانیں ہیں جہاں سنگھار کے ماہر کام کرتے ہیں۔ سنگھاری اشیاء کی فروخت کے لئے اُن کو اس کی سخت ضرورت ہے۔ اُن کے ملازم جو اس فن میں یدطولیٰ رکھتے ہیں مگر وقت پر باقاعدہ حاضری بھی دیتے رہتے ہیں۔ اُن کی واقفیت اور علم سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ جن مقامات میں یہ سہولتیں نہیں ہیں وہاں بنج کے طور پر وہ اشیاء استعمال کی جا سکتی ہیں جو اُن کی خاص فروخت کے لئے موزوں ہیں اور ہر جگہ دستیاب ہو سکتی ہیں۔

چہرہ کی خدمت۔ اوسط عورت کی عام شکایت قبل از وقت جلد کی خشکی اور وقت سے پہلے بُڑھیا ہو جانا ہے اس کے لئے کریم کے لیپ کی ضرورت ہے۔ یہ جلد کو خشک نہیں کرتی اور نہ اسے [illegible] ہے بلکہ اسے سکون دیتی اور قوت بخشتی ہے۔ سب سے پہلے اپنا چہرہ [illegible] اور نرم کرلیں۔ احتیاط سے خشک کرکے اوپر کی طرف حرکت کا رُخ رکھتے ہوئے برابر برابر لیپ کرلیں۔ اپنے چہرہ سمیت کم از کم آدھ گھنٹے بالکل آرام کریں۔ اس کے بعد گرم پانی سے لیپ دُور کر دیں۔ اب پھر جلد خشک کرلیں اور جلد کو قوت دینے والی چیز (Skin Tonic) لگائیں اور پھر قوت دینے والی کریم نرمی سے پھیلائیں۔ پانچ دس منٹ لگی رہنے دیں پھر وہ ٹونک لگائیں۔ اب آپ کو معلوم ہوگا کہ نوجوانی کی سی آب و تاب جلد میں آگئی ہے۔ اور تازگی محسوس ہونے لگی ہے۔ ہفتہ میں دو تین دفعہ یہ عمل جاری رکھنا چاہیئے تاکہ پورا پورا فائدہ پہنچے۔

جلد پر چھائیاں یا دھبے نمودار ہو جاتے ہوں تو زیادہ محنت کی ضرورت ہے کیونکہ یہ کھال کی سستی کی علامت ہے اور اسے [illegible] ضرورت ہے۔ اس کے لئے مرہم اور لیپ دستیاب ہو سکتے [illegible]

سیربین

ریشمی جُراب

ریشم عجیب ملائم اور چمکیلی چیز ہے۔ اس کی جرابیں آج کل بہت پسند کی جاتی ہیں۔ چونکہ مغرب میں سائے جانگیہ نما ہو گئے ہیں۔ اس لئے گھٹنوں تک ٹانگیں ننگی رہتی ہیں۔ جلد کا رنگ عام طور سے اچھا نہیں ہوتا لیکن ریشمی جرابیں ٹانگوں کو خوش نما اور دلکش بنا دیتی ہیں۔ ننگی ٹانگوں کی طرف دیکھنے والوں کی اتنی توجہ نہیں ہوتی جتنی ریشمی جُراب والی ٹانگوں کی طرف ہوتی ہے۔ یورپ میں سب سے پہلے انگلستان کی ملکہ الزبتھ نے جُراب پہنی تھی۔ اُس وقت وہ کپڑے کی طرح سی کے تیار کی جاتی تھی۔ گویا پاؤں پر غلاف چڑھا لیا گیا ہے ملکہ مذکور نے اس غلاف کو بڑے ناز سے پہنا تھا آج کل کی جُرابیں اُسے خواب میں نظر آجاتیں تو وہ آنکھیں ہی نچھاور کرنے پر آمادہ ہو جاتی۔

ریشم کا رواج دُنیا میں کیسے ہوا؟ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے ایک چینی عورت نے اسے دریافت کیا۔ وہ چینی شہنشاہ کی ملکہ تھی۔ چنانچہ اس کے مرنے کے بعد چینیوں نے ریشم کی دیوی کے طور پر اسے پوجنا شروع کر دیا۔ لوگوں کے ریشم کے متعلق عجیب و غریب خیالات رہے۔ کوئی کہتا کہ ایک قسم کا مینڈھا ریشم پیدا کرتا ہے۔ کوئی کہتا ایک قسم کی مکڑی اسے تانتی ہے۔ کوئی سمجھتا کہ بھیڑ سے اون کی طرح اسے حاصل کیا جاتا ہے۔ ایسے بھی تھے جو کہتے تھے کہ نفیس قسم کی مٹی سے بنائی جاتی ہے۔ ایک رومی بادشاہ نے مشرق میں آدمی بھیجے، تاکہ ریشم کی حقیقت معلوم کریں۔ اس کا نام جسٹی نی اَن تھا۔ وہ چین گئے اور وہاں انہیں معلوم ہوا کہ ریشم کا کیڑا اسے پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ بانس کے نلوں میں وہ اس کے انڈے بند کر کے لے گئے۔ اور بحیرہ روم کے ساحلوں پر شہتوت کے درخت لگا کر ان پر انہیں لگا یا گیا۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ کیڑا شہتوت کے ہی پتے کھاتا ہے بحیرہ روم کے ساحل [illegible] اور امریکہ میں بھی [illegible]

کامیابی نہیں ہوئی۔ ریشم کے کیڑوں کی خبر گیری بڑی صبر آزما ہے۔ مغربی طبائع اس کی تاب کب لا سکتی ہیں۔ فرانس میں مطالعہ کیا گیا کہ کیڑا شہتوت کے پتے کی صاف شفاف ڈوریوں کو کھاتا ہے چنانچہ انہوں نے ایسی مصنوعی ڈوریاں سیلولائڈ کی صورت میں بنا کے الکحل اور ایتھر میں حل کیں۔ اور پھر اسے نازک شیشہ کی نلکیوں میں ڈال کے باریک اور چمکدار تاگہ ایک سرے سے برآمد کیا گیا، جو ریشم سے ملتا جلتا ہے۔ اس مصنوعی ریشم نے اب ایسی ترقی کی ہے کہ کوئی بڑا ہی ماہر اصلی کو نقلی سے پہچان سکتا ہے

قہوہ کی ابتدا

قہوہ کی ابتدا کے متعلق عجیب و غریب روایات مشہور چلی آتی ہیں۔ ان میں سے ایک مستند بتائی جاتی ہے کہ درویشوں کا ایک گروہ حبش میں بھیڑ بکریوں کے گلے سمیت پھر رہا تھا، وہ یہ دیکھ کر ایک روز حیران رہ گئے کہ اُن کے مویشی ضرورت سے زیادہ اُچھل کود میں مصروف ہیں۔ اور وہ آرام لینے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ انہیں وہم ہوا کہ انہیں کچھ ہو گیا ہے۔ اُن پر دُعائیں پڑھیں۔ منتر پھونکے۔ مگر چند روز گذر گئے۔ اور اثر مطلق نہ ہوا۔ آخر اُن کے سرگروہ نے کہا کہ آج میں انہیں چرانے لے جاؤنگا۔ چراگاہ میں اُس نے دیکھنا شروع کیا کہ وہ کیا گھاس پات چرتی ہیں۔ آخر اُسے معلوم ہوا کہ وہ ایک خاص پودے کے پتے اُن پر یہ اثر کر رہے ہیں۔ چنانچہ چند پتے اُس نے خود چبا کے کھائے رات بھر اُسے نیند نہ آئی۔ اور اُسے اس سے عبادت میں بڑی مدد ملی۔ شروع زمانہ میں قہوہ کوٹ پیس کے لگدی کے طور پر کھایا جاتا تھا۔ چنانچہ اسی طرح صلیبی جنگ کے فوجی کھا کر اپنی ہمت بڑھاتے تھے۔ اس کے بعد اسے اُبال کر پینے لگے۔ پندرہویں صدی کے درمیان عدن میں یہ مقبول عام ہو گیا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد عرب کے دیگر مقامات میں یہ پھیل گیا اور سولہویں صدی کے شروع میں یہ قاہرہ میں بھی جا پہنچا۔ اس طرح عرب میں ہی اس کی [illegible] ہوئی۔ اور وہیں سے سارے یورپ [illegible] اور جاوا میں اس کی کاشت ہوئی۔ اب [illegible] [illegible] کل پیداوار کا [illegible]

ہندوستان میں بابا بڈن عرب سے اس کا بیج لائے اور جنوبی ہند میں ۱۸ویں صدی عیسوی میں اس کی کاشت پہاڑیوں میں شروع ہوئی جیسے میسور اور ٹراونکور میں کہا جاتا ہے ۱۸۲۲ء میں یہاں اس کی کاشت باقاعدہ صورت میں جاری کی گئی ۱۸۴۰ء میں تین انگریزوں نے جنوبی ہند کے مختلف پہاڑی علاقوں میں قہوہ کے کھیت قائم کئے۔ یہ علاقے مغربی گھاٹ کے نشیبوں میں پھیلتے چلے گئے ہیں زیادہ حصہ میسور، کورگ اور نیلگری کی پہاڑیوں میں واقع ہے۔ اس کے بعد اس کام نے بڑی تیزی سے ترقی کی۔ البتہ برازیل کے سستے قہوہ کی کثرت نے یہاں کی کاشت بہت کچھ کم کر دی ہے۔ قہوہ کی سینکڑوں قسمیں ہیں ان میں سے دو پودوں کی کاشت کی جاتی ہے عربی اور لائبیری یہ گرم ملکوں کی پیداوار ہے۔ یہ گرم اور مرطوب آب و ہوا میں خوب پھیلتا ہے۔ اور آبپاشی کا زیادہ محتاج ہے بلند مقامات پر کاشت کیا جاتا ہے۔ عربی کے مقابلہ میں لائبیری نشیبی علاقوں میں بھی بو یا جا سکتا ہے۔ لائبیریا افریقہ کا ملک ہے سردی اور بہت گرم و خشک ہوائیں اس کے لئے مہلک ہیں۔ زمین پر اچھی طرح ہل چلا کر اور دھوپ سے بچا کر بیج ڈال دیا جاتا ہے۔ جب وہ پھوٹ کر پودا ایک سے دو فٹ کا ہو جاتا ہے تو اسے اکھاڑ کر احتیاط سے مستقل مقام پر جا کر گاڑ دیتے ہیں یہ کام ایام بارش میں ہوتا ہے۔ اس وقت بھی کھجور کے پتوں کا عارضی سایہ ان پر رکھا جاتا ہے۔ ہر ایک پودا دوسرے سے دس سے پندرہ فٹ کے فاصلہ پر لگایا جاتا ہے۔ نلائی کی بڑی ضرورت رہتی ہے کیونکہ گھاس پات اور جھاڑ جھنکاڑ اس کے آس پاس بڑی کثرت سے اگتا رہتا ہے اس میں پھول اور تیسرے سال میں پھل آتا ہے۔ پانچویں سال میں زیادہ اور چھٹے ساتویں اور آٹھویں سال میں پوری مقدار سے پھل آتا ہے۔
ہندوستان میں اپریل میں اس میں پھول آتے اور وہ نظارہ قابل دید ہوتا ہے پھر اسے موافق حالات میں آخر نومبر میں پھل چننے کے قابل ہو جاتا ہے اس [illegible] بیضاوی مائل سرخ بیر کی شکل کا ہوتا ہے۔ اس میں دو بیج ہوتے ہیں ہر [illegible] غلاف ہوتا ہے، اور اس پر خشک اور صاف چھلکا ہوتا ہے۔ بیر [illegible] ہے جیسے بیرونی علاقوں سے ماہر فن علیحدہ کرتا ہے [illegible] میں ڈال دیئے جاتے ہیں یہاں بیج بیٹھ جاتا ہے اور مغز [illegible] باہر آ جاتا ہے۔ پھر ۲۰ سے ۴۰ گھنٹوں تک سڑنے [illegible] ہے تاکہ بیرونی غلاف دور ہو جائے۔ کیونکہ اس کی تہ اس وقت [illegible] ہے۔ پھر انہیں دھو کر دھوپ میں سکھا لیا جاتا ہے۔ اس ہی کی [illegible] پر نقرئی غلاف اور چھلکا بدستور قائم ہوتا ہے۔ سے اتال سے پہلے بنا دیا جاتا ہے اس کے بعد قہوہ کی مشین [illegible] کی جاتی ہے پھر اسکو الگ حاصل کر لیا جاتا ہے۔

کیڑوں کی قوت شامہ

اس زمانہ میں زیادہ تر علمین کی توجہ اس طرف ہے کہ کیڑوں اور مچھروں وغیرہ کو تلف کر دیا جائے ہم ان کے عادات و خصائل کی طرف اس قدر متوجہ نہیں ہوتے، ان کیڑوں کی زندگی ان کی عادات ان کے دوست دشمن کا علم بڑی اقتصادی اہمیت رکھتا ہے، ہمیں اس کے لئے اپنے محدود حواس و واقفیت پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ کوئی اور چیز اس معاملہ میں ہماری رہنمائی نہیں کرتی۔ مثال کے طور پر کیڑوں کے سونگھنے کی قوت کو لیجئے۔ پاخانہ کی مکھی گوشت کی سڑاند کیسے معلوم کر لیتی ہے وہ کہیں بھی گوشت رکھتے ہی آ موجود ہوتی ہے۔ شہد کی مکھیاں شہد والے پھولوں کو پا لیتی ہیں ہمیں ان میں سے کوئی خوشبو نہیں آتی معلوم نہیں انہیں کیا محسوس ہوتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ان کیڑوں کی سونگھنے کی قوت جہاں تک ان کی غذا کا تعلق ہے بہت مکمل ہے بعض پتنگے جھینگے اور تیتریاں اپنے جوڑے کو محض بو سے تلاش کر لیتے ہیں یہ حس ان کی اس قدر لطیف ہوتی ہے کہ ہماری فہم سے باہر ہے، بعض محقق اسے قوت شامہ سے منسوب نہیں کرتے۔ بلکہ ان کا قول ہے کہ ان میں کوئی چھٹی حس حائل ہے جس سے ہم محروم ہیں امور وغیرہ میلوں دور سے مادہ کے پاس اڑ کر آ موجود ہوتے ہیں وہ کیا تار برقی ہے جو مادہ منتشر کرتی ہے کہ آؤ اور میرے پاس رقص کرو۔ مادہ کو اٹھا کر [illegible] منتقل کر دیں۔ بکس میں یا پنجرہ میں بند کر دیں نر آ موجود ہوں گے یہ زمانہ انڈوں کا ہوتا ہے۔ خدا جانے کیا مخفی پیغام ہے کہ نر کو تعمیل کئے بغیر نہیں بن آتی۔ سونگھنے کی قوت دیکھنے اور سننے سے زیادہ کیڑوں کی دنیا میں کام کرتی ہے۔ اس کے متعلق ہمارا علم بہت محدود ہے۔ ہمیں ٹڈے کی آواز سے واقفیت ہے وہ نر جو زمین کو دیکھ کر بولتا ہے یا مادہ کو پکارنے کے لئے آواز نکالتا ہے اس سے خیال آتا ہے کہ شاید اس کے کان ہوں۔ یہ درست ہے کیونکہ اس کی ٹانگ میں ایک کان پایا جاتا ہے نر مچھر مادہ کے پروں کی آواز اپنی مونچھ سے معلوم کر لیتا ہے مگر ہمارے کان اس آواز سے نا آشنا ہیں کیونکہ ہماری سماعت محدود ہے۔ کاغذ پر مکھی کے چلنے کی آواز ہمیں نہیں آتی مگر آلہ سماعت سے اس کی حرکت کی آواز سنائی دیتی ہے۔ یہ خیال ہے کہ ہم اپنے محدود وسائل سے بساط عالم کے راز نہیں معلوم کر سکتے جو کچھ ہمیں حاصل ہوتا ہے بہت تھوڑا ہے، [illegible] ہمارے حواس زیادہ قوی ہوں تو شاید ایسی آوازیں سنائی دیں جو نغمہ ہوا اور ایسے رنگ نظر آئیں جو پہلے نہ دیکھے ہوں۔

محمد ظفر

بزمِ عصمت

(۱) بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں، جن میں خریداری نمبر کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جواب عصمت میں پہلے شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر پرمشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔ ایڈیٹر

میں نہایت خوشی کے ساتھ یہ خبر سناتی ہوں کہ میری باجی امرت کور کی شادی سردار کشن سنگھ صاحب جاگیردار کے ساتھ ۷ مئی کو بخیر و خوبی انجام پائی دعا ہے کہ اس عالی وقار جوڑے کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے اس خوشی میں دو روپیہ کی حقیر رقم نادار فنڈ کے لئے ارسال کرتی ہوں

اندر کور اورنگ آباد دکن

میں انتہائی مسرت و دلی شادمانی کے ساتھ یہ خوشخبری سناتی ہوں کہ ۱۸ اگست ۱۹۴۳ء کو میری عزیز سہیلی فاطمہ بائی بنت گل محمد مرحوم کی شادی خانہ آبادی بمقام بنگلور بخیر و خوبی انجام پذیر ہوئی اللہ تعالیٰ دولہا دلہن کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے۔ اور انہیں زندگی کا بہترین مبارک کرے۔ اس خوشی میں دو روپیہ کی حقیر رقم عصمت کے نادار فنڈ کے لئے بھیجتی ہوں

خریداری نمبر ۴۹۰۴

خریدار نمبر ۲۴۸۶ کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ یہ نسخہ استعمال کریں۔ ایک آنہ کی خالص چنبیلی کی کھلی اور تھوڑا اچھا میٹھا تیل کھلی کو میٹھے تیل میں سخت کر لیں اور پھر چہرے پر مل لیں، تھوڑی دیر خشک رہنے کے بعد ہتھیلیوں سے رگڑ کر بتیاں اتار دیں۔ روزانہ اسی طرح کریں۔ انشاء اللہ فائدہ ہوگا۔

اور جن بہن صاحبہ کے بال کمزوری سے سفید یا سرخ ہو گئے ہیں انہیں یہ نسخہ استعمال کرنا چاہئے [illegible] صندل، ۲ تولہ ببول کی چھال [illegible] کے کسی برتن میں بھگو دیں۔ صبح ان سب کو پیس کر [illegible] صابن بالکل استعمال نہ کریں ہمیشہ انہی چیزوں سے سر دھویا کریں بال سیاہ اور گھنے ہو جائیں گے

عطیہ مشتاق بنت مشتاق حسین خاں۔ لاہور

اگست کے رسالہ میں خریدار نمبر ۴۴۴۳ کے لئے تو مشورہ کے سلسلہ میں بنت متوفیٰ مہر دل خاں صاحب خریدار نمبر ۱۷۹۹ کے واسطے زدکن ممتاز ہیر آئل کے استعمال کرنے کا مشورہ دیتی ہوں۔ مندرجہ شکایتوں میں مفید پایا ہے۔ پتہ ملنے کا:۔ ملکی دواخانہ شہر اٹاوہ۔ یو۔ پی

اس کے علاوہ بنت متوفیٰ مہر دل خاں صاحب ذیل کا نسخہ نہار منہ پیا کریں:۔ عناب ۵ دانہ مغز تخم کدو شیریں ۳ ماشہ تخم کاہو ۳ ماشہ۔ مغز تخم خیارین ۳ ماشہ سونف ۳ ماشہ منقیٰ ۷ دانہ مغز بادام شیریں ۵ دانہ پانی میں پیس کر چھان کر دانہ شکر بقدر ذائقہ ملا کر مسکہ لائچی کا داغ دیکر یا بغیر داغ دیئے پی لیا کریں پھر قدرتِ خدا کا تماشہ دیکھیں۔ تمام شکایتیں کافور ہو جائیں گی۔

خریدارہ نمبر ۴۰۵۸

میرے سر کے بال عرصہ آٹھ ماہ سے جھڑنے لگے ہیں ہمیشہ نارئیل کا تیل استعمال کرتی ہوں اگر کسی بہن کو بال گھنے اور مضبوط کرنے کا کوئی آزمودہ نسخہ معلوم ہو تو بذریعہ عصمت مطلع فرمائیں۔ بیحد ممنون ہوں گی۔

نمبر خریداری ۱۳۶۵

روس کا میدان - روس میں جرمنوں کو بدستور پسپائی سے سامنا ہو رہا ہے۔ روسی فوجوں کو اہم فتوحات برائنسک اور نووروسیسک میں نصیب ہوئیں۔ اول الذکر مقام وسطی روس میں ہے اور مؤخر الذکر کوہ قاف میں۔ جرمن گویا اب اس علاقہ سے بے دخل ہو گئے۔ بحیرہ اعظم کے خیال میں جرمنوں کے ہاتھوں سے ٹگن روگ اور میری پول نکل گئے۔ اب روسی فوجیں بڑی تیزی سے ہر جگہ بھاگتے ہوئے جرمنوں کا تعاقب کر رہی ہیں۔ یوکرین میں تو وہ اس کے دار السلطنت خیف سے بہت قریب ہو گئی ہیں اور کوئی دن جاتا ہے کہ وہ نیز دریپنے اور میرو پیٹرووسک پر قابض ہو جائیں گی۔ وسط میں اب سمولنسک کی باری آ رہی ہے۔ پولٹاوا بھی گھیر گیا ہے۔ جرمن خیف اور سمولنسک پر ضرور زور دیں گے۔ دونوں تعلقہ پولینڈ کی سرحد کے قریب واقع ہیں۔ روسی لشکر پانچ سے دس میل روزانہ بڑھ رہا ہے۔ ہٹلر کو مجبور ہو کر اپنی تقریر میں کہنا پڑا کہ ہم مصلحت وقت سے کسی مقام سے ہٹ جاتے ہیں اور کسی مقام پر ڈٹنے سے گریز کرتے ہیں مگر اس سے اس فولادی حلقے پر جو جرمنوں نے اپنے وطن مالوف کے گرد قائم کر دیا ہے کوئی اثر نہ پڑے گا۔ مجھے اپنی قوم سے امید ہے کہ وہ ہمت مردانہ سے کام لے کر لڑتی رہے گی۔ ان فقروں سے پسپائی اور بے بسی کی بو ضرور آتی ہے۔ ایسا نظر آتا ہے کہ روسی جلد جرمنوں کو اپنے ہتھیائے ہوئے حصہ ملک سے نکال دیں گے اور پھر جرمنی کی باری آئے گی۔

اٹلی کی شکست اٹلی نے ۳ ستمبر کو بلا شرط ہتھیار ڈال دیئے۔ اس خبر کو اتحادیوں نے چار پانچ روز پوشیدہ رکھا۔ اس عرصہ میں انہوں نے نیپلز کے علاقہ اور سالرنو میں اپنی فوجیں اتار دیں۔ اٹلی کے ہتھیار ڈالتے ہی شمالی اور وسطی حصوں پر جرمنی نے قبضہ کر لیا۔ اور روم کو بھی معمولی جھڑپ کے بعد اپنے قبضہ میں لے لیا۔ پوپ کا علاقہ بھی [illegible] فوج مستعد ملی۔ چند [illegible] اور حالات [illegible] اس سے [illegible]

خود پیچھے ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اتحادیوں نے نیپلز کے آس پاس کے چند اطالوی جزیروں پر قبضہ کر لیا۔ ٹارنٹو، برنڈزی اور باری بھی ان کے قبضے میں آ گئے۔ اس طرح اطالوی بوٹ کی نوک پنجہ اور ایڑی ٹخنوں تک اتحادیوں کے قبضے میں آ گئی۔ اب اطالوی سرزمین ہی سے اتحادی ہوائی جہاز اڑ کے جرمنوں کے مقبوضہ اطالوی علاقہ پر تباہی پھیلاتے ہیں۔ اطالوی ہر جگہ اتحادیوں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ جرمنوں نے جگہ جگہ اطالویوں سے ہتھیار چھین لئے ہیں اور اپنی دانست میں اطالوی لشکر ختم کر دیا ہے۔ یورپ میں جہاں جہاں وہ اس سے کام لے رہا تھا ان سب سے ہتھیار لے کر ان کو نگرانی میں لے لیا گیا ہے۔ اتحادی اٹلی میں برابر بڑھ رہے ہیں۔ ترکی کے پاس کا مجمع الجزائر جسے ڈوڈی کانی کہتے ہیں اور جن پر اٹلی کا قبضہ تھا ایک طرف تو جرمنوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اس پر قبضہ کر لیا ہے مگر اتحادیوں نے اعلان کیا ہے کہ اس کے بڑے بڑے جزیروں کاس، لیرو اور سموس پر خود ان کا قبضہ ہو گیا ہے۔ اور بڑے جزیرہ روڈس پر ان کی فوجیں اتر کر قبضہ کرنے میں مصروف ہیں۔ مارشل بدولیو اور شاہ وکٹر عمانوئیل روم سے چلے گئے ہیں۔ ایک مرتبہ یہ خبر آئی تھی کہ شاہ نے اپنے بیٹے کے حق میں دستبرداری دے دی ہے۔ مارشل موصوف اب انگریزوں کی حفاظت میں ہیں۔

مسولینی قید و آزاد ہٹلر سے ملنے کے بعد مسولینی جب بادشاہ اٹلی سے ملنے گیا تو محل کے دروازے بند کر لئے گئے۔ وہ محل میں بادشاہ سے ملاقات کر رہا تھا کہ اس کے محافظ اور ڈرائیور سب گرفتار کر لئے گئے۔ اور اس کی موٹر وہاں سے ہٹا دی گئی۔ وہ جب بادشاہ سے مل کے باہر آیا تو اپنی موٹر کی بجائے کوئی اور ہی موٹر کھڑی دیکھی۔ اس نے اپنی موٹر طلب کی۔ مگر افسر موجود نے کہا کہ آپ اس موٹر میں زیادہ محفوظ رہیں گے۔ مسولینی سمجھ گیا کہ معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ بے بسی کے عالم میں با نہیں [illegible] موٹر چلی اور اسے قید خانہ پہنچا دیا گیا۔ جہاں [illegible] کے قریب کسی جزیرہ [illegible] اسے ہوائی جہاز کے ذریعہ [illegible]

...AT Delhi ... 1942

جنگ کے زمانہ میں آگ کے مول چیزیں خرید کر روپیہ ضائع نہ کیجئے

آجکل عام طور پر چیزوں کی قیمت بیحد بڑھی ہوئی ہے۔ جنگ کے زمانے میں واقعی ضروریات کے علاوہ اور کچھ خریدنا فضول خرچی ہے۔ اسکے برخلاف جو پیسہ بھی آپ بچا سکیں آئندہ آپ کے بڑا کام آئیگا۔ جنگ کے بعد جب قیمتیں گر جائینگی تو آپ اپنی رقم کی پائی پائی سے سستی چیزیں خرید کر وصول کر سکیں گے۔

ان کے دنوں میں خرچ کرنے کے لئے اسوقت خرچ روک دیجئے

آئندہ کے لئے روپیہ بچانے کا محفوظ طریقہ اختیار کیجئے

اگر آپ سونے، چاندی جواہرات۔ زمین۔ مکان یا سامان وغیرہ میں روپیہ لگائیں گے تو قیمتوں کے عام سطح پر آجانے کے بعد آپ کے اس روپیہ کی مالیت کم ہو جائے گی۔

اپنی رقم کو محفوظ رکھنے اور اس کی مالیت کو برقرار رکھنے کے لئے اسے انجمن امداد باہمی بیمہ بینک کے سیونگ کھاتے یا ڈاکخانے کے سیونگ بینک میں لگائیے۔ اگر آپ ان سے بھی بہتر جگہ رقم [illegible] سرکاری قرضہ یا سیونگ سرٹیفکٹ [illegible]

آٹھ آنے روز بچائیے!

آپ تھوڑی تھوڑی بچت بھی کریں تو بہت کچھ جمع کر سکتے ہیں۔ آٹھ آنے روز ... سکے تو اس سے زیادہ بچائیے اور ... شروع کیجئے پھر اس بچائی ہوئی رقم کو نیچے لکھی ہوئی محفوظ مدوں میں برابر لگاتے رہئے۔

Regd. No. L. 1872 November 1943 Established 190

تصانیف علامہ راشد الخیری رح

عروسِ کربلا

علامہ مغفور کے تمام تاریخی ناولوں میں بہ لحاظ درد واثر کے ممتاز ہے۔ کربلا کے تاریخی مناظر پہلے ہی کچھ کم درد انگیز نہیں۔ اس پر مولانا کے قلم کو ہر پرے قیامت ڈھادی ہے۔ کئی جگہ ہچکی بندھ جاتی ہے۔ اس پر لطف یہ ہے کہ محبت کا دلاویز افسانہ ہے۔ بہت مشہور کتاب ہے ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے۔ قیمت عہ

یاسمینِ شام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی کے عہد کی اسلامی جنگ ہلال وصلیب کے معرکے اسلام کی فتح وتسخیر شام کے حالات اس کے ہمراہ حسن ومحبت کی داستان نہایت متانت اور تہذیب سے لکھی گئی ہے۔ قیمت ۱۲؍

محبوبۂ خداوند

طرابلس کے مقدس خداوند کا رتعیت شمالی افریقہ کی حسینہ سفیریہ کو قابو میں کرنے کے لئے اپنے زعمی دعووں میں کیا کیا کرتب دکھاتا ہے۔ یہ ایک راز ہے جو محبوبۂ خداوند کے مطالعہ سے حل ہوگا۔ حضرت عثمان رضؓ خلیفہ ثالث کے زمانہ میں اسلام اور عیسائیت کے معرکے اور لڑائیوں کے حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت صرف عہ

شہنشاہ کا فیصلہ

عہد عباسی کے بغداد کا دلچسپ افسانہ ایک شخص اپنی بیوی کی شادی کن اسباب کے تحت ایک دوسرے شخص سے کرتا ہے ایک مصیبت زدہ ماں کا بے گناہ بچہ کس وجہ سے واجب القتل ٹھیرایا جاتا ہے۔ ملکہ اپنے حصول مقصد کے لئے کیا کیا کوششیں کرتی ہے۔ اور آخر میں کس خوبی سے شہنشاہ کا فیصلہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ الگ کر دیتا ہے۔ قیمت ۱؍

شاہین و دُرّاج

مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کا وہ معرکۃ الآرا تاریخی ناول جس نے مصنف کی سحر نگاری کا بڑے بڑے ادیبوں کو قائل کر دیا تھا علامہ مغفور کا سب سے پہلا تاریخی ناول ہے جس میں محبت کے جذبات لطیفہ کو نہایت لطف اور رنگینی سے بیان کیا گیا ہے بلحاظ زور قلم اور جذبات نگاری اور ناولوں میں یہ قصہ نہایت نمایاں درجہ رکھتا ہے۔ پانچواں اڈیشن۔ قیمت ۱۲؍

منظرِ طرابلس

تسخیر طرابلس کے لئے مسلمانوں کا جوش ایمانی حضرت زبیر بن عوام کی بے مثل بہادری۔ ایثار و شجاعت محبت کے آتشکدہ میں بے گناہ لڑکی کی قربانی۔ حقیقی بہن کے ہاتھوں بھائی کا قتل مذہبی پیشوا کی سیاہ کاریاں قیمت ۱؍

دُرِّ شہوار

ایران و ماژندران وسیستان کی ہولناک لڑائیوں کا مرقع، بہرام کے شجاعانہ کارنامے اور ملکہ پر احسانات فرازی سطورہ کی فراست اور بہادری۔ اور وزیر کی مکاری اور فریب قیمت صرف دس آنے ۱۲؍

سوانحِ لقد

جس سے معلوم ہوگا کہ مرد کا نکاح ثانی اور اسلام میں عورت کی حیثیت کیا ہے۔ یہ افسانہ بتائیگا کہ جوان بیٹی کی شادی نہ کرنا سوسائٹی کا کیسا زبردست گناہ ہے۔ دو سگی بہنوں کی کوششیں اور ان کے ہاتھوں جوان بیٹے کا قتل ۸؍

تیغِ کمال

اگر آپ کو غازی اعظم مصطفیٰ کمال کے مفصل حالات۔ یونان کے برخلاف مسلمانوں کی کوشش اور فتح کے مناظر دیکھنے ہیں تو اس کتاب میں دیکھئے جس میں یورپ کی سازشوں کے راز افشا کئے گئے ہیں۔ شکست یونان کے درد انگیز مناظر جانباز ترکوں کی شجاعت اور کمال پاشا کا کمال قیمت عہ

مضامین اور افسانوں کے جدید مجموعے

قرآنی قصے

ان نبیوں اور رسولوں کے مقدس حالات جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ حضرت علامہ راشد الخیریؒ نے یہ قصے مسلمان لڑکیوں کے لئے اُن کی سمجھ کے مطابق انہیں کی زبان میں مگر اپنے خاص رنگ میں لکھے تھے قیمت صرف ۱۲؍

عروسِ مشرق

وہ مضامین جو یورپ کی اندھا دھند نقالی اور مغربی تہذیب کے زہر آلود اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے مرحوم مصور غم نے تحریر فرمائے تھے۔ ان میں ان مشرقی خوبیوں کو جو روز بروز مٹ رہی ہیں اور جن پر ہندوستان کے بسنے والے ناز کرتے تھے مؤثر پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲؍

گردابِ حیات

حضرت مصور غم نے عورتوں کی اصلاح کے لئے چھوٹے چھوٹے نتیجہ خیز اور مؤثر افسانے عام فہم پیرایہ میں عصمت میں لکھے تھے ان کا مجموعہ۔ ان افسانوں نے بیسیوں عورتوں کو افسانہ نگار بنا دیا۔ اور سینکڑوں عورتوں کی زندگی سنور گئی۔ قیمت صرف ایک روپیہ چار آنہ عہ

بزمِ رفتگان

اردو ادب کے عرفانی مرثیے جو ملک کی مایہ ناز خواتین اور باکمال شعرا ادبا کی یاد میں لکھے گئے تھے اور جو معدن ادب کے بیش بہا جواہر ریزے ہیں۔ ایک ایک فقرہ اور ایک ایک جملہ درد واثر میں ڈوبا ہوا ہے۔ قیمت ۱۲؍

گدڑی میں لعل

لڑکیوں اور عورتوں کو گھر۔ ہنرمند اور کفایت شعار بننے اور کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے خانہ داری کے متعلق نہایت مفید مشورے دلنشین پیرایہ میں۔ یہی ہیں وہ مضامین جنہوں نے ہزاروں عورتوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اور وہ کامیاب گھر والی بن کر خوشگوار زندگی گذارنے لگیں۔ قیمت عہ

سیاحتِ ہند

جو ہندوستان کے مختلف مقامات کی تعلیم یافتہ روشن خیال حضرات کا ذکر ہے [illegible] سے واقفیت ہوتی ہے اور علامہ مرحوم کی [illegible] پتہ چلتا ہے۔ قیمت عہ

وادالالال بجگر

پانچ نہایت [illegible]

ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں۔ حالانکہ نثر اور زبانی حشو کی تفریح لیکن نتیجہ خیز کتاب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصور غم علیہ الرحمۃ ظرافت نگاری میں کس درجہ کمال رکھتے تھے۔ قیمت ۱۰/

بیفکری کا آخری دن

اور دوسرے مضامین۔ کنواری بچیوں کے لئے جن کا مقصد یہ ہے کہ ان میں اچھے عادات و خصائل پیدا ہوں۔ وہ اپنے فرائض کو سمجھنے لگیں۔ قیمت ۵/

نالۂ زار

خواتین ہند کے محسن اعظم کے درد انگیز مضامین۔ جن میں عورت کی مختلف حیثیت پر بحث کی گئی ہے۔ عورتوں کی مظلومیت کا مرقع اور ان کے مصائب و آلام کی درد انگیز داستانیں ہیں جنہیں پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اور سنگدل سے سنگدل انسان کی آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں۔ قیمت ۱۴/

احکام النسواں

قرآن مجید کے وہ احکام جو عورتوں سے متعلق ہیں مع ترجمہ و تفسیر جس نے مسلمان عورتوں کی ایک اشد ضرورت کو پورا کر دیا۔ کتاب نسوانی لٹریچر میں نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ اور ہر مسلمان خاتون کے پاس رہنی چاہئے۔ اس کی پوری قدر و قیمت مطالعہ کے بعد ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ قیمت ۱۲/

دعائیں

حضرت علامہ مغفور کی سب سے آخری تصنیف مصور غم علیہ الرحمۃ نے۔ یہ مخصوص رنگ میں اردو زبان میں نثر و نظم کی یہ دعائیں لکھی تھیں۔ جو اس قدر سوز و گداز اور درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ہیں کہ ایک ایک جملہ اور ایک ایک مصرعہ کلیجہ کے پار ہو جاتا ہے۔ قیمت ۱۰/

دلّی کی آخری بہار

ساٹھ برس پہلے دلی کیا تھی۔ مرد عورتیں بوڑھے بچے کس طرح بے فکری اور سادگی کے ساتھ زندگی کا لطف اٹھاتے تھے میلے ٹھیلے کس طرح منائے اور سیر و تفریح کس طرح کی جاتی تھی۔ اس کتاب میں قدیم معاشرت، محبت تعلقات۔ اور وضعداری کی درد انگیز کہانیاں اور بربادی دلی کے جگر خراش افسانے ہیں۔ قلعہ معلیٰ کی کوثر سے دھلی ہوئی زبان میں مصنف نے فسانۂ شب شمالک و درد مند دلوں کو تڑپا دیا ہے۔ قیمت صرف ۱۲/

محسن حقیقی

مسلمانوں کے آقا و مولا سردار دو جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے چند متفرق واقعات مصنف آمنہ کے لال کے قلم سے اور اس قدر موثر پیرائے میں کہ آنکھ سے آنسو ڈھل پڑیں۔ مجالس میلاد کے متعلق چند اصلاحی مضامین بھی اس کتاب میں ہیں۔ قیمت ۸/

داستان پارینہ

تاریخی مضامین کا مجموعہ۔ جن میں متعصب غیر مسلم مورخوں کے ان حملوں کا دندان شکن جواب بھی دیا گیا ہے۔ جو مسلمان بیگمات اور حکمرانوں پر کئے جاتے ہیں۔ [illegible] قیمت باتصویر ۱۲/

[illegible] کی تعلیم و تربیت اور پردہ کے مختلف پہلوؤں

پر طبقہ نسواں کے سب سے بڑے نباض نے تہائی صدی تک غور و فکر کے بعد جو بیش بہا مضامین تحریر فرمائے تھے۔ ان کا بے انتہا قیمتی مجموعہ۔ قیمت بارہ آنہ ۱۲/

مسلی ہوئی پتیاں

دلی کی بیگماتی زبان میں زنانہ خطوط۔ حیات انسانی کے وہ راز جن کو پڑھ کر بیاختہ جی چاہتا ہے کہ لفافوں کو اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیجئے۔ قیمت ۱۲/

چمنستان مغرب

خانہ داری۔ تاریخ۔ معاشرت۔ ادب۔ غرض ہر موضوع پر جو خواتین کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ انگریزی زبان کے چند بہترین مضامین کے عام فہم ترجمے جن میں حضرت علامہ مغفور کا خاص رنگ بھی جھلک رہا ہے قیمت ۱۲/

حور اور انسان

اب سے قریباً تیس سال قبل رسالہ تمدن میں علامہ مغفور نے حقوق نسواں کی حمایت میں چند نہایت مؤثر درد انگیز افسانے تحریر فرمائے تھے جنہوں نے تعلیم یافتہ مردوں میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ ان کا مجموعہ قیمت ۱۴/

بساط حیات

چار مختصر افسانوں کا مجموعہ حیات انسانی کے متعلق جانوروں کا مشاہدہ اور مطالعہ چاروں افسانے دلآویز اور نتیجہ خیز ہیں۔ قیمت ۸/

نشیب و فراز

آٹھ عورتوں نے اپنی اپنی زندگی کا کوئی اہم واقعہ یا مشاہدہ بیان کیا ہے ہر افسانہ نہ صرف حد درجہ دلچسپ ہے۔ بلکہ نسوانی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ قیمت ۵/

مسلمان عورت کے حقوق

جو مرد خانگی زندگی خوش گوار بنانے کے آرزومند ہیں، جو عورتیں معلوم کرنا چاہتی ہیں کہ اسلام میں ان کی کیا وقعت اور کیا درجہ ہے وہ اس مجموعہ کا مطالعہ کریں۔ جس دل میں مسلمانوں کی ترقی اور بہتری کا درد ہے ممکن نہیں وہ ان مضامین کو پڑھ کر متاثر نہ ہو۔ قیمت ۱۲/

آفتاب دمشق

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا اسلام۔ مذہب مقدس کے لئے مسلمانوں کی سرفروشانہ قربانیاں۔ توحید و تثلیث کے مقابلہ اسلام اور نصرانیت کے معرکے مسلمانوں کی جانبازی۔ ایثار۔ شجاعت، صداقت کے ولولہ انگیز واقعات یہ مصور غم رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مشہور و مقبول تاریخی ناول ہے جس کے کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں اور ایک ایک زبان میں کئی کئی ترجمے قیمت ۱۲/

تربیت النسواں

جس کا دوسرا نام سمرنا کا چاند ہے۔ اس اصلاحی ناول میں دو حقیقی بہنوں کے سبق آموز حالات زندگی ہیں۔ جن میں ایک کی تربیت صحیح اسلامی اصولوں پر کی جاتی ہے۔ اور دوسری کی تربیت کی طرف سے ماں کی غفلت کا دردناک انجام ہوتا ہے۔ واقعات نہایت نتیجہ خیز۔ قیمت صرف ۱۲/

پتہ عصمت بک ڈپو۔ دہلی

(اس پرچہ میں جس قدر مضامین شائع ہو رہے ہیں اُن سب کا کاپی رائٹ بحق "عصمت" محفوظ ہے)

چھتیسواں سال	نومبر ۱۹۴۳ء عیسوی	جلد ۷۱ نمبر ۵

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی (مع محصول ڈاک وغیرہ) چار روپیہ قیمت فی پرچہ ۵ر ممالک غیر سے دس شلنگ

اُمراء سے دس روپیہ رؤساء سے پچیس روپیہ والیان ریاست سے سو روپیہ

کتابوں کی قیمتوں میں اضافہ کاغذ کی گرانی کی وجہ سے عصمت بک ڈپو کی چند مطبوعات کی قیمتوں میں یکم دسمبر ۱۹۴۳ء سے معمولی سا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ مفصل اعلان اسی رسالہ میں صفحہ ۱۸۸ پر ملاحظہ فرمایئے۔ مئی ۱۹۴۳ء میں جن کتابوں کی قیمتیں بڑھائی گئی تھیں۔ ان میں بعض کتابوں کی قیمتوں میں اب اور تھوڑا سا اضافہ کیا جائے گا۔ بعض کتابوں کی قیمتیں اب تک نہیں بڑھائی گئی تھیں۔ مگر اب بڑھانی پڑیں۔ اگر آپ کے پاس عصمت بک ڈپو کی فہرست ۱۹۴۳ء نہیں ہے۔ تو فوراً طلب فرمایئے۔ ۱۰ نومبر ۴۳ء میں کتابیں منگانے میں آپ کو کافی کفایت ہوگی۔

مینجر

(باہتمام رازق الخیری اڈیٹر، پرنٹر، پبلشر، محبوب المطابع دہلی میں چھپ کر دفتر عصمت کوچہ چیلان (دریا گنج) دہلی سے شائع ہوا)

عصمت بک ڈپو دہلی

کتابوں کی قیمتوں میں اضافہ

کاغذ کی گرانی اور نایابی کی وجہ سے عصمت بک ڈپو کی مندرجہ ذیل کتابیں یکم دسمبر ۱۹۴۳ء سے اضافہ شدہ قیمتوں پر فروخت کی جائیں گی۔ ہر کتاب کے آگے اضافہ شدہ قیمت درج کی گئی ہے۔ بعض کتابیں جن کے جدید اڈیشن اسی سہ ماہی میں شائع ہوئے ہیں پہلے ہی اضافہ شدہ قیمتوں پر فروخت کی جا رہی ہیں مگر چونکہ عصمت کے صفحہ ۲۰۶ پر جو اعلان شائع ہوا تھا۔ اس میں نیز مئی ۴۳ء میں جو قیمتیں درج ہیں ان میں یہ تھوڑا سا اضافہ اور کیا گیا ہے۔ اس لئے ان کتابوں کے نام بھی مع قیمت درج کر دیئے گئے ہیں۔ اس اعلان کے بعد بقیہ تمام فہرستیں منسوخ سمجھی جائیں گی۔ عصمت بک ڈپو کی جن کتابوں کے نام درج ذیل نہیں ہیں، وہ موجودہ قیمتوں پر ہی (مطابق فہرست کتب مطبوعہ مئی ۱۹۴۳ء نیز اعلان عصمت مئی صفحہ ۲۰۶) فروخت ہونگی۔

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
تفسیر عصمت	۶ر	بیماروں کے کھانے	۱۲ر	لکڑی کا باریک کام	۱۰ر
انگوٹھی کا راز	۸ر	ناشتہ	۱۲ر	رومانی شادی	۱۰ر
گلدستہ عید	۱۲ر	خواتینِ اندلس	۸ر	حلیہ	۶ر
بساطِ حیات	۹ر	جاپانی کہانیاں	مجر	مختصر دنیا	۸ر
نورِ انسان	۴ر	شہزادی شبلونر	۱۴ر	انشائے سلمیٰ	۱۰ر
تعصب دہر	۵ر	پھول پھلواری	۱۴ر	تندرستی ہزار نعمت ہے	۵ر
محسن تضبیحی	۸ر	گلدستہ کشیدہ	عہ	کپڑے کی چھپائی	۱۲ر
تاریخ اسلام	۸ر	گلگشت زہرا	عہ	سیمیں سوزن کاری	عہ
مسلی ہوئی پتیاں	۱۲ر	عصمتی گردشیا	عہ	گلدستہ تارکشی	عہ
یادگارِ تمدن	۶ر	چمنستانِ خیاطی	عہ	گوٹہ کناری کا کام	عہ
یاسمینِ شام	۱۲ر	گلستانِ خیاطی	عہ	راشد الخیری نمبر جوہر نسواں	عہر
تیغِ امل	۸ر	موتیوں کا کام	۴ر	جالی کا کام	عہ
شاہینِ دراج	۱۲ر	ادبی کام سلائیوں سے	عہ	مجموعہ کشیدہ کاری	عہ
درِ شہوار	۱۲ر	کروس اسٹیچ در رنگ	عہ	روح کشیدہ	۸ر
شادی کا انتخاب	۱۰ر	سرگذشتِ ہاجرہ	۱۴	کروشٹ کی قسمیں	عہ
وداعِ راشد	۱۲ر	مفید نسواں	۱۲ر	خواتین کی دستکاریاں	۱۰ر
عصمت کی کہانی	۱۲ر	ادب زریں	۱۲ر	صنعت و حرفت	۸ر
عصمتی ہنڈکلیا	۱۰ر	نقوشِ موت	۱۰ر	آفتابِ دمشق	۱۲ر
بچوں کے کھانے	۱۰ر	خواتین کی دستکاریاں	۱۰ر	سمرنا کا چاند	۸ر

اُردو کی اہلِ قلم خواتین

عصمتی بہنوں کی ایک مدت سے یہ خواہش تھی اور متعدد خطوط میں ہم سے بار بار اصرار کیا جاتا تھا کہ اُردو ادب کی نشوونما میں خواتین نے جو حصہ لیا ہے۔ اور جو ادبی شاہکار ان کے قلم سے نکلے ہیں۔ ان کا ایک جامع تذکرہ شائع کیا جائے۔ ان خواتین کے حالات زندگی۔ اور ان کے نظم و نثر کے مضامین و تصانیف پر مفصل تبصرہ ہو۔ جس سے اُس بے انصافی کی بھی تلافی ہو جائے۔ جو مرد تذکرہ نویسوں نے اہلِ قلم خواتین کے ساتھ کی ہے کہ ان کے ادبی شاہکاروں کو اکثر بالکل نظرانداز کر دیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ اہلِ قلم خواتین کا ایک ایسا جامع تذکرہ بھی مہیا ہو جائے۔ جس سے آئندہ نسلیں استفادہ کر سکیں۔

اکتوبر ۱۹۴۰ء کے عصمت میں ہم نے اس کا وعدہ بھی کیا تھا کہ عنقریب ہم اس کام کو شروع کرنے والے ہیں مگر مختلف موانع حائل ہوتے رہے اور ہمارے اس وعدہ کو بھی تین سال ہو گئے۔ اب بعض عصمتی بہنوں کی یاد دہانی سے ہم نے پھر اپنے اس ارادہ کی تجدید کی اور اس کے ابتدائی انتظامات شروع کر دیئے ہیں۔ عنقریب ایک سوالنامہ ہم اُردو کی مصنفات، شاعرات اور مضمون نگار خواتین کے پاس بھیجیں گے۔ امید ہے کہ تمام اہلِ قلم خواتین اس تذکرہ کو مکمل کرنے میں ہماری مدد کریں اور سوالنامہ کے مطابق اپنے حالاتِ زندگی ارسال کریں گی۔ جن بہنوں کی نظر سے یہ اعلان گزرے۔ وہ اگر خود مضمون نگار یا مصنفہ نہ ہوں تو اپنے رشتہ داروں یا سہیلیوں یا جاننے والیوں میں سے جو خاتون ادبی ذوق رکھتی ہوں۔ اُنہیں اس طرف توجہ دلائیں اور نیز ہمیں ان کے نام و پتہ سے اطلاع دیں۔ تاکہ اُن کے پاس سوالنامہ ارسال کیا جائے۔

کتاب کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال رہا تو بہت جلد یہ تذکرہ شائع ہو جائے گا جو عصمت بک ڈپو کے معیار اور نفس مضمون کی اہمیت کے شایانِ شان ہوگا +

رازق الخیری

تقدیر

از حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ

مسلمانوں کی جتنی ردی حالت روز بروز ہوتی جا رہی ہے۔ اتنی ہی اس لفظ کی آواز کان میں بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ شاید پچھتر بلکہ اسی اور نوے مسلمان تقدیر ہی کو روتے نظر آئیں گے۔ جس بیمار مرجیوڑے روگی سے پوچھئے "بھائی کیا حال ہے؟" وہ یہی جواب دے گا "تقدیر کی خوبی ہے" غریب، مفلس، فقیر کو دیکھئے وہ بھی یہی کہتا ہوا نظر آئے گا "تقدیر کا لکھا بھگت رہا ہوں"

کسی قوم کی تباہی و بربادی کے واسطے اس سے زیادہ کیا اسباب فراہم ہو سکتے ہیں کہ جو مسلمانوں کے واسطے علماء کرام نے پیدا کر دیئے۔ تقدیر کا یقین اسلام میں صرف سخت سے سخت حوادث میں تسکین کے واسطے رکھا گیا تھا۔ ایک شخص کا جوان بیٹا مر جاتا ہے، اس کی تجارت برباد ہو جاتی ہے۔ آگ لگ جاتی ہے۔ چوری ہو جاتی ہے۔ ان مواقع پر اگر اس کے واسطے تسکین نہ ہو تو اس کا زندہ رہنا مشکل ہے۔ اسی تسکین کا نام تقدیر ہے۔ اور تقدیر کا حقیقی فلسفہ یہی ہے۔ ورنہ قرآن کا یہ صاف فیصلہ ہے کہ "ہم قوموں کی حالت میں تبدیلی نہیں کرتے" اور قوم نام ہے مجموعہ افراد کا۔ اس سے ظاہر ہے کہ انسان اپنی حالت کے تغیر کا خود ذمہ دار ہے۔ مگر آج مشکل سے ایک فی صدی بھی مسلمان ایسا نہ نکلے گا جو اپنے افعال کا ذمہ دار خدا کو نہ ٹھیرائے اور صریح ظلم کر کے اپنی غلطیوں کا الزام خدا پر نہ ڈال دے۔ بابو صاحب دفتر میں غلطی کرتے ہیں، جرمانہ ہوتا ہے، اس کی ذمہ داری کس پر آتی ہے؟ خدا پر۔ کس طرح! اسی طرح کہ وہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تقدیر میں یہی تھا، بیگم صاحبہ بچے کو نجانے ہیں سنگھاڑے کھلا دیتی ہیں دماغ پر ورم ہو جاتا ہے۔ ذمہ دار کون؟ تقدیر۔ اس لئے کہ تقدیر میں یہی لکھا تھا۔

اگر دور اول کے مسلمان تقدیر پر اسی طرح یقین کرتے اور احدیوں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے اور سمجھتے کہ جو تقدیر میں ہوگا ہو جائے گا۔ تو جو کچھ میسر ہوا یقیناً میسر نہ ہوتا۔ اور ان کی مٹی ہم سے زیادہ پلید ہوتی۔ وہ تقدیر پر اگر یقین رکھتے تھے تو صرف اسی قدر کہ تقدیر نام ہے نتیجۂ تدبیر کا۔ چنانچہ یہی تھا وہ جوش جس نے قسطنطنیہ فتح کروا دیا۔ لیکن آج جس قدر جہالت بڑھ رہی ہے۔ اسی قدر چاروں طرف تقدیر کے نعرے لگ رہے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا تقدیر کا یہ غلط یقین مسلمانوں کو کس نتیجہ پر پہنچائے گا۔ اور وہ ابھی کس حد تک اپنی جہالت سے تباہ اور برباد ہوں گے۔

مجھ سے ایک موقع پر مرحوم رؤف علی بیرسٹر نے کہا تھا کہ پانچ برس ولایت میں رہا۔ مگر میں نے کبھی کسی شخص کی زبان سے خدا کا نام نہیں سنا۔ جب میں واپس ہوا ہوں۔ تو پورٹ سعید پر ایک قلی نے واللہ کہا۔ یہ ایک عرصہ دراز کے بعد پہلی آواز تھی، جو میرے کان میں آئی، اور میں خوش ہوا۔ مگر افسوس جہاں میں نے خدا کا نام نہ سنا تھا۔ وہاں پانچ سال میں مجھے کسی نے دھوکا نہ دیا۔ مگر جس شخص نے چند لمحوں کے تعلق میں خدا کو درمیان میں دیا تھا۔ اسی نے دغا کی۔

مسلمان اگر اپنے خدا کو صرف اسی کام کے واسطے محفوظ رکھ سکتے ہیں تو وہ اپنے دل میں شرمائیں، اس غفور الرحیم پر ترس کھائیں اور اس جلیل القدر طاقت سے ایسے کام نہ لیں جو اس کی اعلیٰ اور ارفع شان سے گرے ہوئے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں فلسفۂ تقدیر اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ جو دور اول کے مسلمان سمجھتے تھے کہ کوشش میں کمی نہ ہو اور م

عیادت

ایسا کونسا گھر ہوگا جہاں دُکھ بیماری نہ ہو۔ آئے دن کوئی نہ کوئی بیمار یا زچگی یا اتفاقی حادثات سُننے میں آتے ہیں، ایسے موقعوں پر عزیزوں، دوستوں اور ملاقاتیوں کا فرض ہے کہ اظہار ہمدردی کریں۔ اسلام میں عیادت بھی عبادت ہے۔ بیمار انسان دنیا کی تمام دلچسپیوں سے الگ تھلگ رہتے درد و تکلیف میں گھرا ہوا بے کیف زندگی گزارتا ہوتا ہے۔ اس کے پاس اگر معقول طور سے رشتہ دار اور ملنے والے آتے جاتے رہیں تو اس کی اُداسی میں کچھ کمی ہو جاتی ہے۔ اور کچھ دیر کے لئے نئے آنے والے کی باتوں میں وہ اپنا دُکھ اور تکلیف بھول جاتا ہے لیکن سچ پوچھئے تو عیادت بھی ایک مصیبت ہے۔ اگر کسی کی بیماری میں پریشانی بڑھ جانے کے خوف سے کوئی نہ جائے تو وہ وہ شکایتیں ہوں گی کہ دامن چھڑانا دشوار ہو جائے گا کسی موقع پر نگاہیں چار ہوتے ہی شکایت کا دفتر کھل جائے گا۔ کہ نوج تمہاری طرح بھی کوئی سنگدل ہو۔ سب ہی ہیں دیکھنے آئے مگر تم ہی نے اَکٹ کر نہ پوچھا۔ جو میں مرگئی ہوتی تو شاید حسرت دل میں ہی لئے جاتی۔ یا شاید تم ہمارے جنازے پر شرکت کی منتظر تھیں۔ اور یہی راہ دیکھ رہی ہوں گی کہ ایک ہی دفعہ ہو آؤں گی۔ خدا بچائے تم جیسے کٹروں سے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم کسی عزیز کی بیمار پرسی کو گئے۔ تو انہیں بُرا معلوم ہوا کہ کیا تم اسی دن کی منتظر تھیں کہ کوئی بیمار پڑے تو میں جاؤں۔ کیا تماشہ دیکھنے سب جوق جوق آ رہے ہیں۔" تیمار دار ناک بھوں چڑھاتے ہیں کہ ان کی آمد و رفت سے مریض کی خاطر خواہ دیکھ بھال ہم نہیں کر سکتے۔ آنے والوں کے لئے چاء پان وغیرہ میں مشغول ہونا پڑتا ہے۔ کوئی کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔ ایسے ہی غریب عیادت کو آنے والے اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے ہیں۔ اور دل ہی دل میں پچھتاتے ہیں کہ ناحق یہ دردِ سری مول لی۔ کسی کے ہاں کوئی متعدی بیماری پھیلی، اب صاحب خانہ اور مریض کے عزیز شاکی ہیں کہ تیمارداری کو کیوں کوئی نہیں آتا ہے۔ مجبوراً شکایتوں کے ڈر سے اور عزیز داری کے خیال سے اس وقت بھی عیادت کو جانا پڑتا ہے۔ گو بعض بہنیں حفظِ ماتقدم کے طور پر کچھ اپنی صحت کا خیال کر لیتی ہیں۔ یوکلپٹس آئیل کافور یا اسی قسم کی دوسری ڈس انفکٹنٹ چیز پاس رکھ لیتی ہیں۔ مگر تیمار داروں اور مریض کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ہم ان کے بستر پر بیٹھیں یا ان کے بالکل قریب کرسی پر بیٹھیں۔ اب بتائیے مریض کے سانس اور لمس سے کس قدر نقصانات رونما ہو سکتے ہیں؟ کیا اس میں کوئی فائدہ ہے کہ ایک شخص کی چھوت میں سب کے سب گرفتار ہو جائیں۔ یا عیادت کے صلے میں وہ بھی بیماری کے بیج اپنے جسم میں بو کر آئیں۔

بعض متعدی امراض جیسے خسرہ۔ انفلوئنزا۔ ڈپتھیریا ممس۔ اور ٹائی فائڈ وغیرہ اس قدر احتیاط طلب ہیں کہ تھوڑی سی غفلت سے دوسرے کو یہ امراض ہو جانے کا اندیشہ ہے ایسے موقعوں پر مناسب ہے کہ عیادت کو آنے والے الگ بیٹھیں۔ بلکہ دوسرے کمرے سے بیمار پرسی کر لیں تو زیادہ بہتر ہو۔ لیکن ہماری ہندوستانی ذہنیت اس قدر فرسودہ اور پامال ہے کہ مائیں تو اپنے ننھے بچوں کو بھی ساتھ لاکر اس مسموم فضا میں جھونک دیتے ہیں۔ پھر ننھے بچوں کا قاعدہ ہے کہ جھٹ کوئی چیز اٹھائی اور منہ میں رکھ لی۔ اس سے جرم آلودہ چیزیں بیماری پھیلانے میں اور بھی معاون ہو جاتی ہیں۔ بچوں کو ڈفتھیریا۔ اور انفلوئنزا۔ بڑی سخت تکلیف دہ اور مہلک ثابت ہوتا ہے۔ اور ایک بچے سے بآسانی دوسرے کو ہو جاتا ہے۔ اس لئے عیادت میں بچوں کو ہرگز ہرگز ساتھ لانا نہ چاہیئے بلکہ خود بھی احتیاطاً ان کپڑوں کو جو بیمار پرسی کے وقت پہن کر گئی تھیں۔ الگ کمرے میں اُتار کر دوسرے پہن کر اور منہ ہاتھ دھونے کے بعد بچوں کے پاس جائیں۔

ٹائی فائڈ سب سے بڑھ کر تکلیف دہ مرض ہے۔ اس

میں جانبر ہونا بھی دشوار ہے۔ اور مصیبت یہ کہ ہر عمر کے لوگوں کو یہ مرض ہو جاتا ہے۔ اس لئے بڑی احتیاط کے ساتھ عیادت کے لئے جانا چاہیئے۔ تاکہ بیماری آپ کے ساتھ آکر آپ کے گھر میں نہ پھیل جائے۔

تپ دق جیسے خوفناک مرض میں کوئی مبتلا ہوتا ہے۔ اور اس کی عیادت کو لوگ آتے ہیں۔ تو ان کی خاطر تواضع کی جاتی ہے۔ اور بعض اوقات مریض کے مستعملہ برتنوں میں انہیں پان، شربت یا فواکہات پیش کئے جاتے ہیں اور اس طرح اس کی جان پر آفت آجاتی ہے۔ گویا عیادت کے شکریہ میں عداوت کی جاتی ہے۔ بیمار کے برتنوں کو ہمیشہ تندرست لوگوں کی چیزوں سے علیحدہ رکھنا تیمارداری کا بہت ہی ضروری اصول ہے۔

بعض گھروں میں یہ قاعدہ ہے کہ مریض کے سامنے کوئی روک ٹوک نہیں رکھتے۔ عیادت کو آنے والا شخص اس کی بیماری اور علاج کے متعلق آزادی کے ساتھ رائے زنی کر سکتا ہے۔ کوئی رائے دیتا ہے کہ ڈاکٹر کی تشخیص غلط ہے یونانی علاج کروایئے۔ کوئی مشورہ دیتی ہیں کہ ہومیوپیتھک علاج اس مرض کے لئے بہت درست ہے۔ غرضکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ علاج ٹھیک ہو رہا ہے مگر یقین نہیں کہ اس سے فائدہ ہوگا۔ اس لئے کہ خیال ستا رہا ہے کہ فلاں صاحب نے ایسی ہدایت کی ہے۔ یا فلاں صاحبہ نے فلاں ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ غرض عیادت کو آتے اور کافی پریشانی میں تیمارداروں اور مریض کو مبتلا کر دیتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ حد سے زیادہ ہمدردی دکھانے کو اس کی حالت بد سے بدترین کہنے میں لطف آتا ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ اس طرح وہ مریض کو بن موت مار دیں گے۔ مریض کے سامنے کبھی ناامیدی ظاہر نہیں کرنی چاہیئے۔ اس کی زندگی کی امید نہ ہو۔ جب بھی ہمت افزائی کی باتیں کیجئے۔ بوڑھوں کی تو بات اور ہے۔ مگر مہلک امراض کے شکار نوجوانوں کے سامنے ان کی تباہ حالی کو زیادہ وضاحت سے بیان کرنا ان کی تکلیف میں مزید اضافہ کرنا ہے۔ پہلے ہی اس جان بلب کا دل امید و بیم کی آماجگاہ بنا ہوتا ہے۔ اس وقت حوصلہ شکن اور مایوسی کی باتیں کرنا اس پر شدید ظلم کرنا ہے۔

میں ایک نوجوان دق کے مریض کو دیکھ چکی ہوں۔ آہ زندگی اور صحت کا خوش آیند خیال آخری وقت تک اس کے دل پر حاوی رہا! ہر گاہ یہی تصور تھا کہ کسی ترکیب سے یہ منحوس مرض دور ہو۔ اگرچہ معلوم تھا کہ یہ مرض اچھا ہونے والا نہیں۔ تاہم امید کی جھلک بار بار نظر آتی۔ اس کے ماسوا ایک بار سنبھل چکا تھا امید تھی کہ اس مرتبہ پھر سنبھل جائے گا جس وقت کوئی عیادت کو آکر افسوس یا ہمدردی کی نگاہ سے اُسے دیکھتا تو وہ سہم جاتا اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا۔ اور پسینے کے ننھے ننھے قطرے اس کی زرد پیشانی پر نمایاں ہوتے۔ مگر تیمارداروں کی حکمت عملی سے جونہی عیادت کرنے والا وہاں سے اٹھ جاتا تو اس کو امید دلانے اور اس ناامیدی کے تخیلات کو دور کرنے کے لئے۔ دلخوش کن اور ہمت افزا باتیں کی جاتیں۔ اور وہ پھر کچھ دیر کو اپنی تکلیف بھول جاتا ہے۔ مریض کے سامنے کبھی اس کی خراب حالت پر تاسف نہ کرنا چاہیئے۔ بعض گھروں میں یہ قاعدہ ہے کہ بیمار پرسی کو اگر کوئی آتا ہے۔ تو مریض کی تکلیفوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرکے اور حتی الامکان خود ہی مریض کے سامنے ناامیدی ظاہر کرتے ہیں اس سے اس کی حالت اور بھی دگرگوں ہو جاتی ہے سنتے کہ ڈاکٹروں کے سامنے بھی مریض کے افاقے کا تذکرہ نہیں کیا جاتا وہ الگ اس راز سے بے خبر رہتا ہے کہ واقعی مریض کی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے یا دوا کا کچھ خاطر خواہ فائدہ ہو رہا ہے تشخیص مرض کے لئے ذرا سا افاقہ بھی بہت کچھ اہمیت رکھتا ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ فلاں دوا مفید ثابت ہوئی یا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

عیادت اور تیمارداری کے لئے ایثار، اولوالعزمی اور قربانیوں کی ضرورت ہے۔ اگر ایثار نفسی ہم عیادت کے بہانے کسی مریض کو آرام پہنچانے کے ارادے سے جائیں اور تیمارداروں کی تائید کا خیال رکھیں تو صحیح معنی میں ہم اپنا مذہبی فرض ادا کرتے ہیں۔ ورنہ یہ بھی ایک رسم ہے۔ اور بہت بُری رسم۔

جمیلہ بیگم کلکتہ

بے کس وطن

(بنگال کے ہولناک قحط سے متاثر ہو کر)

آسودگیٔ دہر سے ناآشنا وطن — آشوبِ روزگار سے وقفِ بکا وطن
کس دل سے ہو بیان ترا ماجرا وطن — اے بدنصیب، اے ہدفِ ابتلا وطن

بے کس وطن، غریب وطن، بے نوا وطن!

پھل ہو کے بارِ خاطرِ نخلِ چمن رہا — گُل ہو کے دل فگار رہا، خستہ تن رہا
ہو کر وطن بھی آہ غریب الوطن رہا — تو یوں رہا بھی دہر میں تو کیا رہا وطن

بے کس وطن، غریب وطن، بے نوا وطن

تو گرسنہ ہے اور ہے خرمن ترے قریب — دریا میں رہ کے تشنہ ہو، تو ہے وہ بدنصیب!
بے موت مر رہا ہے، یہ اُفتاد ہے عجیب — مجھ سے نہ پوچھ اس میں ہے کس کی خطا وطن

بے کس وطن، غریب وطن، بے نوا وطن

تن پر لباس، پیٹ کو روٹی، نہ گھر نہ در — غربت کی راہ، پاس اقارب نہ چارہ گر
اس حال میں عفیفۂ بنگال کا سفر — کیا اس سے بڑھ کے ہوگی قیامت بپا وطن

بے کس وطن، غریب وطن، بے نوا وطن

زندہ ہیں نیم مُردہ کہ لب پر سخن نہیں — جز خاک ایک جامہ بھی اب زیبِ تن نہیں
مُردے پڑے ہوئے ہیں کہ گور و کفن نہیں — کیا دردمند کوئی نہ تجھ میں رہا وطن

بے کس وطن، غریب وطن، بے نوا وطن

دُنیا سے رحم ہو گیا معدوم ہائے ہائے — دَم توڑتے ہیں خاک پہ معصوم ہائے ہائے
نانِ جویں سے بھی ہیں وہ محروم ہائے ہائے — تو کچھ تو شرم اہلِ وطن کو دلا وطن!

بے کس وطن، غریب وطن، بے نوا وطن

تو نے ازل سے لاکھوں مصائب اُٹھائے ہیں — لیکن تری جبین پہ تیور کب آئے ہیں
فیاضیوں کے دَہر میں دریا بہائے ہیں — جس طرح ہو یہ بار بھی تنہا اُٹھا وطن

بے کس وطن، غریب وطن، بے نوا وطن!

محمود اسرائیلی

---

۱۵ ؍ نومبر سنہ ۱۹۴۳ء کو ادیبۂ جلیلہ محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی۔ مصنفہ جمالِ ہمنشیں۔ گلستانِ خاتون۔ پیکرِ وفا۔ وغیرہ کی رحلت کو پورے ۱۹ برس ہو جائیں گے۔ ۱۵ ؍ نومبر خواتینِ ہند کی محسنہ اور مایۂ ناز افسانہ نگار اور انشا پرداز خاتون کی رحلت کی تاریخ ہے۔ مبارک ہیں وہ بہنیں جو تلاوتِ کلامِ پاک یا اور کسی طریقہ سے مرحومہ کی روح کو ثواب پہنچائیں گی۔

پہلے پہل

حارث بن ابی ہالہ کا خون اسلام کی راہ میں بہا۔ آپ نے کافروں کو حضور صلعم کے ساتھ حرم شریف میں گستاخی کرتے ہوئے روکا اس لئے کافروں نے شہید کر ڈالا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے ستیہ گرہ کی۔ آپ حرم شریف میں سورۂ رحمٰن کی تلاوت کر رہے تھے۔ کافروں نے دیکھ پایا اور زد و کوب کرنا شروع کیا۔ آپ خاموشی کے ساتھ ہر ایذا کو برداشت کرتے رہے۔ لیکن تلاوتِ قرآن نہ روکی۔

نعرۂ تکبیر حضرت عمر فاروق رضؓ کے مشرف باسلام ہونے پر بلند کیا گیا۔

بیعت عقبٰی کی گھاٹی میں ہوئی۔ یثرب کے چار اصحاب نے حضور صلعم کے دستِ مبارک پر کی۔

امان نامہ سراقہ کو دیا گیا۔ حضور صلعم کی ہجرت کے وقت انعام کے لالچ میں حضور صلعم کو گرفتار کرنے چلا تھا۔ عجیب واقعات ظہور پذیر ہونے پر امان کا طالب ہوا۔

اسلامی علم حضرت بریدہ رضؓ نے لہرایا۔ حضور صلعم کی ہجرت کے وقت مع اپنے ستر ہمراہی کے مشرف باسلام ہوئے اور بوقت روانگی حضور صلعم کی اجازت سے ایک سبز چادر کو نیزے پر باندھ کر علم اٹھایا۔

مسجد کی بنیاد قبا میں پڑی۔ دورانِ ہجرت میں آپ قبا میں ٹھیرے۔ اور مسجد کی بنیاد ڈالی

م۔ن۔ انصاری

دوشالہ

افرادِ ڈرامہ

کلّو کی ماں:۔ مردہ کو غسل دینے والی۔ بوڑھا:۔ اس کا خاوند
بہو:۔ کلّو کی بیوی۔ ایک نامعلوم شخص۔ سیٹھانی
سیٹھانی کی لڑکی۔ چند مامائیں۔

پہلا منظر

(ایک تنگ سی بدبودار گلی کے آخر میں چھوٹا سا مکان ہے جس کے دروازہ پر ٹاٹ کا پھٹا ہوا پردہ لٹک رہا ہے۔ مکان کی متعفن اور ننھی سی انگنائی میں ایک بکری بندھی ہوئی ہے جس کے پاس روٹی کے سوکھے ٹکڑے اور پتے پڑے ہیں۔ سامنے کی کوٹھری میں ایک نحیف اور پچکے ہوئے گالوں کا بوڑھا ٹوٹی ہوئی چارپائی پر بیٹھا چلم پی رہا ہے کبھی کبھی وہ اپنی گول گول ڈراؤنی آنکھیں چاروں طرف پھرا کر کوٹھری کی تاریک چھت پر جا دیتا ہے۔ جو مکڑیوں کے جالے اور دیمک کے سوراخوں سے عجیب بھیانک سی ہو گئی ہے۔ باہر سائبان میں کلّو کی بیوی پیڑھی پہ بیٹھی اپنے کرتہ پر لال سبز پھول کاڑھ رہی ہے)

بوڑھا:۔ (سینہ پر ایک ہاتھ رکھ کر کھانستے ہوئے) "اری بہو! کلّو کی ماں نواب تک نہیں لوٹی۔ بھلا میت کے نہلانے میں اُس نے اتنی دیر لگا دی، اگر دو چار میتوں کا نہلانا ہوگا۔ تو کیا کرے گی۔ اب تو چار بج رہے ہوں گے۔"

بہو:۔ "ہاں ابا چار ہی بجے ہیں۔ تمہیں بھوک لگ رہی ہو تو لاؤ دو روٹیاں ڈال دوں۔ لیکن لگا دن کے لئے تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

بوڑھا:۔ "بھوک تو بہت زوروں کی لگ رہی ہے بیٹی لیکن روٹی کیسے حلق سے اُترے گی۔ جہاں اتنی دیر گزری وہاں تھوڑی دیر اور سہی۔"

(ایک ادھیڑ عمر چیچک رُو عورت میلا کچیلا برقعہ اوڑھے ایک پُٹلیا ہاتھ میں اور دوسری بغل میں دبائے گھر میں داخل ہوتی ہے)

عورت:۔ (ہانپتے ہوئے) "آ بیٹھو۔ تھامو یہ پوٹلی۔"

(بہو جلدی سے کھانے کی پوٹلی لے لیتی ہے)

بوڑھا:۔ "کلّو کی ماں! او کلّو کی ماں"

کلّو کی ماں:۔ "آتی ہوں جی! تم اور مجھے کھائے جاتے ہو؟"

بوڑھا:۔ "ارے اللہ کی بندی میرا تو بھوک کے مارے بُرا حال ہے (بہو سے) بہو پہلے یہاں لے آ کھانا۔ میں بھی تو دیکھوں تیری ساس کیا کیا مال مسالے لائی ہے۔"

کلّو کی ماں:۔ (بہو سے) "جا لے جا بیٹی۔ یہ جب تک کھا نہیں لیں گے دم تھوڑی لینے دیں گے۔"

بہو:۔ "اچھا اماں۔"

(بوڑھا جلدی جلدی پوٹلی کھول کر قورمہ کا پیالہ سامنے رکھ لیتا ہے۔ اور گرم گرم شیرمال کو شوربہ میں بچر بچر ڈبو کر کھانے لگتا ہے)

بوڑھا:۔ "کلّو کی ماں تمہاری جان کی قسم آج تو شیرمال اس قدر خستہ ہے کہ مسوڑھوں کے نیچے آتے ہی حلوہ ہوئی جا رہی ہے اور قورمہ میں تو آدھ اُدھ ننت گھی اور زعفران پڑا ہے جب ہی تو اس قدر مہک ہے۔ جی چاہتا ہے کہ بس کھائے ہی جاؤں۔ یہ کس کے ہاں کا کھانا ہے؟"

کلّو کی اماں:۔ "ارے بھئی نواب مصطفےٰ کی بہو کی حاضری کا ہے اُن کے میکہ سے آیا تھا۔ تمہیں نہیں معلوم کہ صبح سے میں اُن کی ہی میت کو غسل دینے گئی ہوئی تھی۔"

بوڑھا:۔ "جب ہی تو اتنا عمدہ کھانا ہے، ہاں جی بڑے آدمیوں کی بڑی باتیں دیکھو گوشت بھی تو شاید دُنبہ کا ہے (بوٹی دکھا کر) دیکھو اتنی کی بوٹی ہے۔ اور دوسری پوٹلی میں کیا ہے؟"

کلّو کی اماں:۔ "ارے ہاں میں بھول ہی گئی، بہو وہ دوسری پُٹلیا تو اٹھا لا۔"

(بہو:۔ "اچھا اماں (پوٹلی لاکر) لو اماں۔"

کلّو کی اماں:۔ (پوٹلی کھول کر) "کلّو کے ابا یہ سفید چادر تو تو شک کی ہے۔ دیکھو اس کا لٹھا کتنا اچھا ہے۔ تمہارا پیجامہ بن جائے گا اور یہ سبز دوشالہ میت کے اوپر ڈال کر لے گئے تھے میں نے بیگم صاحبہ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میرا حق ہے۔ اُن بیچاری نے واپس منگا کر مجھے دے دیا اس کو تو میرے کلّو کی بہو اوڑھے گی۔ تو رانی لگے گی رانی۔

ہیں نا کلّو کے ابا؟"

بوڑھا:- "اگر تم ہی اوڑھ لو تو جانتی ہو کیسی معلوم ہو؟"

کلّو کی اماں۔ (ٹھنک کر) "اوں۔ تمہیں تو ہر وقت دل لگی سوجھتی ہے۔ بتا تا بھلا کیسی لگوں گی؟"

بوڑھا۔ (دوشالہ کلّو کی ماں کو اُڑھا کر) "تو آئینے میں دیکھو ایسی معلوم ہو رہی ہو، جیسے کسی نواب کی بیگم یا سیٹھانی: بہو کو دے کر کیا کرو گی بس تم ہی اوڑھ لو۔"

کلّو کی ماں:- "لیکن یہ تو سوچو میں بھلا بہو کے سامنے کیا اوڑھوں گی۔ کلّو دل میں کیا سوچے گا۔"

بوڑھا:- "اجی سوچنے دو کلّو کو۔ صبح سے شام تک خود تو تیرے میرے مُردوں کو نہلاؤ اور کوئی اچھی چیز ملے تو کلّو کی بہو کو دیدو۔"

کلّو کی ماں:- "یہ دوشالہ کلّو کی بہو کو ہی دیدینے دو۔ اور دیکھو یہ جو گلی کے نکڑ سے نکل کر سیدھے ہاتھ کو سیٹھ حبیب اللہ کی حویلی ہے تم نے تو دیکھی ہو گی؟ سنا ہے کہ اُن کی چھوٹی لڑکی بہت بیمار ہے اور صبح شام کی ہو رہی ہے۔ تم کو یاد ہو گا سیٹھ جی کی بڑی لڑکی مری تھی تو میں نے ہی نہلایا اور کفنایا تھا اب بھی وہ مجھے ہی بلائیں گے۔"

بوڑھا:- "جب چھوٹی لڑکی ہے، تو پھر اس کے کپڑے بھی بچوں کے سے ہوں گے۔ تمہارے کس کام آئیں گے۔ اور شاید کھانا وانا بھی ہو گا۔"

کلّو کی ماں:- "نہیں نہیں بچہ کیوں ہونے لگی۔ ہو گی کوئی پچیس ایک برس کی۔ دو بچوں کی ماں ہے۔ میاں تحصیلدار ہے۔"

بوڑھا:- "بس وہاں سے جو دوشالہ ملے وہ بہو کو دیدینا سچ جانو یہ تو تمہارے کو بہت ہی کھل رہا ہے۔"

کلّو کی ماں:- "اے جاؤ تم تو بس اسی دوشالہ پر لٹو ہو گئے۔ سیٹھ جی کے یہاں سے جو دوشالہ ملے گا۔ وہ ایسا ویسا تو ہونے سے رہا۔ نہ معلوم کمخواب کا ہو یا زردوزی کا ہو۔ پھر نہ کہنا کہ کلّو کی ماں تم تو یہ لیلو"

بوڑھا:- "اچھا بھئی جیسی تمہاری مرضی۔"

کلّو کی ماں:- "بہو او بہو۔"

بہو:- "اماں آئی۔"

کلّو کی ماں:- "بہو لے یہ دوشالہ تو اوڑھ لے میرا کلّو بھی خوش ہو جائے گا۔"

بہو:- "اچھا اماں لاؤ۔" (دوشالہ اوڑھ لیتی ہے)

کلّو کی ماں۔ دیکھنا کلّو کے ابا بہو دوشالہ اوڑھ کر ایسی لگ رہی ہے جیسے پری کھڑی ہو۔ کلّو دیکھ کر بہت ہی خوش ہو گا۔"

بوڑھا۔ (غصہ سے) "کلّو خوش ہو گا۔ کلّو خوش ہو گا! ارے دیوانی میں تو تیرے اوڑھنے سے خوش ہوتا نہ کہ بہو کے اوڑھنے سے۔"

کلّو کی ماں:- "تم تو گھبرائے جاتے ہو، ابھی تو سمجھا دیا کہ میں اس سے اچھا دوشالہ اوڑھ لوں گی۔ پھر کاہے کی فکر۔"

بوڑھا:- "لیکن یہ تو سوچو کلّو کی ماں آخر کو وہ سیٹھ جی ہیں نہ جانے کون کون سی دوائیں اور ڈاکٹر آ رہے ہوں گے۔ میرے منہ میں خاک اگر وہ لڑکی چنگی ہو گئی، تو پھر اتنا بڑا موقعہ مشکل سے ہاتھ آئے گا۔"

کلّو کی ماں:- "لڑکی کی حالت تو دن دونی خراب سننے میں آ رہی ہے (ٹھنڈا سانس لے کر) اب اگر اچھی ہو جائے تو ہمارے کرم کا کھوٹ ہے۔"

دوسرا منظر

(وہی غلیظ مکان، وہی بوڑھا شخص، کلّو کی ماں اور اس کی بہو)

بوڑھا:- "اری کلّو کی ماں! دیکھو آج پندرہ دن ہو گئے۔ لیکن سیٹھ جی کے یہاں سے ابھی کوئی ایسی ویسی خبر نہیں آئی۔ تم تو کہتی تھیں کہ ان کی لڑکی صبح شام کی ہو رہی ہے۔"

کلّو کی ماں:- "تم اور کھٹیا پر پڑے پڑے مجھے ٹھوکے دیتے رہتے ہو۔ جیسے مجھے تو کچھ خیال ہی نہیں ہے۔"

بوڑھا:- "خفا کیوں ہوتی ہو بھاگوان۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ ذرا ادھر اُدھر سے سُن گُن تو کہ کیا دیر اویر ہے۔"

کلّو کی ماں:- "امیر آدمیوں کے گھر کا حال معلوم کرنا آسان کام تو ہے نہیں۔ اُن کے تو نوکر بھی پھاڑ کھانے کو دوڑتے ہیں۔ اور میں اندر جانے میں اس لئے ڈرتی ہوں کہ سیٹھانی مجھے دیکھ کر وہم کریں گی۔ بلکہ شاید دھتکار کے نکال دیں۔"

بوڑھا:- "لیکن کلّو کی ماں یہ بات تو معلوم کرنی ہی پڑے گی۔"

(باہر سے کنڈی کھٹکھٹانے کی آواز آتی ہے)

کلّو کی ماں:- "کون ہے؟"

آواز:- "اُستانی جی ہیں؟"

کلّو کی ماں۔ (بوڑھے سے آہستہ) "اللہ تیرا شکر سیٹھ جی کے نوکر کی سی آواز ہے۔ (بلند آواز سے) ہاں بھیّا میں بول تو رہی ہوں۔ کیوں خیر تو ہے؟"

آواز:- "دیکھو اُستانی جی! گلی کے نکڑ سے نکل کر جو حویلی ہے۔

اس میں ۔ ۔ ۔ ۔"

کلّو کی ماں:۔ (بیتابی سے بات کاٹ کر) ہاں ہاں میں سمجھ گئی اناللہ وانا الیہ راجعون (رو کر) اچھا بھیّا ابھی آئی (بہو سے) بہو اُٹھ جلدی سے میرے کپڑے تو نکال دے سیٹھ جی کی لڑکی چل بسی، نہلانے جانا ہے۔"

بہو:۔" اچھا امّاں ابھی لائی۔"

کلّو کی ماں۔ (کلّو کے باپ سے)" لو دیکھو آخر وہی ہوا نا جو میں کہہ رہی تھی، تم تو خواہ مخواہ گھبراتے ہو۔"

بوڑھا:۔" کلّو کی ماں میں تو خود کہتا ہوں کہ تم بڑی عقلمند ہو۔ اب تم دیر نہ کرو۔ جلدی سے کپڑے بدل کر چلی جاؤ۔ کہیں وہ دوسری عورت کو نہ بلائیں اور کہیں اُس کو ہی دوشالہ نہ مل جائے۔"

کلّو کی ماں:۔" بس نیار تو ہوں، اطمینان رکھو دوشالہ میں ہی لونگی"

بوڑھا:۔" اور دیکھو تو سیٹھ جی کے یہاں کا کھانا تو بہت ہی مزہ کا ہوگا۔ کٹورداں ساتھ لیتی جانا (خوشامدانہ لہجہ میں) اور دیکھنا کلّو کی ماں میرے لئے تو کھانا تم پہلے ہی دے جانا ورنہ تم جانتی ہو کہ مجھے بھوک کے مارے سناٹے آنے لگتے ہیں۔"

کلّو کی ماں۔ تم بے فکر رہو، کھانا گھر میں آتے ہی لپک کر پہلے تم کو ہی دے جاؤں گی۔ دیکھو یہ کٹورداں برقعہ میں چھپا کر لے چلی ہوں لیکن ابھی تو جا کر نہلانا ہے۔ کفنانا ہے اور پھر جب لوگ میت گاڑھ کر واپس آئیں گے، تب ہی تو کھانا اور دوشالہ ملے گا۔"

تیسرا منظر:۔ (سیٹھ حبیب اللہ کی حویلی)

(آج سیٹھانی بہت خوش نظر آرہی ہیں، دو مہینے کی طویل علالت کے بعد ان کی لڑکی کا غسلِ صحت ہے۔ چار پانچ مامائیں صحن میں بیٹھی ہیں۔ کوئی چاول تول رہی ہے کوئی پیلے میں گھی چھان رہی ہے اور روبرو سامنے بیٹھی سروتے ہاتھوں میں لئے چھالیہ کتر رہی ہیں۔ سیٹھ جی کی وہ لڑکی جو صحت یاب ہوئی ہے مسہری پر گاؤ تکیہ لگائے بیٹھی ہے۔ اپنے دوسالہ بچّہ سے مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہی ہے۔

سیٹھانی۔ (ایک نوجوان ملازمہ سے)" دیکھو نرگس پہلے تم چھوٹی بیوی کا سر تیل ڈال کر دبا دو۔" (اپنی لڑکی سے)" بیٹی تم زیادہ باتیں نہ کرو۔ خدانخواستہ چکّر نہ آجائیں۔"

لڑکی:۔" نہیں امّی جان! اس وقت میری طبیعت بہت بشاش ہے ذرا منّے سے دل بہلا رہی ہوں۔"

سیٹھانی:۔" خدا نہیں ان ننھوں کے سر پر سلامت رکھے، میری بچّی یہ دل بہلانے والے رہیں۔ اور تم محبت کرنے والی ماں رہو۔ (دوسری ملازمہ سے)" امیراً امیراً۔"

امیراً:۔" جی سیٹھانی جی۔"

سیٹھانی:۔" ذرا ڈیوڑھی سے کہیو کہ دروازہ پر لے آئے، ہمیں چھوٹی بیوی کے لئے کچھ عطر خریدنا ہے۔"

امیراً:۔" بہت اچھا"

(کلّو کی ماں برقعہ میں لپٹی ہوئی، کٹورداں بغل میں دبائے سیٹھ جی کی حویلی میں داخل ہوتی ہے)

ایک ملازمہ:۔" ارے کون ہے تو کیوں آئی ہے؟"

کلّو کی ماں۔ (چاروں طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے ہوئے) سیٹھانی جی نے بُلایا ہے۔ میں کلّو کی ماں ہوں۔ یہیں تو پاس رہتی ہوں۔"

سیٹھانی۔ (ملازمہ سے)" عرفانی اے عرفانی کون ہے؟"

ملازمہ عرفانی:۔" سیٹھانی جی ایک عورت آئی ہے کہتی ہے۔ کہ سیٹھانی جی نے بُلایا ہے۔"

سیٹھانی:۔" ہم نے، نہیں تو، اچھا یہاں بھیجو اس کو۔"

عرفانی۔ (کلّو کی ماں کا ہاتھ پکڑ کر لاتی ہے)" یہ عورت ہے سیٹھانی جی۔"

سیٹھانی:۔" کہو بھئی کیسے آئی ہو تمہارا کیا نام ہے؟"

کلّو کی ماں:۔" مجھے آپ کا نوکر بُلانے گیا تھا۔ مجھے کلّو کی ماں کہتے ہیں۔ شاید آپ کو یاد ہوگا، آپ کی بڑی صاحبزادی کو بھی میں نے ہی ۔ ۔ ۔ ۔"

سیٹھانی۔ (غور سے دیکھ کر غصہ میں)" نکل یہاں سے مُردار، تیرے منہ میں خاک۔ تجھے حویلی میں کس نے گھسنے دیا۔ (ملازمہ سے) اری امیراً او امیراً نکال اس کو یہاں سے خدا کے لئے جلدی نکال اس پر اللہ کی مار میرے ہرے بھرے گھر میں منحوس صورت لے کر آگئی اور نہ جانے کیا کیا اول فول بکنے لگی۔"

امیراً:۔" بہت اچھا سیٹھانی جی (کلّو کی ماں کو دھکیلتے ہوئے) نکل ری کلموئی، یہاں سے رئیسوں کے بھرے گھر میں ایسی باتیں کرتی ہے تجھے شرم نہیں آتی۔ (دھکّا دے کر دروازہ سے باہر کر دیتی ہے)

چوتھا منظر۔ (کلو کی ماں کا گھر)

(وہی بوڑھا شخص کوٹھری سے پکارتا ہے) "اری بہو او بہو کیا کر رہی ہے؟"

بہو: "کچھ نہیں ابا۔ ذرا کرتے میں پیوند لگا رہی ہوں۔"

بوڑھا: "آ یہاں آ جا، یہیں بیٹھ کر سی لیجیو۔"

بہو: "اچھا ابا ابھی آئی۔"

بوڑھا: "اری بہو تجھے معلوم ہے کہ آج تیری ساس کہاں گئی ہے۔"

بہو: "ابا معلوم کیوں نہیں ہے سیٹھ جی کی لڑکی کی میت کو غسل دینے گئی ہے۔"

بوڑھا: "جانتی ہے بہو وہاں سے کیا کیا آئے گا۔"

بہو: "کیا آئے گا؟"

بوڑھا: "زردہ، بریانی، قورمہ، شیرمال اور نہ جانے کون کون قسم کے کھانے ہوں گے۔ اور دیکھ یہ تیری ساس کو دوشالہ ملے گا دوشالہ وہ تیرے دوشالہ سے بہت بڑھیا ہوگا سنا تو نے؟"

بہو: "ہاں ابا میں کوئی مٹی تھوڑی ہوں اچھا ہے مل جائے۔"

(کلو کی ماں لنگڑاتی اور ہائے ہائے کرتی خالی کٹوردان لئے گھر میں داخل ہوتی ہے)

بوڑھا۔ (بوکھلا کر) "کلو کی ماں! کلو کی ماں! کیا بات ہے۔ ابھی سے کیوں آگئیں تم، اور رو کیوں رہی ہو؟"

کلو کی ماں۔ (روتے ہوئے) "سیٹھ جی کی نوکرانی نے ایسا دھکا دیا کہ میں اوندھے منہ چوکھٹ پر گری۔ اور سیٹھانی جی نے الگ لاتیں۔ نعلتیاں دے ڈالیں۔"

بوڑھا: "کیوں؟ آخر کیا ہوا؟ کیا دوسری نہلانے والی آگئی تھی۔ میں تو تم سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ خدا کے لئے جلدی چلی جاؤ۔ مگر تم سنتی کب ہو۔"

کلو کی ماں۔ (جل کر) "عجب الٹی کھوپڑی کا آدمی ہے۔ وہاں تو دلہنیں ٹھنک رہی تھیں۔ اور وہ لڑکی مسہری پہ بیٹھی پان چبا رہی تھی۔"

بوڑھا۔ (حیرت سے) "یہ تم کیا کہہ رہی ہو کلو کی ماں؟"

کلو کی ماں: "یہی کہہ رہی ہوں کہ وہ لڑکی زندہ ہے۔ پھر نہلاتی کس کو؟ جوتیاں کھا کر آئی ہوں۔"

بوڑھا: (ٹھنڈا سانس لے کر) "لیکن کلو کی ماں تمہارا دوشالہ اور سیر کھانا! بہو نے تو چولہا بھی نہیں سلگایا!"

کلو کی ماں: "چھوڑو دوشالہ اور کھانے کے ذکر کو نہیں تو میں اپنا سر پیٹ لوں گی۔"

بوڑھا: "بگڑتی کیوں ہے بھاگوان۔ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ رئیس آدمی ہیں۔ علاج معالجہ میں پوتہ ٹیک دیں گے۔ اور سچ پوچھو تو کلو کی ماں ان امیروں کی جان بڑی مشکل سے نکلتی ہے یہ ہماری تمہاری جان تھوڑی ہے کہ موٹر دبا کر چلی گئی۔ سردی سے اکڑ کے ختم ہوگئے۔ یا لوؤں کے جھکڑوں نے دے پٹخا۔" (پردہ)

آمنہ نازلی

(بقیہ صفحہ ۱۹۷)

ضرورت کا بھی لحاظ کریں تو لاڈلے کو نہایت ہی ناگوار گزرے گا۔ فوراً تیور بدل جائیں گے۔ لب و لہجہ بدل جائے گا۔ آخر کار ناگواری اور ناخوشی کے اظہار میں بھی پس و پیش نہ ہوگا۔

جب تک بچے چھوٹے ہیں۔ والدین من مانی کر لیں۔ بچوں کے سیانے ہونے کے بعد عجیب کشمکش کا سامنا ہوگا جس قسم کا سلوک آج تک لاڈلے کے ساتھ اپنی مرضی اور خوشی سے کیا گیا۔ اس وقت اس کی افتاد مزاج سے مجبور ہو کر کرنا پڑے گا۔ کیونکہ نہ کریں تو دل نہ مانے گا۔ اس خیال سے کہ لاڈلے کی دل شکنی ہوگی۔ خواہ دل شکنی کی بات ہو۔ خواہ نہ ہو۔ اور کریں تو دوسرے فریضے اور مصلحتیں جو درپیش ہوں گی، ان کا خون ہوگا۔ اور لاڈلے کو دیکھئے تو اسے نہ ان کی مجبوری کا احساس ہے نہ ضرورت کا خیال، نہ خوشی کا پاس کسی بات کی پروا نہیں وہ تو اپنی سی کرائے گا۔ کیونکہ جب سے اس نے ہوش سنبھالا اس کی بات ہمیشہ مانی گئی ہے

اس نوعیت کا لاڈ پیار بچوں میں غضب کی خود پسندی خود ستائی اور خود غرضی پیدا کر دیتا ہے۔ وہ ابتدا ہی سے اپنی معمولی معمولی خواہشوں پر ہر ایک کی اہم سے اہم ضرورت اور مفاد کو نظر انداز کر دینے کے عادی ہوتے ہیں۔ اور ایک والدین کیا تمام دنیا سے سلوک میں امتیاز کے متمنی رہتے ہیں۔ اگر بچوں کے مابین برتاؤ میں فرق نہ کیا جائے اور سب سے ساوی سلوک ہو تو جو بچہ ماں باپ کو زیادہ پیارا ہوگا۔ بھائی بہنیں بھی اسے زیادہ پیار کریں گے اور لطف و محبت سے پیش آئیں گے۔

بنی فاطمہ

بچے اور غیر مساوی سلوک

یوں تو ماں باپ کو جتنے بچے بھی ہوں سب سے محبت ہوتی ہے وہ سب کے رنج و تکلیف سے یکساں متاثر ہوتے ہیں سب کے آرام و آسائش کا خیال رکھتے اور ہر ایک کی بہبودی کے خواہاں ہوتے ہیں اور ان کی ضروریات بہم پہنچانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ لیکن کبھی ماں کبھی باپ دونوں کو چند بچوں میں کسی ایک سے (خواہ لڑکا ہو یا لڑکی) کسی وجہ سے زیادہ محبت ہو جاتی ہے۔ محبت کا زیادہ ہونا کوئی ایسی قابل اعتراض بات نہیں، نہ ضرورتاً کسی معمولی رُو رعایت کا مضائقہ ہے۔ مگر محبت کا حد سے بڑھ جانا یا محبت کے جوش میں اعتدال سے گزر جانا اور یہ بھول کر کہ ہم پر تمام بچوں کے ایک سے حقوق ہیں بہ نسبت دیگر بچوں کے جس بچے سے زیادہ محبت ہو اس کے ساتھ ہمیشہ اور عمداً خاص التفات سے پیش آنا۔ اور بہتر سلوک کرنا درست نہیں خصوصاً جب اسے مقابلۃً اچھا کھلایا جائے، اچھا پہنایا جائے۔ اس کے آرام و خوشی کا زیادہ خیال رکھا جائے۔ اس کی پسندیدگی اور خوشنودی کو اور بچوں کی ضروریات پر بھی مقدم سمجھا جائے یعنی بلا وجہ ہر اعتبار سے اسے اور بچوں پر فوقیت دی جائے تو بے شک اعتراض کا محل ہے۔

اول تو خود والدین کی سرپرستانہ اور مربیانہ حیثیت کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ اور بچوں کے دلوں میں ان کا وہ اعتماد و احترام قائم نہیں رہتا۔ جو معمولاً ہوا کرتا ہے۔ اور جس کا ہونا نہایت ضروری ہے دوسرے جہاں والدین نے یہ خلاف انصاف امتیاز روا رکھا۔ بھائی بہنوں کے تعلقات ایسے اچھے نہیں رہ سکتے۔ جیسے رہنے چاہئیں۔ وہ میل ملاپ سے رہنے کی بجائے لڑنے جھگڑنے، ایک دوسرے کی عیب جوئی اور نکتہ چینی میں مصروف ہوں گے۔ خواہرانہ و برادرانہ خلوص و ہمدردی معدوم ہو گی۔ یکجہتی اور خوشدلی مفقود ہو کر کشیدگی و بدمزگی کا پایا جانا بلکہ رشک و حسد کی صورتوں کا نمودار ہونا بھی بعید نہیں۔ الغرض باہمی تعلقات اور بچوں کے اخلاق پر اس کا بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ بچے اور بچیاں خود کو بجا طور پر ہر ایک بھائی اور بہن کے برابر اور ہمسر تصور کرتے ہیں۔ ان کے لئے اس بات کے احساس سے زیادہ کوئی شئے تکلیف دہ نہیں ہوتی کہ ماں باپ انہیں میں سے کسی اور کی خاطر یا کسی کے مقابلے میں ان کی بے قدری اور حق تلفی روا رکھتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی بہت جلد بشدت اس امر کو محسوس کرتے ہیں۔ اور اکثر علانیہ اپنے بھولے بھالے لیکن مؤثر انداز میں معترض بھی ہوتے ہیں۔ درحقیقت کسی اور سے بچوں کو رنج و ایذا پہونچے یا کوئی غیر ان کا کوئی حق تلف کرے تو وہ والدین سے داد چاہیں۔ امداد طلب کریں لیکن جب والدین ہی کی طرف سے ایسا کیا جائے تو بیچارے کیا کریں۔

بعض لوگ تو یہ غضب کرتے ہیں کہ جس بچے سے زیادہ محبت ہوئی، اسے بھائی بہنوں سے بدسلوکی کی شہ دیتے ہیں۔ اور اگر اس کی شکایت کی گئی۔ تو ہنس کر ٹال دیتے ہیں۔ یا اسے سرزنش کرنے کی بجائے الٹا شکایت کرنے والے سے ناخوش ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کیسا غلط رویہ ہے۔ بچے اس رویہ کے سبب سے اور دوسرے بھائی بہن پر والدین کی تمام ایسی عنایتوں اور شفقتوں کو دیکھ کر جن سے وہ محروم ہوں [illegible] خواہ مخواہ دل گرفتہ و رنجیدہ ہوں گے۔ اگر یہ رنجیدگی دور نہ کی گئی اور والدین ایسے غیر منصفانہ طریقے پر کاربند رہے تو عجب نہیں جو بچے لاڈلے بھائی یا بہن کی ذات کو اپنی بے قدری اور حق تلفی کا سبب قرار دیں۔ اس کی مخالفت اختیار کریں اُسے والدین کی نظروں سے گرانے اور بے وقعت کرنے کی کوشش کریں یا والدین ہی سے بدظن ہو جائیں۔

اس خلاف انصاف اور ناواجب نازبرداری کے خوگر بچے بھی کچھ اور ہی رنگ نکالتے ہیں۔ وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ ایسے خاص سلوک کا سبب محض فرط محبت ہے۔ بلکہ وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ والدین کے مہر و محبت کے وہی حق دار ہیں اور تمام تر شفقت و رعایت انہیں سے مخصوص ہونی چاہیئے۔ وہ اور بھائی بہنوں کو اپنے سے کمتر سمجھتے ہیں۔ اگر والدین دوسرے بچوں سے بتقاضائے انصاف یا ضرورتاً یا شاید رفع شکایت کی خاطر یا اس تاہی کے باعث کہ آخر وہ بھی اولاد ہی ہیں کبھی شفقت سے پیش آئیں اور ان کی کسی واقعی

(باقی صفحہ ۱۹۶ کالم ۲ پر)

کامیاب پارٹیاں

دعوت اور مہمانداری، خانہ داری کے لوازمات میں سے ہیں اور دلچسپ اور کامیاب پارٹیوں کے لئے بھی سلیقہ چاہئیے۔ آجکل پارٹیوں کا دستور بہت زیادہ ہوگیا ہے۔ اور جہاں پہلے سال بھر میں ایک آدھ دفعہ ایک بڑی پارٹی اور ایک دو چاء کی پارٹیاں دیجاتی تھیں وہاں اب مہینہ میں دو تین دفعہ پارٹیاں ہوتی ہیں۔

انگریزی معاشرت اختیار کرنے والے ہندوستانیوں کے ہاں پارٹیاں فرض سمجھ کر دی جاتی ہیں۔ جو واقعی ایسی طرز معاشرت کے لوازمات میں سے ہیں۔ کمزاوقات ایسی جبریہ پارٹیز نہایت غیر دلچسپ ہوتی ہیں۔ اور لوگ طوعاً و کرہاً ایسی پارٹیوں میں جاتے ہیں اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ جبریہ بیٹھ کر گھر واپس آجاتے ہیں۔ ایسی پارٹیاں دینے سے سوائے اپنا اور دوسرے کا وقت ضائع کرنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پارٹیاں ایسی ہونی چاہئیں کہ لوگ خوشی خوشی شریک ہوں اور وقت نہایت دلچسپی کے ساتھ گزار کر گھر واپس آئیں۔ لیکن ایسی پارٹیوں کے لئے میزبان کو کسی قدر تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ صرف بہت سے مرغن اور لذیذ کھانے مہمانوں کے سامنے رکھ دینے سے یہ مطلب حاصل نہیں ہوگا۔

پارٹیاں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ ڈنر پارٹی یعنی رات کے کھانے پر لوگوں کو بلانا۔ لنچ یعنی دن کے کھانے پر بلانا۔ ٹی پارٹی میں شام کی چاء پر جس کے ساتھ اکثر اوقات برج ہوتا ہے۔ لنچ اور ڈنر کے بعد بھی اکثر برج کھیلا جاتا ہے۔ خاص کر لنچ کے بعد۔

یہ پارٹیاں ان میزبانوں کے ہاں جن میں کسی قسم کی جدت یا دلچسپی پیدا کرنے کا مادہ نہیں ہوتا۔ اس طرح دی جاتی ہیں۔ کہ مہمان آئے۔ کھانے سے پہلے ان کے آگے کچھ نوالکھات اور شربت سے تواضع کی گئی۔ اس کے بعد کھانے پر بیٹھے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک کھانا ہوتا رہا۔ اس کے بعد واپس ملاقات کے کمرے میں آئے کچھ دیر باتیں کیں۔ اور واپس گھر آگئے۔ ایسی پارٹیوں میں تقریباً روزانہ سوسائٹی کے لوگوں کو جانا پڑتا ہے اور کتنا بڑا بار خاطر ہوتا ہے وہ ان کو ہی معلوم ہے جنہیں بھگتنا پڑتا ہے۔

اگر ہر مہینہ ایک ڈنر یا ٹی پارٹی ایسی دینے کے بدلے چار چھ مہینے میں ایک پارٹی ایسی دی جائے جو دلچسپ ہو تو کہیں اچھا ہے

پارٹی کے کامیاب ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس میں ایسے لوگ بلائے جائیں جو یا تو پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں یا اس عمر و طبیعت کے ہوں کہ وہ ایک دوسرے سے مل کر خوش ہوسکیں۔ ایک ہی قسم کی طبیعت کے اور ہم مذاق ہوں۔ جیسا اکثر میزبان صرف اس خیال کے ماتحت لوگوں کو ایک ساتھ بلاتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں کی دعوت کا احسان اتارنا ہے۔

ایسے بلائے ہوئے مہمانوں کا باہم گفتگو کرنے کے لئے کوئی موضوع نہیں ہوتا۔ اور میزبان یہ کوشش کر کر کے تھک تھک جاتے ہیں کہ ان کے مہمان کسی طرح سے آپس میں اچھی طرح ملیں۔

مہمانوں کو ہم عمری اور ہم مذاقی کا لحاظ رکھ کر بلانے کے بعد پارٹی کو دلچسپ بنانے اور اس میں جدت پیدا کرنے کی صورتیں سوچنی چاہئیں

ڈنر کی پارٹی اگر مختصر سی ہے تو اس کے بعد کوئی کھیل کھیلنا چاہئیے بہت سی قسم کے کھیل جو گھر کے اندر کھیلے جا سکتے ہیں کھلونوں کی دکان میں ملتے ہیں۔ دو چار قسم کے خرید کر رکھنے چاہئیں۔ لیکن کھیل ایسے ہوں جن میں سب شریک ہوسکیں۔ اور جن کے سمجھنے میں بہت دیر نہ لگے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مذاقیہ اور ہنسانے والا ہو جس کے کھیلنے سے مہمانوں میں بے تکلفی پیدا ہو۔ ایسے کھیل جو خاموش چپ چاپ بیٹھ کر کھیلا جائے کچھ فائدہ نہیں۔

آجکل دہلی شملہ میں خصوصاً stand-up dinners یا Buffet ڈنرس بہت مقبول ہیں۔ یعنی آٹھ یا دس آدمیوں کو بٹھا کر کھانا کھلانے کے بدلے تیس تیس چالیس چالیس آدمیوں کو کھڑے کھڑے کھلایا جاتا ہے۔ کھانے کی ہر چیز برتن چمچہ پانی۔ گلاس۔ میزوں کی قطار پر موجود ہوتے ہیں۔ مہمان خود ہی ہر ایک چیز لے کر کھاتا ہے۔ میزبان اور نوکر بس یہ خیال رکھتے ہیں کہ ہر چیز موجود ہے کچھ گھٹ تو نہیں گئی۔ اور پانی وغیرہ کو پوچھتے رہتے ہیں۔ ایسے کھانوں کا یہ فائدہ ہے کہ بہت سے لوگوں کو ایک دفعہ

بلایا جاسکتا ہے۔

ایسے ڈنرس بہت دلچسپ بنائے جاسکتے ہیں مثلاً چاندنی رات میں باغ میں دینے سے ایسے ڈنر کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے اور بھی جدت کرنی ہو تو سارے مہمانوں کو سفید اور روپیلے لباس میں آنے کو کہا جائے چاندنی رات میں سیمیں پوش خواتین بہت ہی خوبصورت معلوم ہونگی۔

اس کے علاوہ ایسے ڈنر کو "پریڈ" بنایا جاسکتا ہے یعنی جتنے مہمان آئیں، سب شاہجہاں کے عہد کا لباس پہن کر آئیں۔ یا نورجہاں کے زمانے کے لباس میں ہوں۔ انگلستان میں اکثر Period Balls ہوتے ہیں جن میں سب لوگ سولھویں یا سترھویں صدی کے لباس میں آتے ہیں۔ مہمان و میزبان لوئیس چہاردہم۔ یا لوئی سیزدہم اور ماری انٹوسینٹ کے لباس میں ہوتے یا چارلس دوئم اور اس کی ملکہ کے بھیس میں نظر آتے ہیں یعنی جس عہد اور جس حکومت کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اس کے بادشاہ اور ملکہ کے لباس میں۔

مہمانوں کو کسی خاص عہد کے لباس میں آنے کے بدلے کسی فینسی ڈریس Fancy Dress یعنی کھیل کے لباس میں آنے کو کہا جاسکتا ہے۔ انگلستان میں یہ بھی بہت مقبول ہے لوگ مشہور بادشاہ ملکہ سپاہی کے لباس میں آتے ہیں یا پھر کوئی چیز یا موسم بنے ہوتے ہیں مثلاً بہار یا پھول کی کلی وغیرہ۔ جس کے لباس میں سب سے زیادہ جدت ہوتی ہے انعام ملتا ہے۔

بعض دفعہ مہمان مشہور شخصیتوں کے بھیس میں آئیں مثلاً کوئی مسز سروجنی نائیڈو۔ کوئی بیگم شاہ نواز وغیرہ اور دوسرے مہمان اس کی گفتگو اور وضع سے یہ پتہ لگانے کی کوشش کریں۔ کہ وہ کون شخص ہے۔ اس طرح بہت سے کھیل ہیں۔ جو پارٹی کو دلچسپ اور کامیاب بنانے میں مدد دیتے ہیں۔ اور میزبان کی جدت طبعی پر دلالت کرتے ہیں۔

چائے پارٹی کے بعد جن کے ہاں ٹینس کورٹ ہے ٹینس پارٹی کی دلچسپی کا باعث ہوسکتی ہے۔ گرمیوں کے موسم میں جن کے یہاں گھر پر تالاب ہیں۔ وہ گھر پر۔ جن کے نہیں ہیں کلب میں شام کے لئے تالاب کرایہ پر لے کر تیرنے کی پارٹیاں دے سکتے ہیں۔ تیرنا نہ آئے تب بھی صرف ڈبکیاں لگانے سے بہت کچھ لطف آتا ہے خاص کر جب آٹھ دس سہیلیاں ہوں۔

اگلے زمانہ کی طرح برسات کے موسم میں جھولے کی پارٹیاں اور آم کی پارٹیاں دی جاسکتی ہیں ٹینس کے علاوہ بیڈمنٹن۔ فینسی گوبیڈ بکٹ گوبیڈ۔ "کوکونٹ شائی" وغیرہ ایسے کھیل ہیں جن کے کھیلنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔ اور جو چائے پارٹی کے بعد کھیلے جاسکتے ہیں جن کھیلوں کا میں نے نام لیا یہ جہاز کے عرشہ پر برابر کھیلے جاتے ہیں۔ اور اس کے کھیلنے کے طریقہ سے اکثر مرد واقف ہیں۔ جن سے عورتیں سیکھ سکتی ہیں۔ ان کے کھیلنے کے لئے بہت زیادہ جگہ کی بھی ضرورت نہیں۔ تھوڑی سی جگہ چاہیئے۔

فینسی گوبیڈ Fanny Board کے کھیلنے کے اصول بالکل بیڈمنٹن جیسے ہیں۔ اور اتنا ہی بڑا کورٹ اس کے لئے چاہیئے صرف بیٹ اور شٹل کاک کے بجائے ایک ربڑ کے حلقہ سے کھیلا جاتا ہے ایسی ربڑ کے حلقوں کے کسی بالٹی یا ٹوکری میں ڈالنے کی کوشش کا نام Bucket Quoits ہے۔

پورے سیزن میں بلکہ پورے سال میں ایک پارٹی دیجئے لیکن ایسی جس کا ذکر لوگ ہفتوں کرتے رہیں۔ اس کو دلچسپ بنانے کے لئے پوری کوشش کیجئے اور سوچ سوچ کر ایسی باتیں ایجاد کیجئے۔ جس سے اس میں ندرت پیدا ہو۔

یہ تو ہوئے پارٹی میں دلچسپی پیدا کرنے کے طریقے، پارٹی کو آرام دہ بنانے کے لئے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے ٹینس کی پارٹی ہو تو شربت خوب ٹھنڈے کافی مقدار میں موجود رکھئے ٹینس پارٹی میں لوگ کھانے کے بدلے شربت پینا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

ہر ایک پارٹی میں چھوٹی چھوٹی تپائیوں پیپر یا سلائی اور ایش ٹرے موجود ہونی چاہئیں تاکہ لوگوں کو اٹھ کر تلاش نہ کرنی پڑے۔ چائے پارٹی ہے۔ تو ہر ایک کے آگے یا دو آدمیوں کے درمیان ایک چھوٹی میز ضرور ہونی چاہیئے ورنہ ہاتھ میں لئے لئے چاء پینا بہت دشوار ہوتا ہے۔ ان موقعوں کے لئے nest یعنی میزوں کی رکھنی چاہیئے۔ جو کہ ایک دوسری میں آجاتی ہوں۔ اور بہت زیادہ جگہ نہ لیتی ہوں ٹرے ٹیبل Tray Table ایسی میز جس کے دونوں سر وہ ہوں ٹینس کی پارٹیوں کے لئے بہت آرام دہ ہے اس پر گلاس شربت وغیرہ رکھ کر ٹینس کورٹ پہ لے جاسکتے ہیں۔ کھانے کے متعلق

یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ کھانا مزہ دار اور چٹ پٹا ہو لیکن بہت زیادہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہندوستانی دعوتوں میں ہمیشہ بہت زیادہ چیزیں پکائی جاتی ہیں۔ اور جن کے یہاں انگریزی معاشرت ہے۔ وہاں تو پہلے پورا انگریزی ڈنر اس کے بعد ہندوستانی ہوتا ہے۔ چاء پر بھی کیک۔ سینڈوچ وغیرہ اور ساتھ ہی ساتھ تلی ہوئی مٹر کے دانے، پکوڑے اور ہر طرح کی مٹھائی ہوتی ہے۔ اور اصرار کر کر کے کھلایا جاتا ہے۔ دو طرح کی چیزوں کی ہرگز ضرورت نہیں۔ آپ کو اپنے مہمانوں کے متعلق معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کا کیا مذاق ہے۔ ہندوستانی کھانا تو چاہے کتنا ہی مغرب زدہ ہندوستانی ہو انگریزی کھانے سے زیادہ ہی پسند ہوتا ہے اس لئے ہندوستانیوں کو بلا کر انگریزی کھانا کھلانے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر دونوں قسم کے کھانے کرنا چاہتی ہیں۔ یا اگر دعوت میں انگریز اور ہندوستانی دونوں ہیں۔ تو ایک آدھ چیز انگریزی اور ایک آدھ ہندوستانی ہونی چاہیئے۔ مثلاً شوربہ اور مچھلی انگریزی طریقے سے اور اس کے بعد دو ایک چیزیں ہندوستانی طریقے کی پکی ہوئی اور پھر پڈنگ یا ہندوستانی میٹھا۔ نہ کہ شوربہ۔ مچھلی۔ گوشت کی کوئی چیز انگریزی۔ اس کے بعد روٹی۔ چاول۔ دو تین طرح کے سالن رائتہ بھرتہ چٹنی یعنی پورا ہندوستانی کھانا۔ پھر پڈنگ اور ایک دو ہندوستانی میٹھا۔ پھر انگریزی "پیسٹری" اور کافی!

اتنا کھانا چاہے کتنا ہی لذیذ پکا ہوا ہو کون کھا سکے گا۔ اور کیسے ہضم ہوگا۔ یہ فضول کی نمائش ہے جس سے سوائے اپنا نقصان کرنے کے کچھ فائدہ نہیں۔

کھانا اور چاء دونوں پر دو ایک چیزیں چٹ پٹی ضرور رکھنی چاہئیں جیسے تلے مٹر۔ لیموں کے عرق کے ساتھ چنے۔ رائتہ۔ دہی بڑے۔ پکوڑے۔ سلاد۔ تلی ہوئی دال وغیرہ ایسی چیزیں بڑے شوق سے کھائی جاتی ہیں۔

کھانے کا کمرہ۔ اور کھانے اور چاء کے برتن کی خوبصورتی میز اور ٹی پارٹی کی چادروں کی نفاست، چاندی کے ظروف کی چمکاہٹ سے پارٹیوں کی دلچسپی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

شائستہ اختر سہروردی

دل ڈھونڈھتا ہے جن کو وہ صحبتیں کہاں ہیں؟

غیبت دروغ و بہتان اُف زینت زباں ہیں
انگشت ہائے رعنا مصروف پاندان ہیں
اس درجہ کبر و نخوت ہر گام پر عیاں ہیں
یہ طائران زرّیں مائل بہ آسماں ہیں
مسلم زنان خانے عبرت کی داستاں ہیں دل ڈھونڈھتا ہے جنکو وہ صحبتیں کہاں ہیں

نظریں ہوس بداماں رعنائیوں پہ قرباں
آرائشوں کا دفتر رنگینیوں کا دیواں
جلسوں میں بن کے آئیں اندر سبھا کی پریاں
دریائے زندگی میں آزادیوں کا طوفاں
مسلم زنانخانے عبرت کی داستاں ہیں دل ڈھونڈھتا ہے جنکو وہ صحبتیں کہاں ہیں

آغوش مادرانہ جوش دروں سے خالی
محفل کی ہے تربیت سے اُف بے نیاز مالی
خوش خوش بجا رہی ہیں وہ تھیٹروں میں تالی
بچے پڑے ہیں تنہا اللہ جن کا والی
مسلم زنانخانے عبرت کی داستاں ہیں دل ڈھونڈھتا ہے جنکو وہ صحبتیں کہاں ہیں

محفلوں میں جلوہ فرما ہیں بیگمات عالی
تدبیر منزلی سے جن کے دماغ خالی
خوش گیتوں پہ شیدا مدمست "لاابالی"
ایجاد کر رہی ہیں تہذیب اک نرالی
مسلم زنانخانے عبرت کی داستاں ہیں دل ڈھونڈھتا ہے جنکو وہ صحبتیں کہاں ہیں

عشرت کدے ہیں اُن کے ایماں فروش کمیر
چلتی نہیں ہوائے مذہب کبھی ہے دل پہ
خاک حجاز چشم دل پر ہوتی گراں تر
وہ راہرو ہیں مغرب جن کا فقط ہے رہبر
مسلم زنانخانے عبرت کی داستاں ہیں دل ڈھونڈھتا ہے جنکو وہ صحبتیں کہاں ہیں

عزلت نشیں ہوئی ہوں کچھ سوچ کر میں ہمدم
صد چاک قلب مضطر۔ ہر لحظہ چشم پر نم
دامان زندگی پر اک داغ بد نما ہم
اے ساجدہ سنائیں کس کو فسانہ غم
مسلم زنانخانے عبرت کی داستاں ہیں دل ڈھونڈھتا ہے جنکو وہ صحبتیں کہاں ہیں

ساجدہ بنت دانش شاہجہانپوری

منزل

صفدر علی ہمارے رشتہ دار نہ تھے، پھر بھی گاؤں کے تعلق سے میں انہیں ماموں کہتا تھا۔ سنتا ہوں کہ ان کے آبا و اجداد نے اچھے دن دیکھے تھے، لیکن میں نے جب سے ہوش سنبھالا صفدر ماموں کو مفلوک الحال ہی دیکھا۔ دو چار بیگھے موروثی کاشتکاری تھی، اسی میں ان کی بھلی یا بری بسراوقات ہوجاتی تھی، گھر میں ان کے سوا ان کی بیوی اور ان کا اکلوتا لڑکا ہمت علی تھا۔ صفدر ماموں تھے تو دیہاتی لیکن ان کی شادی شہر میں ہوئی تھی۔ ان کی بیوی جب پہلے پہل گاؤں میں آئیں تو بہت گھبرائیں۔ شیرنی جب پنجرے میں بند ہوتی ہے تو باہر نکلنے کے لئے بہت تڑپتی ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ اسے پنجرے کے کسی گوشہ میں سکون ملنے لگتا ہے۔ ممانی بولتی تھیں شستہ اور سلیس اردو، اس کے برخلاف صفدر ماموں کی بولی دیہاتی تھی۔ کچھ دن خوب ڈانٹ رہی۔ ممانی جب بگڑتیں تو صفدر ماموں کو اُجڈ اور گنوار بنا دیتیں۔ کچھ عرصہ تک تو صفدر ماموں خدا جانے کس مصلحت سے خاموش رہے لیکن "سو سُنار کی تو ایک دن لوہار کی" ایک دفعہ جو دیہاتی ماموں کو جلالی آیا۔ تو انہوں نے ڈنڈا سنبھال لیا۔ مار کے آگے تو بندر ناچتا ہے۔ شہری ممانی سب "واللہ باللہ" بھول گئیں۔ اور پھر شاید انہوں نے کبھی صفدر ماموں سے "جنگ عظیم" مول نہیں لی۔ دیہات میں رہتے برسوں گزر گئے۔ اب ممانی دیہاتی اور شہری ملی جلی بولی بولتی ہیں۔ صرف زبان ہی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کبھی وہ شہر میں رہی ہوں گی، ورنہ اب تو وہ دیہاتی معاشرت ہی میں رنگی نظر آتی ہیں۔

صفدر ماموں بڑے محنتی اور جفاکش کسان تھے۔ جس سال ہمارے گاؤں میں اچھی فصل ہوجاتی تو گاؤں کے کنجوس بنئے بھی اپنے بچوں کو پڑھانے کے لئے تیار ہوجاتے۔ صفدر ماموں کچھ ہندی پڑھے لکھے تھے وہ اس زمانے میں "گورو جی" بن جاتے اس طرح بھی دو چار روپئے کی آمدنی ہوجاتی تھی۔ جب تک والد صاحب ملازمت چھوڑ کر گھر آگئے۔ اور انہوں نے [illegible] صفدر ماموں کا وہ عہدہ چھن گیا [illegible] والد صاحب ہمارے صفدر ماموں کا خاص خیال [illegible] والد صاحب انہیں کو

اپنا بھائی کہتی تھیں۔ اس رشتہ سے ہم سب بھائی ان کو صفدر ماموں کہنے لگے تھے۔

جوانی میں صفدر ماموں پہلوانی کرتے تھے، بڑا کسرتی جسم پایا تھا لیکن ایک مرتبہ کا ذکر ہے شاید بھادوں کا مہینہ اور ناگ پنچمی کے دن تھے۔ جھوم جھوم کے بادل آتے اور جھما جھم برس کے نکل کے جاتے۔ چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی تھی۔ دھان لہلہا رہے تھے باغوں میں آموں اور جامنوں کی بہار تھی۔ میرا گاؤں گنگا جی کے کنارے ایک نہایت ہی پرفضا مقام پر واقع ہے۔ بھادوں میں رُت اور گنگا جی کا کنارہ ہر دیہاتی مست و بے خود ہو رہا تھا۔ غریب دیہاتی بچوں کو تن پوشی کے لئے مشکل سے دو انگل کپڑا نصیب ہوتا ہے۔ لیکن یہ تو بھادوں کا مہینہ تھا، ڈنڈ بیٹھک اور اکھاڑوں کے دن تھے لنگوٹ میں کپڑا ہی کتنا لگتا ہے۔ جس بچے یا جوان کو دیکھئے لنگوٹ کسے اپنی پہلوانی کا اظہار کر رہا ہے۔ ہاں تو ایسے ہی پُر بہار موسم میں گنگا کے اس پار دنگل تھا۔ ایسے موقع پر صفدر ماموں کیسے نہ جاتے، اب وہ جوان نہ تھے کشتی بھی نہ لڑتے تھے۔ لیکن اکھاڑہ کے کنارے کھڑے ہوکر وہ "پٹھوں" کا دل تو بڑھا سکتے تھے۔ وہ بھی تماشائی کی حیثیت سے دنگل میں پہنچ گئے لیکن وہاں وہی مثل ہوئی کہ "کر گھہ چھوڑ تماشے جائے ناحق مار بیچارا کھائے"؟ پہلوانوں میں نہ جانے کس بات پر لاٹھی چل گئی اور صفدر ماموں بیکار بُری طرح سے پٹ گئے۔ بڑی مشکلوں سے لوگ انہیں چارپائی پر لاد کر گاؤں واپس آئے۔ کئی مہینے تک دیہاتی علاج ہوتا رہا زندگی تھی بچ گئے لیکن ان کی صحت ہمیشہ کے لئے خراب ہوگئی۔

صفدر ماموں اپنے اکلوتے لڑکے ہمت علی کو بہت چاہتے تھے وہی ان کے گھر کا چراغ تھا۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ اسے اعلیٰ تعلیم دلائیں گاؤں میں کوئی مدرسہ نہ تھا، وہاں سے چھ سات کوس پر ایک قصبہ تھا۔ جہاں صفدر ماموں کی کوئی رشتہ دار تھی انہوں نے ہمت علی کو وہیں اردو پڑھنے کے لئے بھیج دیا۔ ہر مہینہ صفدر ماموں سر پر آٹا دال کی گٹھری لاد کر اپنے بچے کے کھانے پینے کا سامان قصبہ میں دے آتے تھے۔ کاشتکاری میں مشکل سے گزر ہوتی تھی۔

اور اب تو وہ اپنے لڑکے کو تعلیم دلا رہے تھے جتنی بھی تنگی ہوتی کم تھی لیکن صفدر ماموں کی تعریف کرنی پڑتی ہے کہ تعلیم کے سامنے انہوں نے کسی تکلیف کی کوئی پروا نہ کی چلچلاتی دھوپ میں دوپہر کے وقت جب "شیروا ہے" (ہل چلانے والے) بیلوں کو کھول دیتے اور کھانے پینے اور کچھ دیر سستانے کے لئے کسی سائے کے نیچے چلے جاتے تو بھی صفدر ماموں آرام نہ کرتے، انہیں تو بس ایک ہی دھن اور ایک ہی لاگ تھی۔ ہمت علی جلد سے جلد پڑھ لکھ کر قابل جائے تاکہ ان کے بگڑے دن بن جائیں جس سال ہمت نے اردو کا درجہ چہارم پاس کیا تو صفدر ماموں کا دماغ چرخ چہارم تک پہنچ گیا۔ ان کی خوشی کی کوئی حد نہ تھی۔ وہ سمجھنے لگے کہ وہ ترقی اور کامیابی کی منزل پر پہنچ گئے لیکن میری غلطی سے اُن کا یہ خیال دور ہو گیا۔ میں زمیندار کا لڑکا ہوں، ہر قسم کی آسائش مجھے نصیب نہیں میں دیہاتی مدرسہ میں کیوں پڑھتا۔ میں شہر میں ایک انگریزی اسکول میں تعلیم پا رہا تھا اور گرمیوں کی چھٹیوں میں اپنے گاؤں آیا ہوا تھا جب صفدر ماموں سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے خوشخبری سنائی کہ ہمت علی نے درجہ چار پاس کر لیا۔ مجھے ان کی یہ خوشی نہ دیکھی گئی۔ اور میری زبان سے نکل گیا کہ "تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ جب تک ہمت علی مڈل پاس نہ کر لیں گے اور انگریزی پڑھ نہ لیں گے کچھ فائدہ نہ ہوگا" صفدر ماموں سمجھتے تھے کہ میں خوشی کا اظہار کروں گا لیکن اس کے بجائے میں نے ان کا دل توڑ دیا۔ وہ میری طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔ "مدتوں کا بنایا ہوا قلعہ زمین پر گر گیا۔ ریت کی دیوار ہوا کے ایک ہی جھونکے میں بیٹھ گئی۔ بڑی مشکل سے تو انہوں نے ہمت علی کو درجہ چہارم تک پڑھایا تھا اور میں نے مڈل اور انگریزی کی شرط لگا کر "ہنوز دلی دور است" کا معاملہ کر دیا۔ رشک کا مادہ ہر انسان میں ہوتا ہے۔ لیکن صفدر ماموں اس معاملے میں دنیا سے نرالے تھے۔ وہ زمین پر لیٹ کر آسمان کو چومنے کی خواہش رکھتے تھے ایسے موقع پر وہ پاؤں پھیلانے میں اپنی چادر کی وسعت کو بھی بھول جاتے تھے دوسرے دن وہ علی الصباح ہمت علی کو میرے پاس لائے اور کہنے لگے۔ "بیٹا! جزاک اللہ اس بھائی کو بھی انگریزی پڑھا دیا کرو" میں اپنی ہی پڑھائی سے بہت پریشان تھا، مجھے خود پڑھنا مصیبت تھی۔ [illegible] مصیبت کا کیسے سامنا کروں گا لیکن صفدر ماموں کی بندگی اور ان کی خوشامد کے سامنے میں مجبور ہو گیا۔ صبح ہوتے ہی صفدر ماموں اپنے لخت جگر کو ساتھ لے کر میرے یہاں آ جاتے لڑکا پڑھتا اور وہ غور سے سنتے رہتے۔ کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا کہ ہمت علی پڑھنے میں کچھ اٹک جاتا میں تو خفگی کا اظہار بھی نہ کرتا لیکن صفدر ماموں بلا تکلف ہمت علی کے منہ پر دو چار چپت رسید کر دیتے گویا پڑھانے کے لئے تو میں تھا۔ اور سزا دینے کے لئے صفدر ماموں ان کو تو جلد از جلد منزل تک پہنچنے کی پڑی تھی، وہ چاہتے تھے کہ ہمت علی کو انگریزی گھول کر پلا دیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ اپنے گھر پر ہمت علی سے کہتے کہ کتاب کھول کر پڑھو۔ سعادت مند بچہ باپ کے حکم کی تعمیل کرتا۔ صفدر ماموں انگریزی تو کیا اُردو سے بھی ناواقف تھے۔ لیکن وہ بڑی شان سے اربر یا جھاؤ کی ٹہنی لے کر سبق سننے کو بیٹھ جاتے۔ اگر اتفاق سے ہمت علی پڑھنے میں کہیں رک جاتا تو صفدر ماموں سمجھتے کہ وہ اپنا سبق بھول گیا۔ اور پھر اس کو ٹھونکنا شروع کر دیتے۔ میں نے انہیں کئی مرتبہ سمجھایا کہ اس طرح بلا خطا قصور مارنے سے بچے پڑھ نہیں سکتے مگر صفدر ماموں پر میرے کہنے کا کوئی خاص اثر نہ ہوتا۔ وقت ناوقت ناکردہ گناہ ہمت علی پر مار پڑ ہی جاتی۔ وہ ہر وقت ہمت علی کو سمجھاتے رہتے کہ جس طرح زمیندار کا لڑکا چپا چپڑا اٹھنا اور بیٹھنا ہے۔ تم بھی اسی طرح سیکھ لو۔ تم کو ایک دن بڑا آدمی بننا ہے۔

جب گرمیوں کی چھٹیاں ختم ہونے کو ہوئیں، تو ایک دن پتہ چلا کہ صفدر ماموں اپنے لڑکے کو تحصیلی اُردو مڈل اسکول میں داخل کرانے کو لے گئے ہیں۔ دو چار دن کے بعد ان سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ ہمت علی کا داخلہ ہو گیا ہے۔ اب تو صفدر ماموں کو اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے بس اسی بات کی فکر تھی کہ کھیت کی پیداوار بڑھ جائے تاکہ ہمت علی کے پڑھانے کا خرچ پورا ہو۔ وہ اب کولھو کا بیل بن گئے تھے کھیت کھلیان اور ہمت کا خرچ پورا کرنا بس اب ان کی زندگی کا مقصد رہ گیا تھا۔

مڈل کا آخری سال تھا۔ سالانہ امتحان میں تین چار مہینہ باقی تھے صفدر ماموں کچھار کے کسی کھیت میں "چواسا" گوڑ رہے تھے کسان کے پاؤں میں کوئی بڑا کانٹا لگ کر ٹوٹ گیا۔ کسان ننگے ننگے پاؤں چلتے پھرتے ہیں۔ کانٹا لگنا معمولی بات [illegible] نہ معلوم کس بری

ساعت سے صفدر ماموں کا کانٹا لگا۔ کہ وہ ان کے لئے بلائے جان ثابت ہوا پھر بھی کچھ دنوں تک انہوں نے کھیت کا جانا نہ چھوڑا۔ لنگڑاتے بیٹھتے رکتے اور ستاتے ہوئے صفدر میاں کھیت پر پہنچ ہی جاتے۔ گاؤں والوں نے بہت سمجھایا کہ کچھ دن آرام کریں ورنہ زخم بڑھ جائے گا۔ مگر صفدر ماموں ایسے مسافر نہ تھے جو منزل کے قریب پہنچ کر ہمت ہار دیتے۔ یہی تو آخری سال ہے اگر چند مہینے اور وہ ہمت علی کی فیس اور کھانے پینے کا انتظام نہ کر سکے تو پھر ہمت علی "بڑا آدمی" نہ بن سکے گا۔ ان کو اپنی پرواہ نہیں کہ وہ رہیں یا نہ رہیں۔ مگر ان کا نام تو روشن ہو جائے گا۔ لیکن جب زخم میں پیپ پڑ گئی، تو صفدر ماموں چلنے پھرنے سے مجبور ہو گئے کچھ دن تک تو اینڈ اور نیم کی پتیوں ہی کا لیپ ہوتا رہا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ زخم سے روزانہ خون اور پیپ کے بہنے سے صفدر ماموں کی حالت خطرناک ہو گئی، وہ سوکھ کر خود کانٹا بن گئے۔ جب گاؤں کی سب دوائیں بیکار ہو گئیں تو صفدر ماموں مجبوراً ڈولی میں سوار ہو کر شہر پہنچے اور وہاں ایک خیراتی ہسپتال میں داخل ہو گئے۔ وہاں ایسے مفلس کسان کو کون پوچھتا۔ کسی ڈاکٹر نے شاید کہا بھی کہ زخم میں کیڑے پڑ چکے ہیں۔ پاؤں کاٹنا پڑے گا۔ لیکن صفدر ماموں نے انکار کر دیا۔ جب صفدر ماموں کی حالت بہت نازک ہو گئی تو کسی نے کہا۔ "کہو تو ہمت علی کو بلوا دیں" مگر صفدر ماموں نے جھڑک دیا "نہیں نہیں! اُس کو نہ بُلاؤ۔ ۔ یہی تو آخری سال ہے۔ ۔ ۔ امتحان قریب ہے۔ ۔ ۔ ۔" صفدر ماموں یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ اُن کی آخری گھڑی آ گئی۔ ہمت علی ابھی مڈل پاس کرنے نہ پائے تھے کہ صفدر ماموں اپنی آخری منزل پر پہنچ گئے۔

اعظم کریوی

آرزو

آنسوؤں کی چمک سے اے ہمدم — جگمگاتے ہیں دل کے ویرانے
جیسے غم کی طویل راتوں میں — یاد آتے ہیں بھولے افسانے

یوں مچلتی ہے "آرزو" دل میں
[illegible]

صبح خیزی

چاک ہو جاتا ہے جب کچھ کچھ گریبان سحر
جانب مشرق نظر آتے ہیں عنوانِ سحر
دائیں بائیں بولنے لگتے ہیں مرغانِ سحر
لے کے آتی ہے صبا اس دم پیغامِ سحر
سونے والو بستر آرام و راحت سے اٹھو — رات بھر تو سو چکے اب خوابِ غفلت سے اٹھو

کیا سہانا وقت ہے کیسا سماں ہے دلربا
ہو کے مخلوقات میں اشرف نہیں شرمندگی ذرا
چاہیئے اس وقت تو ورد زباں نام خدا
جھٹپٹے ہی میں کچھ آتا ہے عبادت کا مزا
سونے والو بستر آرام و راحت سے اٹھو — رات بھر تو سو چکے اب خوابِ غفلت سے اٹھو

اٹھو اٹھو یہ دعا کی ہے قبولیت کا وقت
حق کی بخشش کا کرم کا فضل کا رحمت کا وقت
سارے دن میں پھر نہ ایسا پاؤ گے فرصت کا وقت
لو لگا لو حق تعالےٰ سے یہ ہے ہمت کا وقت
سونے والو بستر آرام و راحت سے اٹھو — رات بھر تو سو چکے اب خوابِ غفلت سے اٹھو

دل فریب و دل کشا کیسا ہے منظر صبح کا
روح پرور جاں فزا کیسا ہے منظر صبح کا
مظہر شانِ خدا کیسا ہے منظر صبح کا
قابل صل علےٰ کیسا ہے منظر صبح کا
سونے والو بستر آرام و راحت سے اٹھو — رات بھر تو سو چکے اب خوابِ غفلت سے اٹھو

تھک گیا دے دے کے آوازیں تمہیں مرغ سحر
صبح کا منظر نہ دیکھا تم نے آنکھیں کھول کر
تم سے اچھے ہیں پرندے تم سے بہتر جانور
کرتے ہیں اس وقت سب ذکرِ خدائے بحر و بر
سونے والو بستر آرام و راحت سے اٹھو — رات بھر تو سو چکے اب خوابِ غفلت سے اٹھو

عمر کم ہوگی بڑھاؤ گے جو اپنی نیند کو
آنکھ کی پتلی بنا لینا نہ میٹھی نیند کو
ہو زیاں جس میں ازل تم چھوڑ دو ایسی نیند کو
چاہتا ہے حق بھی پچھلی رات تھوڑی نیند کو
سونے والو بستر آرام و راحت سے اٹھو — رات بھر تو سو چکے اب خوابِ غفلت سے اٹھو

ابو الاعجاز ازل

حیدرآباد کے دو خاندان

ہندوستان کثرت اولاد اور جہالت میں مشہور ہے، دولت و ثروت کے مقابلے میں پیدائش کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ دولت کی کمی کے ساتھ ساتھ علم کا فقدان ہے، پڑھے لکھوں کی تعداد فی صد چند نفوس پر مشتمل ہے۔ اس سے قطع نظر جو تعلیم یافتہ خاندان ہیں۔ ان میں جن والدین کی اولاد دو چار سے زیادہ ہو جائے۔ ان کے لئے ہر ایک کو اعلیٰ تعلیم دلانا دشوار ہے۔ اور سب بچوں کا اعلیٰ تعلیم پاکر یونیورسٹیوں کی ڈگریاں حاصل کرنا دشوار نہیں تو مشکل ضرور ہے، غرض ہر خاندان میں ایک یا دو تین افراد کا اعلیٰ تعلیم پالینا تو آسان ہے۔ مگر ایسے خاندان ہندوستان کے طول و عرض میں بہت کم نظر آئیں گے جن کے تمام افراد خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، ہر ایک نے اعلیٰ تعلیم پائی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی خاندان کے پورے لڑکے اعلیٰ تعلیم حاصل کرلیں اور اپنے خاندان کے لئے موجب فخر ہوں۔ مگر شاید ہندوستان میں ایسے خوش نصیب والدین بہت کم ہوں گے جن کی تمام لڑکیاں اعلیٰ تعلیم پاکر ممتاز ہوئی ہوں۔ کیونکہ ہندوستان میں اول تو تعلیم نسواں کا رواج بمقابلہ مردوں کے بہت کم ہے، ہندوستان کی مسلم آبادی میں ایسی مستورات بہت ہی کم نظر آئیں گی۔ جنہوں نے یونیورسٹیوں سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کی ہوں۔ اگر کسی خاندان کی سب لڑکیوں نے اعلیٰ تعلیم پاکر امتیاز حاصل کیا ہے تو وہ خاندان قابل تعریف اور لائق ستائش ہے، اور اس کو بطور نظیر پیش کیا جا سکتا ہے۔

ہم ذیل میں دو ایسے ہی خاندانوں کا تذکرہ کرتے ہیں جن کی پوری اولاد خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ اور پھر یہ نہیں کہ ایک آدھ لڑکی بلکہ چار چار لڑکیوں کا جامعات کی ڈگری حاصل کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

(۱) مولوی اسد اللہ صاحب مرحوم مدراس یونیورسٹی کے ان مسلمانوں میں شامل تھے جنہوں نے اس کے ابتدائی دور میں بی اے کی ڈگری حاصل کرکے صوبہ مدراس کے مسلمانوں [illegible] آپ نے عرصہ تک حیدرآباد میں مددگار معتمد عدالت کوتوالی امور عامہ کی خدمت پر کارگزار رہ کر انتقال کیا، جس وقت آپ کا انتقال ہوا آپ کی اکثر اولاد کم سن تھی۔

اسد اللہ صاحب کی شریک زندگی سیدہ احمد النسا بیگم بھی تعلیم یافتہ ہیں۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی اور ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا ہے۔ شوہر کے انتقال کے بعد قابل ماں نے اولاد کی تعلیم کا خاص طور پر خیال رکھا اور ہمچشموں میں ممتاز بنایا چنانچہ آپ کی اولاد کی تفصیل اور ان کی ڈگریوں کی صراحت حسب ذیل ہے:۔

(۱) محبوب النساء بیگم۔ ایم۔ ایس سی (عثمانیہ)
(۲) خورشید بیگم۔ بی۔ اے (مدراس)
(۳) حسنیہ بیگم۔ بی۔ ایس سی (عثمانیہ)
(۴) شہنشاہ بیگم ایم۔ اے (مدراس)
(۵) " " فرزند ایم۔ اے (مدراس)

دوسرا خاندان مولوی سید عبدالحفیظ صاحب کا ہے، آپ سرکار انگریزی کے وظیفہ یاب ہیں۔ آپ کی شریک زندگی بھی تعلیم یافتہ ہیں۔ آپ کی اولاد اور ان کی تعلیمی صراحت حسب ذیل ہے۔

(۱) سیدہ نور النساء بیگم بی۔ اے (لکھنؤ)
(۲) حضور النساء بیگم ایم۔ اے ڈپ ایڈ (لکھنؤ)
(۳) ڈاکٹر صبور النساء بیگم ایم۔ بی۔ بی۔ ایس (دہلی)
(۴) غیور النساء بیگم۔ ڈپلوما ڈومسٹک سائنس (لیڈی اروِن کالج دہلی)
(۵) فرزند بی۔ اے۔ بی ٹی

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان خواتین کے متعلق مختصر وضاحت بھی کردی جائے تاکہ ان کے مشاغل کا حال بھی معلوم ہو سکے۔

(۱) محبوب النساء بیگم، اسد اللہ صاحب مرحوم کی پہلی دختر سنہ ۱۹۱۳ء میں تولد ہوئیں۔ محبوبیہ گرلز اسکول سے جونیر کیمبرج اور سکندرآباد کے کنیرڈ ہائی اسکول سے ایچ۔ ایس۔ ایل سی کامیابی حاصل کی اور ممالک محروسہ سرکار نظام میں اول [illegible] سنہ ۱۹۳[illegible]ء میں ویمن کرسچین کالج مدراس [illegible]

بی اے ایس سی۔ اور ایم اے ایس سی میں کامیاب ہوئیں۔ آپ جامعہ عثمانیہ کی پہلی خاتون ہیں جنھوں نے ان امتحانوں میں کامیابی حاصل کی ہے۔ عرصہ تک آپ کالج کی یونین کی سکریٹری رہیں۔ اس وقت زنانہ کالج حیدرآباد میں لکچرار ہیں۔ اردو سے بڑی دلچسپی ہے افسوس ہے۔ حال ہی میں ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا۔

(۲) خورشید بیگم، اسد اللہ صاحب کی دوسری دختر ۱۹۱۷ء میں تولد ہوئیں۔ اپنی بہن کی طرح اولاً محبوبیہ گرلز اسکول پھر کیئز ہائی سکول میں تعلیم پائی۔ اور اس کے بعد ویمن کرسچین کالج مدراس سے بی اے کی ڈگری حاصل کی، اردو میں اول آئیں اور انعام حاصل کیا۔ اس وقت محبوبیہ گرلز ہائی اسکول (حیدرآباد) میں معلمہ ہیں۔

(۳) حسنیہ بیگم، اسد اللہ صاحب کی تیسری دختر ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئیں۔ اولاً محبوبیہ گرلز اسکول پھر نامپلی ہائی اسکول میں تعلیم پائی اور اس کے بعد کلیہ اناث جامعہ عثمانیہ میں شریک ہوکر بی ایس سی میں کامیاب ہوئیں۔ گلبرگہ ہائی اسکول میں سائنس کی معلمہ ہیں، اردو سے شغف ہے۔

(۴) شہنشاہ بیگم، اسد اللہ صاحب کی چوتھی دختر ہیں ۱۹۲۳ء میں تولد ہوئیں۔ محبوبیہ ہائی اسکول اور کیئز ہائی اسکول کے بعد ویمن کالج مدراس سے بی اے میں کامیاب ہوئیں۔ اس کے بعد حیدرآباد کے نظام کالج میں جہاں مخلوط تعلیم ہوتی ہے۔ شریک ہوئیں۔ اور ۱۹۴۳ء میں ایم اے کی ڈگری اعزاز کے ساتھ حاصل کی بچپن سے اردو سے دلچسپی ہے۔ اخبار خاتون وغیرہ میں کہانیاں اور مضامین لکھتی رہی ہیں۔

سید عبدالحفیظ صاحب کی بیٹیوں کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں۔

(۱) نورالنسا بیگم بی اے، آپ عبدالحفیظ صاحب کی بڑی دختر ہیں۔ حیدرآباد میں ۱۹۰۹ء میں تولد ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ مڈل کا امتحان گھر میں تعلیم پاکر دیا اور کامیاب ہوئیں۔ اس کے بعد آپ کو لکھنؤ روانہ کیا گیا۔ ازابیلا تھوبرن کالج سے صرف بائیس سال کی عمر میں آپ نے بی اے کی ڈگری اعزاز کے ساتھ بی اے کی [illegible]

[illegible]

صلہ میں آپ کو عماد الملک میڈل ملا ہے۔

ختم تعلیم کے بعد اولاً محبوبیہ گرلز اسکول میں آپ کو مامور کیا گیا سات سال تک یہاں رہیں، اس کے بعد کلیہ اناث میں لکچرار کی خدمت دی گئی۔ جہاں کئی مضمون یعنی "تاریخ اسلام"، اخلاقیات، "تاریخ انگلستان" وغیرہ کی تعلیم دیتی رہیں۔ اس کے بعد آپ کو اورنگ آباد کے زنانہ مڈل اسکول پر ترقی دی گئی۔ جس وقت آپ کا تقرر ہوا اس وقت یہ مدرسہ صرف مڈل اسکول تھا۔ لیکن نورالنسا بیگم کی دلچسپی اور محنت کے باعث ایک ہی سال میں ہائی اسکول بنادیا گیا۔ تین سال تک یہاں کارگزار رہیں۔ اور پھر آپ کو صوبہ اورنگ آباد کی مہتمی مدارس نسواں پر ترقی دی گئی۔ آپ نے ساڑھے تین سال تک اس اہم خدمت کو خوش اسلوبی اور نہایت حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ اس کارگزاری اور محنت کے باعث ۱۹۴۲ء میں آپ کو حیدرآباد کے مشہور زنانہ مدرسہ نسواں نامپلی ہائی اسکول کی صدارت پر مامور کیا گیا ہے۔ یہ مدرسہ ۱۸۹۰ء میں قائم ہوا تھا۔ اور آج تک کوئی ملکی خاتون اس کی صدر نہیں ہوئی تھیں۔ اس کی صدارت پر یورپین خواتین ہی مامور ہوا کرتی تھیں۔ آپ پہلی مسلم اور ملکی خاتون ہیں جن کا اس اہم خدمت پر تقرر ہوا ہے۔ نورالنسا بیگم اس خدمت کو کامیابی کے ساتھ بڑی خوبی سے انجام دے رہی ہیں۔

نورالنسا بیگم کو انگریزی مضمون نگاری کا بڑا شوق ہے، آپ کے مضامین نہایت سلیس اور زود فہم ہوتے ہیں۔ آپ کو جو عماد الملک طلائی تمغہ ملا تھا۔ وہ اس حیثیت سے بھی قابل تذکرہ ہے کہ یہ تمغہ پہلے پہل ایک مسلم خاتون کو ملا۔ کیونکہ اس سے پہلے ہمیشہ اینگلو انڈین ہی اس اعزاز کو پاتے رہے تھے۔

(۲) حضور النسا بیگم، عبدالحفیظ صاحب کی دوسری دختر ہیں۔ گھر کی تعلیم کے بعد لکھنؤ گئیں اور اس کالج سے جہاں آپ کی بڑی بہن نورالنسا نے کامیابی حاصل کی تھی آپ نے ایم اے اور ڈپ ایڈ کی ڈگری اعزاز کے ساتھ حاصل کی۔ لکھنؤ یونیورسٹی میں ایم اے کے امتحان میں اول آنے کے باعث یونیورسٹی کی جانب سے کامرٹ اسکالرشپ ملا۔ انگریزی مضمون کے باعث عماد الملک تمغہ آپ نے بھی حاصل کیا۔ تعلیم کے بعد ملازمت کا آغاز ہوا۔ زنانہ ٹریننگ اسکول کی صدارت کے بعد [illegible]

ہیں۔ اور حسن و خوبی سے اپنے فرائض انجام دیا کرتی ہیں۔

(۳) صبور النسا بیگم ابتدائی تعلیم کے بعد میڈیکل کالج دہلی میں شریک ہوئیں۔ اور ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کیا۔ اس وقت سلطان بازار کی میٹرنیٹی میں سرجن ہیں۔ ہر دلعزیز ہیں، اپنے فرائض کو نہایت دلچسپی اور تن دہی سے انجام دیا کرتی ہیں۔

(۴) حفیظ النسا بیگم۔ عبدالحفیظ صاحب کی چوتھی دختر ہیں۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ہائی اسکول نامپلی میں شریک ہوئیں انٹرمیڈیٹ (سائنس) کی کامیابی کے بعد آپ کو سرکاری طور پر دہلی روانہ کیا گیا۔ آپ نے لیڈی اروِن کالج میں ڈومسٹک سائنس کا سہ سالہ نصاب ختم کر کے ڈپلوما حاصل کیا۔ آپ حیدرآباد میں پہلی مسلم خاتون ہیں جنہوں نے یہ ڈپلوما حاصل کیا ہے۔ اس وقت زنانہ سٹی ہائی سکول میں ڈومسٹک سائنس کی معلمہ ہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہو سکتا ہے کہ والدین کی توجہ اور دلچسپی سے لڑکے ہی نہیں لڑکیاں بھی تعلیم میں امتیاز حاصل کر سکتی ہیں۔ قابل صد ستائش ہیں وہ والدین جو اپنی پیاری بیٹیوں کو اعلیٰ تعلیم یافتہ بناتے ہیں۔ کاش ہندوستان کے دوسرے والدین بھی ان دو مثالوں پر عمل کریں!

نصیر الدین ہاشمی

(بقیہ صفحہ ۲۱۱)

کا اثر زائل ہو جائے۔ ابھی انہوں نے فقرہ ختم بھی نہ کیا تھا کہ پولیس کے آدمیوں نے چاروں ڈاکوؤں کو پکڑ کر یہ کہتے ہوئے ہتھکڑی ڈال دی کہ "طاعون خود بہت مصروف ہے۔ اس لئے اس نے تمہارا کام تمام کرنے کے لئے پھانسی بھیجی ہے"۔

یہ دیکھ کر تمام ڈاکو بہت حیران ہوئے مگر بلیک فنیس نے کہا "اچھا مجھے یہ تو بتا دو کہ اس مردہ لڑکی اور بیمار آدمی کا کیا ہوا۔ جنہیں میں نے خود دیکھا تھا"۔

اتنے میں ایک آدمی روشنی لئے آگے بڑھا۔ ڈاکوؤں نے دیکھا کہ وہ آدم تھا۔ مگر اس کی آنکھوں کے گرد کالے حلقے نہ تھے آدم نے بتایا کہ وہ مردہ لڑکی اس کی مالکہ کے بچوں کے کھیلنے کی موم کی بنی ہوئی گڑیا تھی۔ اور اس نے گڑیا کی اور اپنی آنکھوں کے گرد کوئلے سے کالے حلقے ڈاکوؤں کو دھوکا دینے کے لئے بنائے تھے۔

رشیدہ عزیز بی اے۔ بی ٹی۔

(ماخوذ) [illegible]

ایک آرزو

ہوائے ہند کو رہتا ہے اس کا انتظار اب بھی
مسلمانوں کا ہو جائے وہی پہلا شعار اب بھی
اگر قدر دین و ملت کی انہیں معلوم ہو جائے
تو پھر آباد ہو جائے یہی اجڑا دیار اب بھی
انہیں اقبالؒ کے اشعار دیں پیغام خودداری
خودی کے باغ میں آئے وہی پہلی بہار اب بھی
کریں کوشش تو ان کی غیر حالت ٹھیک ہو جائے
بدلنا اپنی حالت ہے بزیر اختیار اب بھی
ہمیں اپنی حکومت کی وہ شوکت پھر سے مل جائے
یہی امید رہتی ہے مجھے لیل و نہار اب بھی

سعیدہ حسن، بی اے آنرز

عورت کے کام

پنگوڑے ہلانا۔ بچوں کی پرورش کرنا۔ گھر صاف رکھنا اور آتشدان کو گرم رکھنا۔ یہ عورت کا کام ہے۔

آنسو پونچھنے، دکھ درد مٹانا۔ نقصان اور رنج برداشت کرنا۔ تنہا لوگوں کو خوش کرنا دکھے دلوں کو تسکین بخشنا۔ دوسرے کے بوجھ میں شریک ہونا۔ یہ عورت کا کام ہے۔

ناامید نہ ہونا۔ گھبرا کر پیچھے نہ ہٹنا جب کام بگڑ جائیں کسی کو یہاں کسی کو وہاں سارا دن خوش کرتے رہنا۔ یہ عورت کا کام ہے۔

اپنا سب سے بہتر سرمایہ دے ڈالنا۔ اور اپنے آپ کو اس سے محروم رکھنا مسکرانا اور پیار کرنا سب کی برائیاں بھولتے ہوئے سب کو معاف کرتے ہوئے خدمت کرنا، عبادت کرنا اور دوسروں کے لئے رحمت بننا یہ بھی عورت کا کام ہے۔

عورت کے لئے اس سے مکمل اور شاندار زندگی اور کیا ہو سکتی ہے! اس سے زیادہ اور نیک کام کیا کر سکتی ہے۔ مرد خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس کے متعلق میں اتنا جانتی ہوں کہ چاہے وہ کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہو عورت سے بڑا نہیں ہو سکتا جس نے اسے [illegible] بنایا ہے۔

(انگریزی کے میگزین سے ترجمہ) [illegible] عباس ارشد

دو سوال

نفسیات سے واقفیت رکھنے والوں نے کچھ سوالات اس طرح سے مرتب کئے ہیں۔ کہ جن سے ہم اپنے متعلق فیصلہ کر سکیں۔ سب سے پہلا سوال یہ معلوم کرنے کے لئے ہے کہ آیا آپ اچھی رفیق حیات ثابت ہو سکتی ہیں یا نہیں یا اگر آپ کی شادی ہو چکی ہے تو پھر تخیل کو دخل اندازی کا موقع کہاں ملے گا۔ اور آپ یہ جان سکیں گی کہ آیا آپ اچھی رفیق حیات ہیں۔ آپ کا شوہر آپ سے خوش ہے یا نہیں۔ مندرجۂ ذیل سوالات کو پڑھئے۔ اگر آپ کسی سوال کا جواب اثبات میں دے سکتی ہیں تو اپنے کو ۲ نمبر دے لیجئے۔ اگر آپ یقین کے ساتھ کسی سوال کا جواب "ہاں" یا "نہ" میں نہیں دے سکتی ہیں۔ تو اپنے کو ایک نمبر دے لیجئے۔ اور اگر یقین کے ساتھ آپ کا جواب نفی میں ہو تو صفر۔ جب آپ سب سوالات کے نمبر دے چکیں تو نمبر جوڑ لیں۔ اگر آپ کی میزان ۲۱ سے ۲۸ تک ہے۔ تو آپ بہترین رفیق حیات اور کامیاب بیوی ہیں۔ اور اگر نمبروں کی میزان ۸ سے ۲۰ تک ہو تو پھر آپ اوسط درجہ کی بیوی ہیں جس سے شوہر اگر خوش نہیں تو ناخوش بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اسے کم از کم کوئی شکایت کا موقع نہیں مل سکتا اگر آپ کی میزان صفر سے ۷ کے تک ہے تو پھر ذرا اپنے ضمیر کو دیکھئے اپنی عادات کو بدلئے اپنے طور طریقے تبدیل کر دیجئے۔ مبادا آپ اپنا گھر اور شوہر دونوں کھو بیٹھیں۔

(۱) کیا آپ کو ہر سال اپنے شوہر کا یوم پیدائش یاد رہتا ہے؟

(۲) کیا آپ نئے کپڑوں کے لئے منع کر سکتی ہیں؟

(۳) کیا آپ اب بھی اپنے شوہر سے اتنی ہی محبت کرتی ہیں، جتنی اس وقت کرتی تھیں جب آپ کی شادی نئی نئی ہوئی تھی؟

(۴) جب آپ کا شوہر آپ کی کسی مطلوبہ چیز کے متعلق کہہ دے کہ وہ بہت مہنگی ہے تو آپ اس کی رائے کو قبول کر لیتی ہیں؟

(۵) جب وہ گھر آتا ہے تو کیا اس وقت آپ گھر ہی میں ہوتی ہیں۔ اور کھانا تیار ہوتا ہے؟

(۶) کیا آپ اچھا کھانا پکانا [illegible] ہیں۔ [illegible] کیا آپ کا شوہر آپ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا پسند کرتا ہے؟

(۷) کیا آپ ہمیشہ اپنے شوہر کے کپڑوں کا خیال رکھتی ہیں اور انہیں ہمیشہ باقاعدہ رکھنے کی کوشش کرتی ہیں؟

(۸) کیا آپ ہمیشہ اپنے شوہر کو آڑے وقت میں تسلی دیتی ہیں اور جب وہ تھکا ہوا گھر میں داخل ہوتا ہے تو اسے خوش کرنے اور آرام دینے کی کوشش کرتی ہیں؟

(۹) کیا آپ گھر میں بھی بناؤ سنگھار کا اتنا ہی خیال رکھتی ہیں جتنا کہ گھر سے باہر جاتے وقت؟

(۱۰) کیا آپ اس کے ڈیسک اور میز لگانے کے طریقے سے مطمئن ہیں۔ اور جس حالت میں وہ ڈیسک اور میز کو چھوڑ جاتا ہے اس حالت سے بھی؟

(۱۱) اگر آپ کا شوہر تھکا ہوا ہے تو کیا آپ کہیں باہر جانے کا پروگرام منسوخ کر سکتی ہیں؟

(۱۲) کیا آپ اپنے شوہر کو گھر کے معمولی کپڑوں یا سونے کے کپڑوں میں جانے دیتی ہیں؟

(۱۳) کیا آپ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے سیری وغیرہ کے متعلق باتیں کرنا بند کر سکتی ہیں؟

(۱۴) کیا آپ اپنے شوہر کو جب وہ چاہے باہر جانے اور تفریح کرنے کی اجازت دے سکتی ہیں؟

دوسرا سوال نامہ یہ معلوم کرنے کے لئے ہے کہ آپ "جذباتی" انسان ہیں کہ نہیں! جذباتی ہونا فقط وقتی طور سے صرف جذبات کی خاطر بہک جانے کے مترادف ہے۔ نوجوان اور بچوں کے لئے جذبات سے بہک جانا کوئی بڑی بات نہیں لیکن ان لوگوں کے لئے جو دنیا میں کسی کام میں لگے ہیں یہ بہت مضر علامت ہے۔ بہت سے لوگوں سے دوسرے انسانوں کے لئے ہمدردی اور محبت کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ پھر حیوانوں کے لئے پیدا ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بعض عورتیں جانوروں سے بے حد رغبت کرنے لگتی ہیں۔ اس سے یہ مطلب نکالنا کہ ہمیں جذبات سے اونچا اور بالکل سرد مہر ہونا چاہیئے قطعاً غلط ہے بلکہ مطلب یہ ہے

مگس بانی

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

مائی گریشن موسم کے مطابق ایک جگہ سے دوسری جگہ سکونت اختیار کرنے کو مائی گریشن کہتے ہیں۔ خوش قسمتی سے ایپس انڈیکا میں یہ بات نہیں پائی جاتی لیکن ایپس ڈارسیٹا کی عادت میں یہ بات شامل ہے وہ اپنے بچاؤ کے لئے جاڑوں میں سرد مقامات سے گرم جگہوں پر چلی جاتی ہے اور زیادہ گرمی وغیرہ سے بچنے کے لئے گرمی کے موسم میں میدانوں سے پہاڑوں پر چلی جاتی ہے۔

ڈزرشن کسی وجہ سے ہائیو چھوڑ دینے کو ڈزرشن کہتے ہیں ہائیو کی خرابی، خوراک کی کمی اور زیادہ گرمی یا سردی کے علاوہ اور بھی وجوہ ہو سکتی ہیں، جیسے دشمنوں سے تنگ آکر ہائیو چھوڑ دینا۔

رابنگ ایپیری میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ مونیں دوسری مونوں کے ہائیو سے شہد اور پولن چرا تی ہیں۔ اس کو رابنگ کہتے ہیں۔ یہ چوری زیادہ تر کمزور کالونیز سے کی جاتی ہے۔ لہذا مگس بان کو ایپیری میں کمزور کالونی نہ رکھنا چاہیئے۔ شہد کھلی حالت میں ادھر ادھر گر جانے سے بھی رابنگ ہوتی ہے۔ خوراک اگر دن میں دی جائے تب بھی اس کا خطرہ رہتا ہے (اسی لئے مغرب کے وقت مونوں کو شربت دیا جاتا ہے) رابنگ اس وقت تک جاری رہتی ہے کہ اس کالونی کا شہد بالکل ختم نہ ہو جائے۔ اس سے تمام ایپیری میں یہ مرض پھیل جاتا ہے اور آپس میں اکثر لڑائی بھی ہوتی ہے جس سے بہتیری مونوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں پس اس سے بچانے کے لئے ایک ہی ترکیب ہے یعنی احتیاط علاج سے بہتر ہے۔

ڈرفٹنگ اکثر غلطی سے یا تیز ہوا سے مونیں اپنا ہائیو بھول کر دوسرے ہائیو میں چلی جاتی ہیں اسے ڈرفٹنگ کہتے ہیں اگر مونیں پولن یا نکر لئے ہوئے ایسی غلطی کرتی ہیں تو جس ہائیو میں جاتی ہیں ان کا استقبال کر لیا جاتا ہے۔ ورنہ [illegible] مگس بان کو ڈرفٹنگ [illegible] مضبوط اور [illegible] کم از کم [illegible] دروازے کے [illegible]

اسے ہر ہائیو میں مختلف رنگ سے رنگ دیا جائے اور سامنے اوپر نیچے گھاس یا دوسری پہچان کی چیزیں بھی رکھ دی جائیں۔

فائٹنگ (Fighting) مونیں جب رابنگ یا کسی دوسری غلطی سے کسی ہائیو میں چلی جاتی ہیں تب ان میں لڑائی ہوتی ہے اور اسی کو فائٹنگ کہتے ہیں۔ اس سے بہتوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ جب ایپیری میں ایسی حالت ہو جائے تب اسموکر سے دھواں دینا چاہیئے یا آٹا چھڑک دینا چاہیئے۔ پتلا چینی کا شربت (ایک حصہ چینی اور چار حصہ پانی) سے تیار کر کے اس کی چھینٹیں دینی چاہیئے۔ کوئی خوشبودار چیز ملا دینا اور بھی اچھا ہے۔ ان ترکیبوں کو عمل میں لانے سے فائٹنگ بہت جلد رک جائے گی۔

موسمی ہدایات پہاڑی مقامات پر جاڑے کے موسم میں جب سردی بہت زیادہ پڑتی ہے یا برف جمتی ہے اس وقت عموماً نہ تو باہر بہت سے پھول ہی کھلے نظر آتے ہیں اور نہ مونیں سرد ہوا میں تمام دن اڑ کر رس اکٹھا کر سکتی ہیں۔ اس کے بجائے وہ ایک کلسٹر یعنی گیند جیسی شکل بنا کر سردی کے ایام گزارتی ہیں۔ وہ آپس میں قریب قریب مل کر گرمی پیدا کر لیتی ہیں۔ اور اس طرح زندہ رہ سکتی ہیں، جو کچھ خوراک انہیں ہائیو کے اندر موجود ملتی ہے۔ اسی پر اکتفا کرتی ہیں۔ لہذا مگس بان کو چاہیئے کہ کالونی کی ضرورت کے مطابق جاڑے کے لئے کافی خوراک رکھ چھوڑے سردی میں پہاڑوں پر ہائیو کو ہر دو چیمبر کے چاروں طرف خشک گھاس سے ڈھک کر (دروازے کی جگہ چھوڑتے ہوئے) بند کر دیتے ہیں۔ اس سے کافی حفاظت رہتی ہے اور مونوں کو اپنی زندگی کے لئے موافق درجۂ حرارت پیدا کرنے میں زیادہ دقت نہیں پڑتی۔ سردی سے بچانے کے لئے ہائیو ایسے رُخ پر رکھنا چاہیئے کہ تیز ہوا کے جھونکے نہ لگیں۔

میدانی علاقوں میں گرمی کے زمانے میں مونوں کے لئے خاص انتظام کی ضرورت ہوتی ہے۔ خصوصاً ان اضلاع میں جہاں لو چلتی ہے زیادہ گرمی [illegible] سے [illegible] جاتے ہیں اور [illegible] نہایت [illegible] ہائیو کو اس [illegible] سے بچانے کا انتظام کیا جائے یا کسی بڑے [illegible]

لندن میں طاعون

سترھویں صدی میں ایک دفعہ لندن میں اس قیامت کا طاعون پھیلا کہ [illegible] ہونے لگیں۔ لوگوں کو نہ صرف [illegible] اور [illegible] کو چھوڑ کر [illegible] اور لوٹ مار مچا رہے تھے۔ پیچھے شہریوں کو ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ انہیں طاعون آ دبائے گا یا چور اور ڈاکو۔

چار ڈاکوؤں نے ایک تن تنہا گھر پر ڈاکہ ڈالنے کا فیصلہ کیا اس گھر کی رکھوالی کے لئے صرف ایک نوکر تھا۔ گھر کے افراد بیماری سے محفوظ رہنے کے لئے کسی کھلی جگہ رہائش کے واسطے چلے گئے تھے۔ طے یہ ہوا تھا کہ ایک ڈاکو جس کا نام بلیک فیس تھا آہستہ سے دروازہ پر دستک دے گا۔ اور التجا کے لہجے میں رات گزارنے کے لئے پناہ مانگے گا۔ جب دروازہ کھلے گا تو باقی ڈاکو بھی اندر گھس آئیں گے اور نوکر کو مار ڈالیں گے۔ پھر گھر کی تمام قیمتی چیزیں لوٹ لیں گے۔ جس رات انہیں وہ مکان لوٹنا تھا۔ بلیک فیس نے بہت سی شراب پی۔ اور بجائے اس کے کہ دروازہ پر آہستہ سے دستک دے دی جائے چلانا شروع کر دیا کہ "دروازہ جلد کھولو ہمیں چابیاں دیدو ہم تمہیں تمہاری ڈیوٹی سے نجات دلانے آئے ہیں۔"

نوکر نے جس کا نام آدم تھا۔ اوپر کی کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔ اور دھیمی آواز میں بولا۔ "تم چند گھنٹے ٹھہر کر آنا۔ پھر تم مجھے مُردہ پاؤ گے تمہیں چابیاں مل جائیں گی۔ پھر لوٹ لینا۔" بلیک فیس نے چلا کر کہا۔ "ہمیں تمہارے مشورہ اور نصیحت کی ضرورت نہیں۔ دروازہ کھولو ورنہ ہم آگ لگا دیتے ہیں۔"

آدم نے جواب دیا "تمہیں اس کی ضرورت نہیں مگر جو کچھ کہتا ہوں وہ سن لو [illegible] بغیر کسی ہتھیار کے اکیلا ہوں اور [illegible] کو اپنی جان سے [illegible] خطرناک [illegible] یہ [illegible]

دلایا اور کہا "ہمیں ڈاکہ زنی سے روکنے کے لئے یہ اس کی چال ہے" تم نے ڈاکوؤں کی بحث سن لی تھی۔ اس نے پھر کہا "[illegible] اور میں کل تک زندہ بھی نہ رہوں گا۔ دروازہ میں تمہیں خود کھولے دیتا ہوں۔ مگر اچھا ہے کہ مجھ سے پرے رہنا تاکہ تم پر میری بیماری کا اثر نہ ہو جائے۔ گھر میں ایک چھوٹی مُردہ لڑکی بھی ہے۔ جسے کھیلتے کھیلتے طاعون نے آ دبوچا تھا۔ وہ ابھی دفنائی بھی نہیں گئی۔" یہ کہہ کر آدم نے دروازہ کھول دیا۔

بتی کی روشنی میں ڈاکوؤں نے دیکھا کہ واقعی ہال میں میز پر ایک چھوٹی سی لڑکی کفنی میں لپٹی پڑی تھی جس کے سر پر رومال بندھا ہوا تھا۔ اور آنکھوں کے گرد کالے حلقے تھے جو طاعون کی علامت تھی۔ جب ڈاکوؤں نے لڑکی کو دیکھ لیا۔ تو آدم نے چابیاں ان کی طرف بڑھائیں۔ ڈاکوؤں کو اب وہ چابیاں سانپ اور بچھو معلوم ہونے لگے۔ اور انہیں موت نظر آنے لگی۔ وہ اپنی بدقسمتی پر ملامت کرتے ہوئے واپس مڑے۔ آدم نے کہا۔ "تم یہاں قتل اور ڈاکہ زنی کے لئے آئے تھے۔ مگر میں تمہیں بہ حیثیت ایک عیسائی نہ صرف معاف کرتا ہوں۔ بلکہ اس بات کی بھی نصیحت کرتا ہوں کہ اب تمہیں اس چھوت سے چھٹکارا کیسے مل سکتا ہے۔ کیونکہ تم یہاں کافی دیر ٹھہرے ہو۔ میں تو اب مر رہا ہوں۔ مگر تم یہاں سے سیدھے لیسٹن سٹون میں جاؤ جہاں چمڑہ صاف کیا جاتا ہے۔ اور کافی دیر چمڑہ کی بو میں رہو۔ تو پھر یہ بیماری کچھ اثر نہ کرے گی۔" یہ کہہ کر آدم ایک ہیبت ناک آواز میں کراہا۔ یہ سنکر ڈاکو جلدی سے بھاگے۔ اور چمڑے کے صحن میں جا کر دم لیا۔ وہ لمبے لمبے سانس لیتے رہے تاکہ چمڑے کی بو اچھی طرح ان کے جسم میں داخل ہو اور طاعون کے جراثیم مر جائیں۔ انہیں اس طرح بیٹھے آدھ گھنٹہ گزرا ہوگا کہ چند آدمی روشنی لئے ان کی طرف آتے معلوم ہوئے۔ انہوں نے خیال کیا کہ یہ ضرور چمڑہ کا مالک اور اس کے آدمی ہوں گے۔ اس خیال سے کہ بغیر اجازت صحن میں آنے کی معافی مانگنے لگے تھے۔ او [illegible]

مالی کی بیٹی

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

راجکماری نرملا کو اس کوٹھی شسندر لاج میں رہتے چار مہینے گزر چکے تھے۔ ڈاکٹر صاحب تو ان کی نگرانی کے خیال سے کہ وہ تنہا ہیں۔ ان کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ راجکمار کیلاش صاحب بھی روزانہ دو وقت راجکماری کو وائلن سکھانے کے لئے آتے ہیں۔ چونکہ رات کے گیارہ بارہ بجے تک گانے باجے کا سلسلہ رہتا ہے۔ وہ اکثر شب کا کھانا بھی یہیں کھاتے ہیں۔ کیلاش صاحب خوبصورت دراز قد خوش طبع اور قابل جوان ہیں۔ شاید بیس تیئیس سال کی عمر ہوگی وہ راجکماری کے ہم رتبہ اور موسیقی کے استاد ہیں۔ لیکن دونوں کے آپس میں دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے ہیں۔ وہ راجکماری سے بہت بے تکلفی اور محبت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ جو راجکماری نرملا کو ناگوار نہیں معلوم ہوتا۔ مگر وہ متعجب ضرور ہیں کہ کیلاش نے یہ سنکر بھی کہ راجکماری شادی شدہ ہیں پھر یہ طریقہ کیوں اختیار کیا۔ وہ ان کے کیریکٹر پر بھی کچھ شبہ نہیں کرسکتیں۔ کیونکہ وہ نہایت قابل سمجھدار اور نیک اطوار معلوم ہوتے ہیں۔ اور ڈاکٹر صاحب بھی ان کو پسند کرتے ہیں۔ اور کوئی روک ٹوک نہیں کرتے وہ تنہائی میں گھنٹوں سوچا کرتی ہیں کہ ڈاکٹر صاحب بھی مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں بمثل اپنی چھوٹی بہن یا بیٹی کے چاہتے ہیں۔ اب چھوٹا بیٹھے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے دلی محبت رکھتا ہے اور مجھ کو بھی اس سے ہمدردی ہے۔ لیکن معلوم نہیں کیلاش صاحب کا خیال میرے دل میں کیوں رہتا ہے؟ مجھ کو تو ان سے ناخوش ہونا چاہئے کیونکہ ایک شادی شدہ لڑکی سے محبت کرنا ہرگز شرافت نہیں۔ لیکن راجکمار تو نہایت شریف شخص ہے۔ نہ معلوم اس کا ابھی کیا نتیجہ کیا ہوگا۔ کہیں میرے ڈاکٹر صاحب ناخوش نہ ہو جائیں۔ مگر یہ لڑکی بہت عجیب تھی۔ ابھی ایک افسوسناک و قابل ندامت [illegible] اب یہ دوسرا گل کھلا۔ وہ ابھی سوچ میں تھیں [illegible] پڑی تھیں کہ سامنے [illegible] [illegible] کی طرف آتے ہوئے نظر آئے۔ وہ جلدی

اٹھ بیٹھیں اور کہا "مسٹر کیلاش آج تو آپ بہت ہی جلدی تشریف لے آئے؟" "جلدی نہیں چار بجے والے ہیں۔ دن کا کھانا تو یہاں سے مل ہی جاتا ہے۔ کچھ سوچا کہ چائے بھی پی لیں۔ وہاں تنہائی میں کچھ اچھا نہیں لگتا" راجکماری نے سوال کیا "تو آپ ریاست چھوڑے اتنے دنوں سے یہاں پڑے کیوں ہیں؟ اب گھر جانا چاہیئے۔" "جانا تو ضرور چاہیئے لیکن جی نہیں چاہتا آپ اچھی طرح وائلن بجانے لگیں، تب واپسی کا خیال کیا جائے" "میرے وائلن کا کیا ہے کوئی اور استاد مقرر کر جایئے آپ کے گھر والے تو شاید فکرمند ہوں گے؟" "فکرمند ہوں گے لیکن ماتا جی پر کام کی بہت زیادتی ہوگی۔ میں وہاں رہتا ہوں تو ان کو اس قدر کام نہیں کرنے دیتا۔" "کیلاش صاحب آخر آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ جو آپ کو اور ماتا جی کو آرام ملے؟" یہ سنکر پہلے ایک ٹھنڈا سانس لیا۔ پھر آسمان کی طرف دیکھا اور کچھ خاموشی کے بعد جواب دیا "وہ دن تو ابھی بہت دور ہے یا شاید ناممکن بھی ہو" یہ سنکر راجکماری سنبھل کر بیٹھ گئیں اور سوال کیا "کیوں کیوں آخر اس قدر ناامیدی کس وجہ سے؟ کیا آپ بھی کسی جگہ شادی کرنا چاہتے ہیں، جو آپ کے شایان شان نہیں؟ ویسے تو آپ اکلوتے فرزند اور والئی ریاست ہیں۔ رانی صاحبہ کو آپ کی شادی کی کس قدر تمنائیں نہ ہوں گی؟" "ضرور ہوں گی مگر مشکل یہ درپیش ہے کہ جس کو میں اپنی رفیق زندگی بنانا چاہتا ہوں۔ میں بدنصیب اس کے شایان شان نہیں۔" "کیا وہ کسی بہت بڑی ریاست کی راجکماری ہے؟" "ریاستیں تو دونوں برابر ہیں لیکن وہ راجکماری صاحبہ ایک تعلیم یافتہ مغرور اور سمجھدار [illegible] مجھ کو امید نہیں کہ زندگی میں شادمانی و کامرانی نصیب ہو سکے۔ [illegible] اچھے وقت میں آپ نے یہ قصہ چھیڑ دیا [illegible] میں بھر جائے نہیں۔ وہ دیکھئے کہیں [illegible] ہونے والی [illegible] [illegible] گے اور اس

[illegible]

[illegible] ہوئی [illegible]

جاسکتے ہیں بچے پھر بتا ئیں گے " انہوں نے کنگھی بجائی [illegible] حاضر ہوئی تو [illegible] کھانا لانے کو اور ڈاکٹر صاحب کو بلانے کو کہا۔ فوراً ہی چائے آگئی۔ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب ابھی سو رہے ہیں۔ ان دونوں نے چائے پی۔ کیلاش صاحب نے بتایا " کہ آج میں نے دن کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ اسی وجہ سے بیتابی تھی۔ یہاں آپ دونوں کے ساتھ کھانے کی ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ اب تنہائی میں بالکل کھایا ہی نہیں جاتا۔ اور اتفاق سے کسی وقت سیٹھ صاحب اور سروجنی بھی موجود ہوتے ہیں۔ تو اور بھی اچھا معلوم ہوتا ہے " راجکماری نے ہنس کر کہا " اچھا تو اب آپ دن کا کھانا بھی یہیں کھایا کیجئے سروجنی کو بھی بلا لیا کریں گے۔ کاش اسی سے آپ کا غم غلط ہو سکے " " آپ کا یہ خیال غلط ہے اور یہ کوشش بھی بیکار ہے جو غم تو ہمیشہ کے ساتھ ہے " " مگر میں تو آپ کو کئی ماہ سے یہاں کافی خوش دیکھ رہی ہوں۔ اس وقت معلوم ہوا کہ آپ دل شکستہ ہیں " " آپ کا یہ خیال درست ہے۔ میرا جتنا وقت آپ کے ساتھ گزرتا ہے بہت اچھا گزرتا ہے۔ کوئی سمجھ نہیں سکتا کہ میں دکھی ہوں۔ یہاں تک کہ میں خود بھی گزشتہ آلام کو بھول جاتا ہوں۔ خدا آپ کو خوش رکھے اور اس دنیا میں ہمیشہ کامران کرے۔ آپ کی دوستی و محبت میرے لئے ایک بڑی نعمت ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ مجھ کو آپ سے اس قدر اُنسیت کیوں ہو گئی ہے۔ اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ کے محافظ و نگران ڈاکٹر صاحب بھی ہماری دوستی کو ناپسند نہیں کرتے ورنہ زندگی دشوار ہو جاتی۔ راجکماری معاف کرنا میں یہ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ میری زندگی آپ سے علیحدہ ہو کر دشوار معلوم ہوتی ہے نہیں کہہ نہیں سکتا کہ اب مجھ کو کیا کرنا چاہیئے میں گھر جانے کا خیال بھی نہیں کر سکتا [illegible] وقت تک اور اسی طرح آپ کو دائمی [illegible] اگر [illegible] وقت یہیں گزار دوں تو ممکن ہے کہ ڈاکٹر صاحب ناپسند کریں [illegible] ناپسند کیا جائے " مسٹر کیلاش کے [illegible] دوستی [illegible] باوجود [illegible] ہو گئی تھیں [illegible]

خاموش تھیں کیلاش بھی کچھ پریشان سے ہو گئے اور کہنے لگے " پھر کیا آپ ناراض ہو گئیں؟ میں نے تو اس دوستی اور عنایت کے بھروسے پر جو آپ مجھ سے کر رہی ہیں۔ اپنے دلی خیالات بیان کر دیئے اگر آپ کو ناگوار گزرا تو معاف کر دیں میں نے خود مجبور و بیتاب ہو کر ایسا کیا " راجکماری نے اوپر کو سر اٹھا کر پُرنم آنکھوں سے کہا۔ لیکن - - - کیا ڈاکٹر صاحب نے میری زندگی کی ٹریجیڈی سے اب تک آپ کو آگاہ نہیں کیا؟ آہ میری پُر حسرت درد انگیز داستان آپ کسی وقت ڈاکٹر صاحب سے سُن لیں، پھر آپ کو اپنے یہ خیالات دل سے نکال دینے پڑیں گے " " راجکماری مجھ کو سب معلوم ہے۔ آپ کی افسوسناک حالات زندگی سے میں بخوبی واقف ہوں۔ ڈاکٹر صاحب تو مجھ سے کہتے رہتے ہیں کہ اس غمزدہ لڑکی کو ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کرو بیچاری اپنے ماں باپ سے ریاست سے علیحدہ ہے۔ اور ہمیشہ کے لئے دکھی " " پھر کیلاش صاحب ایسی بدقسمت لڑکی سے دوستی کر کے آپ کو کیا حاصل ہوگا۔ سوائے اس کے کہ دنیا بدنام کرے۔ اور بلاوجہ ہم سماج کے گنہگار ٹھہرائے جائیں۔ ڈاکٹر بیچارے کا کیا ہے۔ وہ ہر حال میں میرے ہمدرد ہیں۔ لیکن ہر کام کا پہلے انجام سوچ لینا چاہیئے " یہ کہتے ہوئے وہ اٹھیں۔ اور کیلاش صاحب بھی۔ اور باہر آکر بادلوں کی طرف دیکھنے لگے۔ آیا آئی اور چائے اٹھا کر لے گئی اور دامن رکھ گئی۔ (باقی آئندہ)۔

نذر سجاد حیدر

قاصد

اس کو صرف اپنے فرض کا احساس ہے۔ صبح سے شام تک تمام دنیا سے بے خبر لیکن دنیا کی خبروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے۔ دیکھو تو چلا آ رہا ہے۔ کوئی انتظار کرے یا نہ کرے۔ سردی ہو یا گرمی کہر ہو کہ بارش۔ قدرت کے تند عناصر اس کو کبھی نہیں روک سکتے اگرچہ ہزاروں کے لئے خوشی اور غم کا باعث ہوتا ہے۔ مگر اس کو کیا کوئی خوش ہو یا رنجیدہ اس کو تو اپنا فرض انجام دینا ہے۔

ایس۔ بی۔ طاہرہ پشاور

پڑھے لکھوں کی جہالت

[illegible] مصنف کے ایک افسانہ سے

(۱) [illegible] سے ٹاٹ پر دری بچھا کر اس پر چاندنی بچھا کر اور چاندنی پر قالین ڈال کر کمرہ کو آراستہ پیراستہ کر دیا۔"

ب "ہم اسکے ساتھ بمعہ اپنے سامان کے روانہ ہو گیا۔"

ج "ایسی بات [illegible] لڑکی . . . آنکھوں کے کھنڈرات ہیں . . ."

د "اب اس نے ایک آنے کے گرم دہی بڑے خریدے اور . . ."

(۱) "پیراستہ" لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ "پیراستہ کرنا" نہیں "آراستہ کرنا" ظاہر کرتا ہے۔ زیب و زینت یا زیبائش کے دو طریقے ہیں۔ بدنما یا غیر ضروری چیزوں کا علیحدہ کرنا یا ہٹانا۔ ایک طریقہ تو یہ ہے اور دوسرا کسی چیز کے یا چند چیزوں کے اضافہ سے دلکشی بڑھانا۔ انگنائی، دالان یا کمرہ میں جھاڑو دینا یا ادھر ادھر جو چیزیں بکھری پڑی ہیں انہیں ہٹا دینا۔ چھت کے جالے لینا۔ برتنوں پر سے داغ دھبے دور کرنا۔ ناخن کترنا۔ بال کتروانا یہ سب صورتیں ہیں "پیراستہ کرنے" کی۔ مہندی لگانا ناخن پینٹ کرنا۔ کریم ملنا۔ پاؤڈر یا سرمہ لگانا۔ زیور پہننا۔ تکیہ پر غلاف چڑھانا۔ چاندنی پر قالین بچھانا۔ دروازوں پر پردے ڈالنا۔ مکان میں سفیدی کرانا یہ سب "آراستہ کرنے" کی صورتیں ہیں۔ (۲) ایک فقرہ میں تین بار لفظ "کر" ہی نہیں (۳) "دری پھیلانا" اور (۴) آراستہ ظاہر کرنے کے لئے قالین "ڈالنا" سخت ناگوار معلوم ہوتا ہے۔

[illegible] گر کمرہ میں بچھائی جاتی ہے۔ [illegible]

[illegible]

ہیں۔ مگر وہ [illegible] گرم گرم نہیں ایسے [illegible] گرما گرم [illegible]

ایک ادبی رسالے کے ایک مضمون سے

(۱) نہ ہی کھانا کھایا نہ ہی خاموشی کی وجوہات بتائیں۔

(۲) خواہ کیا ہی حالت کیوں نہ ہو۔

(۳) اس نے مجھے دس روپیہ دیئے ہوئے ہیں۔

زبان کے لحاظ سے تینوں فقرے غلط ہیں۔ اس طرح لکھنے چاہئیے تھے۔

(۱) کھانا کھایا نہ خاموشی کی وجہ بتائیں۔

(۲) کیسی ہی حالت کیوں نہ ہو جائے۔

(۳) اس نے مجھے دس روپے دے رکھے ہیں۔

ج نے جو ایک کالج میں اردو کی لکچرار ہیں اپنی بچی کو بتایا کہ "ماسکو روس کا دارالخلافہ ہے۔"

ایک ادبی رسالہ میں "دارالخلافہ" پر یہ اعتراض ہوا تھا کہ خلافت ہی نہیں رہی تو دارالخلافہ کیسا" گویا یہ کہنا صحیح ہے کہ قسطنطنیہ سلطنت ترکی کا دارالخلافہ تھا" مگر یہ کہنا صحیح نہیں کہ "انقرہ جمہوریہ ترکی کا دارالخلافہ ہے" لیکن اگر خلافت قائم تھی جب بھی "کیپٹل" کا ترجمہ دار [illegible] غلط ہے۔ خلافت رہنے یا نہ رہنے سے ماسکو یا روس کا تعلق کیا؟ دارالخلافہ کی بجائے دارالسلطنت یا دارالحکومت [illegible] مثلاً لندن انگلستان کا دارالسلطنت [illegible] حکومت دہلی ہے۔

[illegible] چاندنی کی شکل [illegible]

خانہ داری

(جس میں بناؤ سنگھار کے علاوہ آرائش بھی شامل ہے)

پروکسائیڈ کے چند قطرے ڈالو۔ پروکسائیڈ آف ہائیڈروجن جیسی مفید چیز ہر گھر میں رکھنا ضروری ہے۔ یہ کئی کام آتی ہے اگر آپ کے کان میں پانی جانے سے میل پھول کر جم گیا ہو۔ اور تکلیف دے رہا ہو، نرم پڑ جاتا ہے اور نکل جاتا ہے۔ اسے چند گھنٹے کان میں پڑا رہنے دیا جائے۔ بعد میں ابلا ہوا گرم پانی پچکاری کے ذریعہ نرمی سے کان میں پہنچایا جائے۔ اس پانی میں پہلے ایک چٹکی بائی کاربونیٹ آف سوڈا (یعنی کھانے کا سوڈا) ملا لیا۔ اگر ایک دفعہ میں تکلیف دور نہ ہو۔ تو یہ عمل دوبارہ کیا جائے۔

پروکسائیڈ سے جلد کی کھال کی سمیت بھی دور کی جا سکتی ہے اور خون کی خرابی سے جو دھبے جلد پر پڑ جایا کرتے ہیں جاتے رہتے ہیں صاف صرف ذرا کم اور صرف اسی جگہ لگایا جائے جہاں داغ ہوں کیونکہ کثرت سے لگانے سے جلد کو خشک کر دیتی ہے۔ سگرٹ یا حقہ پینے والوں کی انگلیوں پر پیلے پیلے دھبے پڑ جایا کرتے ہیں اسے نرم روئی سے دھبے کے مقام پر رگڑا جائے اور دھبے کے مقام پر ہی لگایا جائے۔ پندرہ منٹ اسے لگا رہنے دیا جائے پھر ٹھنڈے پانی سے دھو دیا جائے۔ اس کے بعد ہاتھوں پر کولڈ کریم ملنی چاہیئے۔ اور پھر معمولی طریقہ کے مطابق انہیں دھو لیا جائے۔ اگر دھبے زیادہ عرصے سے قائم ہیں تو یہ عمل چند بار کرنا پڑے گا۔ تب وہ بالکل جاتے رہیں گے۔

کان تک جا پہنچتی ہے۔ جس طرح ایک شخص کا صرف ایک پہلو آپ کو نظر آنے لگتا ہے۔ کوئی یہ کوشش نہیں کرتا کہ اس غریب کی پوری تصویر دیکھی جائے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی کے متعلق خیال کر لیا جائے کہ اس کی ایک آنکھ ہے۔ ایک کان ایک ہاتھ۔ اور ایک ٹانگ۔ گویا نصف آدمی ہے۔ اور یہ بالکل فضول اور لغو خیال ہے۔ جس پر سب کو ہنسی آئے گی۔ تعجب ہے کہ کسی شخص کی صرف برائی سن کر اسے عیب دار سمجھ لینا کیوں ہنسی آنے کا باعث نہیں ہوتا۔ اس دنیا میں انسان آباد ہیں کسی کی تصویر دو رخوں سے خالی نہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ دونوں رخ کسی شخص کے دیکھے جائیں۔ اور یہ اسی وقت میسر ہو سکتا ہے۔ کہ ہم خوب بات چیت کریں۔ جس سے اصل کیفیت خود بخود عیاں ہو جائے گی۔ اور برائی کی بنیاد معلوم ہو جائے گی۔

آرام سے خوبصورتی

جس طرح استعمال میں آنے والی چیزیں کی مرمت ہو جانے سے وہ قابل کار ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح آرام لینے سے ہم درست ہو جاتے ہیں اسی پر آئندہ کی صحت اور موجودہ خوبصورتی کا انحصار ہے عام طور سے عورتوں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ ہفتوں مہینوں برابر کام کئے چلی جاتی ہیں۔ اور تھک کے آرام لینے کو فضول سمجھتی ہیں۔ یہ بری عادت ہے جب کسی خاص ضرورت سے کسی کام پر خاص طاقت اور محنت صرف ہو تو آپ کو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ قدرت کس طرح آپ کی مدد کرتی ہے۔ آپ کو خود تعجب ہوگا کہ آپ کیونکر اس تمام محنت و مشقت برداشت کرنے کے قابل ہیں۔ آپ خوش ہوتی ہیں کہ آرام نہ لینے کے باوجود آپ کو زیادہ کام میں مزا آتا ہے اور آپ کو کسی قسم کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی مگر جب وہ کام کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ آپ کو بالکل تھکن [illegible] معلوم ہونے لگتی [illegible]

بات چیت

عورتیں بات چیت کی بہت شوقین ہوتی ہیں۔ جہاں چند عورتیں [illegible] شروع ہو گئی لیکن نازک دماغ عورتوں کو [illegible] ہیں۔ کہ چلا۔ عام [illegible] غور سے دیکھا جا [illegible] مختلف ہوتا [illegible] معلوم ہوا۔ یہ [illegible] اسی پر [illegible]

اصلاً یہ ہوتا ہے کہ آپ آرام کرو کیونکہ [illegible] ہو چکا ہے۔ اگر آپ نوجوان اور تندرست ہیں۔ تو تھوڑے [illegible] ہو جاتی ہیں۔ لیکن اگر آپ کی عمر زیادہ ہے یا آپ کی صحت درست نہیں۔ یا آپ عصبی مزاج کی بی بی ہیں۔ تو آپ اپنے جسم کی کمی مکمل طور پر پوری نہیں کر سکتیں اسی لئے اطبا ہمیں روزمرہ کام کے ساتھ ساتھ آرام لینے کی تاکید کیا کرتے ہیں۔ کہ محنت کے زمانے کے بعد ہفتہ دو ہفتہ ہم مکمل آرام کر لیا کریں تاکہ صحت درست ہو سکے ہم میں بحالی پیدا ہو۔

آرام لینے کی بھی ایک ترکیب ہے۔ اور جب ہمیں یہ آ جائے تو پھر ہمیں آرام لینا معلوم بھی نہیں ہوتا۔ یہ خیال سے شروع ہوتی ہے۔ خیال یہ ہونا چاہیئے۔ مجھے ذرا آرام لینا ضروری ہے۔ دوسری ضرورت یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ کس قدر خستہ و ماندہ ہیں۔ سر چکرا رہا ہو، بدن دکھ رہا ہو، دل سست ہو لیکن یہ ظاہر ہے کہ آپ کو آرام کی سخت ضرورت ہے۔ اس صورت میں آپ کو آرام لینے سے پہلے چند حرکات کی ضرورت ہے۔ ماہروں نے ایسی حالت میں تھکے ہوئے اعضا کو اور تھکانے کی حرکات کرنے کی ہدایت کی ہے مثلاً بستر پر چت لیٹ جائیں۔ سر کے نیچے تکیہ رکھ لیں۔ اور بانہیں جسم کے متوازی، اپنی کلائی پر سہارا دے کے جسم کو اس طرح اٹھائیں کہ محراب بن جائے حتیٰ کہ آپ کو ریڑھ کے دونوں طرف دکھ معلوم ہونے لگے۔ ایک منٹ ٹھہر کے دھڑام سے گر پڑیں۔ اور بانہوں کو جہاں وہ گریں گر جانے دیں اسی وقت آپ کی کمر اور کندھوں کو ڈھیلا پن معلوم ہونے لگے گا اور آرام آ جائے گا۔ مڑنے والے پٹھوں کی ابتدا پیٹ کے خوب اندر سے کمر کی واقع ہوتی ہے۔ ان کے تھکنے سے رانوں، ٹھوڑی اور گردوں اور [illegible] کے مقام پر تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے۔ مندرجہ ذیل ورزش [illegible] میں سخت معلوم ہوگی۔ یہ جاتی رہے گی۔ اس کے لئے [illegible] زمین یا سخت فرش پر چت لیٹ جائیں [illegible]

[illegible] ہیں ڈال دیں۔ رسی ڈھیلی [illegible] کے لئے اچھی جگہ حاصل کر سکتے ہیں جب بدن ڈھیلا ہو جائے [illegible] گے تو آنکھیں بند کر کے اپنے دل سے کہیں [illegible] آدھ گھنٹے کے لئے [illegible] کچھ ہی ہوتا رہے مجھے آرام لینا ضروری ہے اور خیالات سے دماغ کو خالی کر دیں۔ ہر روز سہ پہر کو تین بجے کے قریب بالکل بے فکر ہو کے آرام کرنے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔

آئینہ دیکھنا

عورتوں کو بیشتر آئینہ دیکھنا نہیں آتا کہ جس میں چہرہ کا عکس پڑا۔ آنکھ سے آنکھ ملائی تسلی ہو گئی چہرہ ٹھیک ہے۔ آئینہ دیکھنا بھی ایک فن ہے اور اسے خوبصورتی سے نبھایا جا سکتا ہے لیکن یہ فی زمانہ عورتوں کی ایک بے معنی روزمرہ کی عادت ہو گئی ہے۔ آئینہ میں صداقت کا عکس دیکھنا چاہیئے۔ آئینہ ہی وہ ذریعہ ہے جو چپ چاپ ذاتی نقائص کو ظاہر کر دیتا ہے جن کے دور کرنے کی طرف فوراً توجہ کرنی چاہیئے۔ اور ان خوبیوں کو بھی بتلا دیتا ہے جن کو قائم رکھنے کی ضرورت ہے آئینہ محض دل خوش کرنے اور ذاتی خوشامد کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ آئینہ کا مقصد یہ ہے کہ دیکھنے والا غور سے اپنے خدوخال کا مطالعہ کرکے اپنی دلکشی و زیبائش بڑھائے۔ آئینہ میں اپنے دہن، ہونٹ اور جبڑے کے خطوط کو بولنے چالنے کے انداز و آن بان کو چلنے پھرنے اور طرز و طریقہ کو بیٹھنے کے وقت دیکھنا اور اس پر غور کرنا چاہیئے۔ چھت میں تیز روشنی کا بلب لٹکا کے آئینہ پر کافی وافی روشنی ڈال کے اپنا چہرہ وغیرہ دیکھنا چاہیئے۔ روشنی کی تیزی میں معلوم ہو جاتا ہے کہ جلد کے کن مقامات میں نکھار کی کمی ہے اور پاؤڈر وغیرہ خوشنمائی سے نہیں لگائے گئے اور آیا سنگھاری مقامات کو بالوں کی [illegible] ہے یا نہیں اور آیا [illegible] اس حالت میں [illegible]

میدان روس

جنگی فوجیں روس کے میدان کارزار سے برابر پیچھے ہٹتی چلی جا رہی ہیں جرمنی کے
سرکاری حلقوں میں بیان کیا جاتا ہے اوریل خارکوف تیگن روگ
اور سمولنسک اگر وقت پر خالی نہ کر دیئے جاتے تو گو یہ مقامات عرصہ
تک قبضہ میں رکھے جا سکتے تھے مگر جرمن فوجوں کا نقصان زیادہ
تھا سو وہ گھر کے تباہ ہو جاتیں جیسے کہ معرکۂ اسٹالین گراد میں ہوا کہ
ساری فوج کٹ کٹ کر مر گئی اور سپہ سالار بھی اس قدر زخمی حالت
میں اسیر ہو سکا کہ وہ چل پھر نہ سکتا تھا۔ اب روسی فوجیں پولینڈ اور بالٹک
ریاستوں سے کچھ فاصلہ پر ہی ہیں جرمنوں نے کریمیا میں جزیرہ نما تمان خالی
کر دیا ہے۔ گومل اور کیو تقریباً فتح ہو چکے ہیں زیفورورسے بھی جرمنوں
کے ہاتھوں سے نکل چکا ہے۔ نیپرو پٹروسک جہاں کا عظیم الشان بند
روسیوں نے بھاگتے وقت بارود سے اڑا دیا تھا اور جس کی وجہ سے یوکرین
کے زرخیز میدانوں کی آبپاشی ہوتی تھی اور جس کے متعلق روسی انجینئر کہتے
تھے کہ جرمن ڈھائی برس تک اس کی مرمت نہیں کر سکتے اب روسیوں
کے قبضہ میں آیا چاہتا ہے۔ صاف معلوم ہو رہا ہے کہ جرمن اب روسی علاقہ
جلد ہی چھوڑنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ رومانیہ میں اس سے گھبراہٹ
پھیل رہی ہے کیونکہ روس کے خلاف جنگ سے پہلے روسیوں نے اس
کے دو صوبوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور جرمنی اسے دوست بنائے رکھنے کی
وجہ سے دم نہ مار سکا تھا۔ پولینڈ بھی اضطراب کی حالت میں ہے۔ کیونکہ
انگریزوں نے اسی کی وجہ سے اس جنگ میں کودنے کی آفت مول لی
اگر جرمنوں سے اسے بھی خالی کرا لیا اور روس جیسا کہ وہ کچھ عرصہ ہوا اپنا
مطمح نظر بیان [illegible] پولینڈ [illegible] رہ جائیں گے
چنانچہ [illegible] ہو جائے گا۔ [illegible]
[illegible] جو روسیوں
کو اتنا [illegible] بات [illegible] بالٹک کی
سرحدوں [illegible] کی لڑائی [illegible]
رہیگی۔ [illegible]
[illegible]

اٹلی کی جنگ

میں ۲۴ ہزار ڈالر سالانہ ۳ سال تک زیادہ دینے کا اقرار کیا ہے۔ [illegible]
ہے کیا فن لینڈ سے صلح ہو گئی ہے؟

نیپلز فتح کر لینے کے بعد اتحادی فوجیں برابر بڑھتی
چلی جا رہی ہیں۔ خبروں سے معلوم ہوتا ہے
کہ جرمن روما کو آسانی سے خالی نہ کریں گے۔ بلکہ اس کا محاصرہ کئے جانے
کے لئے تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس صورت میں ممکن ہے کہ وہ پوپ کو کسی
اور مقام پر منتقل کر دیں۔ پوپ جرمنوں کی اس چیرہ دستی سے خوش نہیں
مگر اسیری کی وجہ سے اس کی زبان بند ہے۔ مسولینی اپنی وزارت مرتب
کر چکا ہے اور اس نے اپنا مستقر سرحد جرمنی کے قریب بنا لیا ہے
وہیں وہ نیا ہوائی دستہ تیار کر رہا ہے۔ حکومت بدولیو نے شاہ عمانوئیل
کے حکم سے اٹلی کی جانب سے جرمنوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے
اتحادیوں نے اسے شریک جنگ کی حیثیت دیدی ہے مگر سلاو والے
اس بات سے ناراض ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس ظالم نے اس جنگ میں آ ان کو
تختۂ مشق بنایا ہو ہرگز اس قابل نہیں کہ اسے اپنا رفیق جنگ بنایا جائے۔
ماہرین کا خیال ہے کہ جنگ سے اتحادیوں کو کوئی مادی فائدہ نہیں پہنچ سکتا
البتہ اٹلی کے اپنے سابق رفیق کے جنگی راز اتحادیوں کو بتا کر فائدہ
پہنچا سکتے ہیں۔ گو اس کے متعلق بھی انہیں شبہ ہے کیونکہ کچھ عرصہ سے
جرمنوں کو اطالویوں پر اعتبار نہیں رہا تھا۔ اس لئے جس طرح وہ آج کل
اپنے ساتھی اطالویوں سے اہم جنگی معاملات پوشیدہ رکھتے ہیں اسی طرح
ان دنوں اٹلی کو جنگی امور میں اندھیرے میں رکھے ہوئے ہوں۔ اطالویوں
کی جنگی قابلیت میں بھی ماہرین کو شبہ ہے۔ جرمنوں نے جزیرہ کارسیکا خالی کر دیا
ہے جس پر اطالویوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ اٹلی کے مقبوضات میں سے جزائر
[illegible] کے متعلق جرمنوں نے [illegible] جرمنوں نے قبضہ کر لیا تھا [illegible]
اٹلی کو ایک [illegible] جرمنوں [illegible]
[illegible] ہو جائیں گے [illegible]
[illegible]
ہے [illegible]

(اس پرچہ میں جس قدر مضامین شائع ہوئے ہیں ان سب کا کاپی رائٹ "بی بی عصمت" محفوظ ہے)

چھتیسواں سال	دسمبر ۱۹۴۳ عیسوی	جلد ۷۱ نمبر ۶

فہرست مضامین

جنوری ۱۹۴۴ء سے عصمت کا چندہ سالانہ پانچ روپیہ ہوگا (بذریعہ منی آرڈر) اور وی پی پانچ روپیہ چار آنے کا بھیجا جائے گا چندہ میں یہ اضافہ کاغذ کی بے حد گرانی اور نایابی کی وجہ سے کیا جا رہا ہے مفصل اعلان صفحہ ۲۵۹ پر دیکھئے۔

کتابوں کی قیمتوں میں اضافہ جیسا کہ نومبر کے عصمت میں اعلان ہو چکا ہے عصمت بک ڈپو کی بعض مطبوعات کی قیمتوں میں یکم دسمبر ۱۹۴۳ء سے اضافہ کر دیا گیا ہے۔ باقی کتابوں کی [illegible]

منیجر

بی بی زینبؓ

بی بی زینبؓ کا نکاح

بی بی زینبؓ کی ذہانت وذکاوت، فراست ومتانت۔ خوش مزاجی اور سلیقہ شعاری کا چرچا ان کے ہوشیار ہونے سے پہلے ہی ہو رہا تھا۔ جوانی کی منزل میں قدم رکھنا تھا کہ چاروں طرف سے پیغامات آنے شروع ہوئے۔ ایک پیغام کے متعلق ابن ابی الحدید نے نہج البلاغۃ کی شرح میں اس طرح لکھا ہے کہ بی بی زینبؓ کے ہوشیار ہونے پر قبیلۂ کندہ کے سردار ورئیس اشعث بن قیس نے حضرت علیؓ کو بی بی زینبؓ کے لئے پیام نکاح دیا۔ حضرت علیؓ کو اشعث بن قیس کے الفاظ ناگوار گزرے اور آپ نے جواب دیا "تجھ کو یہ جراءت کیوں کر ہوئی کہ تو مجھ سے اس قسم کی خواہش کرے۔ زینبؓ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی شبیہ ہے اور اُس ماں کا دودھ پیا ہے۔ جو دُنیا کی بہترین عورتوں میں سے تھی۔ تیری یہ لیاقت کہ تو اس کا شوہر بنے! قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر تو نے دوبارہ اس قسم کے الفاظ زبان سے نکالے تو تلوار سے تیری گردن اُڑا دوں گا۔ تو اور زینبؓ میں ہمکلامی۔ کہاں زمین کہاں آسمان۔"

ابن ابی الحدید نے شیرِ خدا سے جو الفاظ منسوب کئے ہیں۔ ہمیں ان سے اتفاق نہیں ملائم اور مناسب الفاظ میں حضرت علی رضؓ نے انکار کر دیا ہوگا۔ ایسے سخت الفاظ یقیناً خلقِ حیدری کے خلاف ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ اس واقعہ کو نہ بھول سکتے تھے کہ رسالتمآب نے ہجرت کے تیسرے سال اپنی پھوپی زاد بہن زینب بنت جحش کا نکاح اپنے غلام زید بن حارث سے کیا تھا اور ہمیشہ فرماتے تھے کہ تمول دلیلِ شرافت نہیں۔ خدا کے نزدیک آقا اور غلام سب برابر ہیں۔ اور یہ واقعہ بھی حضرت علی کے سامنے کا تھا کہ غلام حبشی حضرت بلال رضؓ کے قصدِ نکاح کے جواب میں مولانا شبلی نعمانی کے الفاظ میں

گردنیں جھک کے [illegible]تی تھیں کہ دل سے منظور
جس طرف اس عشقی زادہ کی اٹھتی تھی نظر

جس شخص نے رسول اللہؐ کے زیرِ سایہ تربیت پائی ہو جس کا خلق رسولؐ کا خلق کہا جائے جو اسلامی اخلاق کا مکمل نمونہ ہو۔ جس نے کئی کئی وقت کے متواتر اور مسلسل فاقوں کی حالت میں کبھی سائل کو نہ جھڑکا ہو۔ جس نے اپنی عملی زندگی سے برداشت اور ضبط کا سبق مسلمانوں کو سکھایا ہو، بیٹی کے پیامِ نکاح پر اس کی زبان سے ایسے سخت الفاظ ہماری عقل کام نہیں کرتی کہ کس طرح نکل سکتے ہیں!

حضرت عبداللہ بن جعفر سرورِ کائنات کے بعد حضرت علی رضؓ کی نگرانی میں رہے۔ ان کی خوش معاملگی، خوش اخلاقی۔ صداقت و دیانت اس پر ان کی سعادت مندی حضرت علی مرتضیٰ کے دل میں گھر کر چکی تھی۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ کسی تحریک سے۔ کسی کے ذریعہ یا خود بہرحال حضرت عبداللہ نے حضرت علی کو بی بی زینب کے لئے پیام نکاح دیا۔ ہمیں مورخین کی اس رائے سے قطعی اتفاق نہیں کہ عبداللہ نے زینب کے لئے اپنے چچا حضرت علی رضؓ سے خواہش کی تو اپنے بھتیجے کی درخواست فوراً منظور کر لی۔

اسلام میں نکاح کی پہلی اور سب سے ضروری شرط فریقین یعنی مرد وعورت کی رضامندی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اس واقعہ نظر انداز نہ فرما سکتے تھے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ کی تحریک سے وہ رسالتمآب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جناب فاطمہ رضؓ کے لئے اپنا پیام دیا تو رسول اللہؐ نے فرمایا میں فاطمہ رضؓ سے دریافت کر کے جواب دوں گا۔ اور جب حضور اکرمؐ جناب فاطمہ رضؓ کے پاس گئے تو فرمایا "علی رضؓ تیری خواہش لے کر میرے پاس آیا ہے" اور پھر بی بی فاطمہ رضؓ کی خاموشی پر یہ بھی فرمایا "فاطمہ رضؓ کی خاموشی اس کی رضامندی ہے"۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ حضرت علی جیسا عاشق اسلام اور عاشق رسولؐ اسلامی حکم کے خلاف بیٹی کی رضامندی حاصل کئے بغیر اس کا پیام نکاح جھٹ پٹ منظور کر لیتا۔ اس لئے قرینِ قیاس یہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ نے پیام نکاح دیا تو شیرِ خدا نے دو ایک روز بعد جواب دینے کا وعدہ فرمایا۔ اور اس عرصہ میں اگر براہِ راست

نہیں تو کسی ذریعہ سے بی بی زینبؓ کی مرضی معلوم کی اور جب ان کی رضامندی حاصل ہو گئی تو پیام بخوشی منظور فرما لیا۔

بی بی زینبؓ کا نکاح اسلامی سادگی کا بہترین نمونہ تھا۔ نہ آج کل کے سے تکلفات تھے۔ نہ دولہا دلھن کے گھروں میں عزیزوں اور دوستوں کا ہجوم تھا۔ خاندان کے چند بزرگ دولہا کو لے کر آ گئے اور مسجد میں خود حضرت علیؓ نے نکاح پڑھا دیا۔

ہندوستانی مسلمانوں کے بعض خاندانوں میں بیٹی کے نکاح کے وقت مجلس نکاح میں باپ کی موجودگی آج بھی معیوب خیال کی جاتی ہے۔ بیٹی کا ولی باپ سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے مگر والد بزرگوار ادھر اُدھر بچے بچے پھرتے ہیں۔ اور لڑکی کا بھائی یا چچا یا ماموں ولی بن کر نکاح پڑھواتے ہیں۔ حالانکہ دختر اسلام کے نکاح کی شان یہ ہے کہ بانیٔ اسلام اپنی بیٹی فاطمہ زہراؓ کا اور شبیر خدا اپنی بیٹی زینب کبریٰ رضؓ کا نکاح خود پڑھاتے ہیں!

گھر کی عورتوں نے نہلا دھلا کر بی بی زینب رضؓ کو آراستہ کیا بالوں میں کنگھی کی۔ کپڑوں میں بیک لیس بھی نہ گوٹا ٹھپہ۔ خوشبو لگائی اور خاندان کی عورتیں ان کو حضرت عبداللہ بن جعفر کے گھر پہنچا آئیں اور دوسرے دن حضرت عبداللہ بن جعفر نے دعوتِ ولیمہ کی۔

مہر

جس زمانہ میں بی بی زینب کا نکاح ہوا ہے۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کی مالی حالت اس قدر خراب اور خستہ نہ تھی جیسی اس وقت جب جناب فاطمہ کا نکاح ہوا تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ بی بی زینبؓ کے نکاح کا وہ زمانہ تھا جب اطراف و جوانب کے ملکوں سے کافی دولت سمٹ کر مدینہ میں جمع ہو گئی تھی۔ اور سب خوش حال تھے جناب عبداللہ بن جعفر کی مالی حالت اوسط سے بہتر اس وجہ سے بھی تھی کہ وہ تجارت کرتے تھے۔ اور مدینہ کے کامیاب تاجروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

ہندوستانی مسلمانوں میں ہزاروں لاکھوں روپیہ کا مہر غالباً فرض سمجھ کر نہیں رسم سمجھ کر باندھا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ دس فیصدی بھی مہر ادا نہیں کرتے۔ اور اچھی بیوی کی ایک خصوصیت یہ فرض کر لی گئی ہے کہ وہ اپنی خوشی سے مہر معاف کر دے۔ حالانکہ مہر ایک قسم کا قرضہ ہے۔ جس کی ادائیگی لازمی اور ضروری ہے اور جس کی رقم اپنی حیثیت کو ملحوظ رکھ کر مقرر کرنی چاہیئے۔ یعنی اتنا مہر ہو جو ادا کیا جا سکے۔ کلام اللہ میں ادائیگی مہر کی کئی جگہ تاکید ہے۔ "ان کے مہر ادا کرو جو واجبی ہیں۔" "عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ دیدو۔" اگر مہر حیثیت سے زیادہ باندھا جا رہا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا ادا ہونا مشکل ہے۔ اور جب مہر کی ادائیگی آسان نہیں تو ادائیگی کی رضامندی ظاہر کرنا دوسرے لفظوں میں ایک قسم کا دھوکا ہے۔ جو ڈنکے کی چوٹ دیا جاتا ہے۔ ایک طرف تو یہ کیفیت ہے اور دوسری طرف مہر فاطمی ثواب سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ جناب سیدہ کا جب نکاح ہوا ہے تو حضرت علی رضؓ کے افلاس کی یہ کیفیت تھی کہ پانی کا ایک ڈول کھینچتے تھے جب ایک کھجور ملتی تھی۔ اس لئے اب جو کھاتا پیتا خوش حال مرد ثواب کہہ کر مہر فاطمی پر نکاح کر رہا ہے وہ حقیقتاً بیوی کی وقعت گرا رہا ہے۔ اور اس کے اس نکاح سے اسلام کا یہ منشا پورا نہیں ہوتا کہ واجبی مہر سے عورت کے ایک ضروری حق کی حفاظت ہو جائے۔

بی بی زینب کے نکاح کی صحیح تاریخ کا جس طرح پتہ نہیں چلتا اسی طرح ان کے مہر کی رقم بھی معلوم نہ ہو سکی۔ جناب سیدہ کے مہر کی رقم مورخین کے تھوڑے سے اختلاف سے چار سو مثقال تھی مگر جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ اس وقت جناب علی مرتضےٰ ابہت عسرت کی زندگی گذار رہے تھے۔ اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن جعفر کی مالی حالت اچھی تھی اور چونکہ شرع کی رُو سے مہر حیثیت کے مطابق باندھا جاتا ہے۔ اس لئے بی بی زینب کا مہر چار سو مثقال سے یقیناً زیادہ ہو گا اسی سال یعنی ۱۷ھ ہجری میں بی بی زینب کی چھوٹی بہن بی بی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر رضؓ سے چالیس ہزار درہم پر ہوا۔ حضرت عمر رضؓ خلیفۂ وقت تھے۔ مگر بادشاہ نہ تھے۔ انہیں معمولی وظیفہ ملتا تھا اور اس وقت عبداللہ بن جعفر کی مالی حالت حضرت عمر رضؓ سے بہتر تھی۔ اس لئے قرین قیاس یہ ہے کہ بی بی زینب کے مہر کی رقم بی بی ام کلثوم کے مہر سے اگر زیادہ نہیں تو کم بھی نہ ہو گی۔ اور کم سے کم چالیس ہزار درہم مہر ہو گا۔ جو ہمارے حساب سے پونے نو ہزار روپیہ کے قریب ہوتا ہے۔

عرب میں بالعموم نکاح کے بعد ہی مہر ادا کر دیا جاتا ہے۔ اور اب تک وہاں یہ دستور ہے۔ اس لئے حضرت عبداللہ نے بھی نکاح کے بعد بی بی زینب کا مہر ادا کر دیا ہو گا۔

کوفہ کے بازار میں بی بی زینب رض کی تقریر

مغرب کی سمت، ناموسِ محمدؐ کی بے حرمتی کی تاب نہ لاکر آفتاب رُوپوش ہو رہا تھا کہ مشرق کی طرف سے لشکر عمر و سعد کی تلواروں کی چمک دمک شہر کوفہ پر پڑنی شروع ہوئی۔ یہ وہی کوفہ تھا۔ جس کی زمین نے کئی سال تک زینب بنت علی رضہ کے قدم سر پر رکھے اور پاؤں سے آنکھیں ملی تھیں۔ یہ وہی کوفہ تھا۔ جس کی خواتین سیدۃ النساء کی بیٹی کے مواعظ اور ارشادات پر پروانہ وار گرتی اور بیان سُن کر گھنٹوں روتی تھیں۔ اسی زمین کوفہ پر، آسمان کی گردش چشم کیا دکھا رہی ہے! وہی زینبؓ اس حالت میں داخل ہوتی ہیں کہ اونٹ کی ننگی پشت پر بیٹھی ہیں۔ کھلے چہرے پر بال پڑے ہیں اور کپڑے جھیر جھیر اور تار تار ہیں!

جب ننگی تلواروں کی نگرانی میں لُٹی ہوئی سیدانیوں کا قافلہ شہر میں داخل ہُوا۔ تو بازاروں میں۔ دوکانوں میں۔ دیواروں درختوں اور مکانوں کی چھتوں پر۔ مرد، عورتیں اور بچے اہلبیت نبویؐ کا تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ شہدا کے سر اور اہلبیت کی بے کسی دیکھ کر بعض عورتوں کے دلوں میں ہمدردی پیدا ہوئی اور انہوں نے بچوں کو کھجوریں دیں۔ تو بی بی زینب نے یہ کہہ کر پھکوا دیں کہ "صدقہ آلِ محمدؐ پر حرام ہے۔" اور جب بی بی زینب نے دیکھا کہ ان کے نانا کے کلمہ گو رسولؐ زادیوں کو گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں۔ تو للکار کر کہا "لوگو اپنی نظریں نیچی رکھو"

کوفی اپنی دغا بازی اور غداری پر دل میں پشیمان ہوئے۔ اور رونے لگے۔ تو بی بی زینب نے کوفہ کے بازار میں ایک تقریر کی۔ مورخین تسلیم کرتے ہیں کہ حادثہ کربلا کے بعد بی بی زینبؓ کی یہ پہلی تقریر تھی۔ انہوں نے خلقت کے نہیں تماشائیوں کے، بدعہد کوفیوں کے، ہجوم کو دیکھا۔ تو بے اختیار ہو گئیں۔ اور بازار کوفہ میں بنت علیؓ کے یہ الفاظ گونجے۔ "خاموش ہو جاؤ" ہر شخص جامد اور ساکت تھا۔ اور سانس لینے کی بھی آواز نہ آتی تھی کہ یہ تاریخی تقریر کی۔

"ہر قسم کی خوبیاں اور تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں میرے باپ۔ محمدؐ اور ان کی پاک اولاد پر خدا کی رحمت ہو اے کوفہ والو! اے عہد شکنو! اپنی زبان سے پھر جانے اور اپنے الفاظ کو بھول جانے والو! تم رو رہے ہو!! تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے۔ جو سوت کاتتی ہے۔ اور پھر اُسے ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ تم میں ایک شخص بھی ایسا ہے۔ جو جھوٹا، عہد شکن اور شیخی خورا نہ ہو۔ جس کے دل میں کھوٹ نہ ہو۔ لونڈیوں کی طرح چاپلوسی اور خوشامدی نہ ہو۔ دشمنوں کا سا کینہ نہ رکھتا ہو۔ جو راہِ حق کو چھوڑ کر بے دینی پر جھگڑتا نہ ہو۔ یاد رکھو۔ جو کچھ تم نے اپنے لئے آگے بھیجا ہے۔ وہ بہت بُرا ہے۔ تم پر خدا کا غیض و غضب ہے۔ اور تم اس کے قہر میں مُبتلا ہو گے۔ ارے تم، اے جھوٹے کوفیوں تم۔ میرے بھائی پر گریہ اور نوحہ کر رہے ہو۔ ہاں خدا کی قسم روؤ اور خوب روؤ۔ تم کو رونا ہی مناسب ہے۔ ہنسو کم اور روؤ زیادہ۔ تم نے بہت بُری بُری باتوں کی آرزویں کی ہیں۔ جن کو تم دھو کر کبھی اپنے دامن سے پاک صاف نہ کر سکو گے۔ بھلا بتاؤ تو تم خاتم نبوت اور معدنِ رسالت کے فرزند کے قتل کے داغ کو کیوں کر دھو کر صاف کر سکتے ہو۔ جنت کے نوجوانوں کے قتل کا دھبّہ کس طرح مٹا سکتے ہو۔ وہ تمہاری لڑائیوں میں تمہاری پناہ گاہ تھا۔ تمہاری جماعتوں کا محافظ تھا۔ تمہاری سلامتی کی قرارگاہ تھا۔ تمہارے کلمہ کی اساس اور بنیاد تھا۔ تمہاری مصیبتوں اور تمہارے حوادث میں تمہارا جائے پناہ۔ تمہارے دلائل کی روشنی اور نشان تھا۔ تمہارا تمدن اور تمہاری معاشرت درست کرنے والا۔ تمہاری باہمی گفتگو کا مرجع۔ آہ کس قدر بُری بات ہے۔ وہ چیز جس کو تم آخرت میں بھیج چکے ہو۔ اور کتنی سنگین ہے وہ چیز جس کو تم نے قیامت کے لئے چھوڑا ہے۔ وہ چیز تم کو بہت دور کرنے والی ہے۔ (یعنی جنت سے) تم کو ڈس لینے والی ہے۔ تم کو اوندھا ڈال دینے والی ہے۔ تمہاری کوشش ناکام رہی۔ تمہارے ہاتھ ہلاک ہو گئے۔ حسرت و ناداری نے تمہارے چہرے بگاڑ دیئے۔ تم خدا کے غیض و غضب کا ٹھکانہ بن گئے۔ کوفہ والو! تمہیں معلوم ہے تم نے محمدؐ کے کونسے جگر گوشے کو پھاڑا۔ اور کون سے عہد کو توڑا ہے۔ اور محمدؐ صلعم کی کونسی بیٹی کی بے حرمتی کی ہے۔ اور کون سے خون کو تم نے بہایا ہے۔ آہ تم ایک بہت بڑے حادثہ کے مرتکب ہو گئے ہو۔ تم ایک ایسے جرم

کے مرتکب ہوئے ہو۔ جو منہ بگاڑ دینے والا۔ اور مصیبت میں مبتلا کر دینے والا ہے۔ اگر اس موقع پر آسمان سے خون کی بارش ہو۔ تو کیا تم تعجب کرو گے۔ (یاد رکھو) آخرت کا عذاب تمہیں رسوا کرنے والا ہے۔ اور ہاں ایسے لوگوں کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ کوئی طاقت خدا کے کاموں میں دخیل نہیں اور نہ انتقام لینے سے کوئی روک سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تمہارا رب نافرمانوں کی تاک میں لگا رہتا ہے۔"

تقریر سن کر بعض کوفیوں نے طعن کے طور پر کہا تھا کہ "جو لفاظی ان کے باپ علی رضؓ میں تھی۔ وہی ان میں بھی ہے" مگر دشمنوں میں سے بعض ایسے بھی تھے۔ جن کی زبانیں اُن کی شجاعت۔ فصاحت خطابت کا اعتراف ان الفاظ میں کر رہی تھیں۔ "فصاحت و بلاغت ان کے گھر کی لونڈی ہے۔ آخر علیؓ کی بیٹی ہیں۔"

اس سلسلہ میں بشیر بن خزیم اسدی کا بیان ہے کہ جس وقت بی بی زینبؓ نے تقریر شروع کی۔ تو مجمع پر سکوت چھایا ہوا تھا۔ حور سانس لینے کی آواز بھی نہ سنائی دیتی تھی۔ ان کی تقریر سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ حضرت علیؓ تقریر کر رہے ہیں۔"

رازق الخیری

ذبیح اللہ

عید اضحیٰ جسے عید قرباں بھی کہتے ہیں حضرت اسمٰعیل کی قربانی کی یادگار ہے حضرت ابراہیمؑ خواب میں خورد سال بچے کو قربان کرنے کا حکم پاکر کسی طرح اسے قربان گاہ میں لے گئے اور کس طرح اپنے دل کو پتھر سے بھی زیادہ سخت کر کے حکم الٰہی کی تعمیل میں اس معصوم کے گلے پر چھری پھیرنے کو تھے کہ اللہ کے فرشتہ نے ان کا ہاتھ روک لیا۔ یہ سب واقعات نہایت مؤثر اشعار میں شاہنامۂ اسلام میں بیان کئے گئے ہیں۔ عصمتی بہنوں کی دلچسپی کے لئے نقل کرتی ہوں۔ (گ۔ ن بنت ڈاکٹر ابوالفضل کپور تھلہ)

بشارت خواب میں پائی کہ اٹھ ہمت کا ساماں کر
پئے خوشنودیٔ مولیٰ اسی بیٹے کو قرباں کر
خلیل اللہؑ اٹھے خواب سے دل کو یقیں آیا
کہ آخر امتحاں بندے کا مالک نے ہے فرمایا
اٹھا مرسل اسی عالم میں رسی اور تبر لے کر
پئے تعمیل چل نکلا خدا کا پاک پیغمبر
پہاڑی پر سے دی آواز اسمٰعیلؑ ادھر آؤ
یہاں آکر خدائے پاک کا ارشاد سن جاؤ
پدر کی یہ صدا سن کر پسر دوڑا ہوا آیا
رکا ہرگز نہ اسمٰعیل گو شیطاں نے بہکایا
پدر بولا کہ بیٹا آج میں نے خواب دیکھا ہے
کتاب زندگی کا اک نرالا باب دیکھا ہے
یہ دیکھا ہے کہ میں خود آپ تجھ کو ذبح کرتا ہوں
خدا کے نام سے ترے لہو میں ہاتھ بھرتا ہوں
سعادت مند بیٹا جھک گیا فرمان باری پر
زمین و آسماں حیران تھے اس طاعت گزاری پر
رضا جوئی کی یہ صورت نظر آئی نہ تھی اب تک
یہ جرأت پیشتر انساں نے دکھلائی نہ تھی اب تک
عجب بشاش تھے دونوں رضائے رب عزت پر
تامل یا تذبذب کچھ نہ تھا دونوں کی صورت پر
کہا فرزند نے اے باپ اسمٰعیلؑ صابر ہے
خدا کے حکم پر بندہ پئے تعمیل حاضر ہے
مگر آنکھوں پہ اپنی آپ پٹی باندھ لیجے گا
مرے ہاتھوں اور پیروں میں رسی باندھ دیجے گا
مبادا آپ کو صورت پہ میری رحم آجائے
مبادا میں تڑپ کر چھوٹ جاؤں ہاتھ تھرّائے
پسر کی بات سن کر باپ نے تعریف فرمائی
یہ رسی اور پٹی باندھنی ان کو پسند آئی
ہوئے اب ہر طرح تیار دونوں باپ اور بیٹا
چھری اس نے سنبھالی تو یہ جھٹ قدموں میں آ لیٹا
پچھاڑا اور گھٹنا سینۂ معصوم پر رکھا
چھری پتھر پہ رگڑی ہاتھ کو حلقوم پر رکھا
زمیں سہمی پڑی تھی آسماں ساکن تھا بیچارہ
نہ اس سے پیشتر دیکھا تھا یہ حیرت کا نظارہ
پدر تھا مطمئن بیٹے کے چہرے پر بحالی تھی
چھری حلقوم اسمٰعیل پر چلنے ہی والی تھی
مشیت کا مگر دریائے رحمت جوش میں آیا
کہ اسمٰعیلؑ کا اک رونگٹا کٹنے نہیں پایا
ہوئے جبریلؑ نازل اور تھاما ہاتھ حضرت کا
کہا بس امتحاں مقصود تھا ایثار و جرأت کا
یہ طاعت اور قربانی ہوئی منظور یزدانی
کہ جنت سے یہ برّہ آگیا ہے بہر قربانی
ہمیشہ کے لئے اس خواب صادق کا ثمر لیجے
اسی برّے کو بیٹے کے عوض قربان کر دیجے
غرض دنبہ ہوا قربان اسمٰعیل کے صدقے
ہوئی یہ سنت اس ایمان کی تکمیل کے صدقے

خطاب اس دن سے اسمٰعیلؑ نے پایا ذبیح اللہ
خدا نے آپ کے حق میں فرمایا ذبیح اللہ

نیوتہ

پرانے زمانے کا دستور تھا کہ شادی بیاہ کے موقعوں پر لڑکی لڑکے والوں کو سب عزیز کنبہ برادری والے اور دوست احباب اپنی اپنی حیثیت کے لائق کچھ نہ کچھ نقدی ضرور دیا کرتے تھے۔ جو سب مل کر ایک معقول رقم ہو جاتی تھی۔ اور بعض اوقات تو شادی کے مصارف پورے ہو کر بھی بچ رہتی تھی۔ اسی طرح چھٹی، چلہ، عقیقہ ختنہ، مکتب وغیرہ کی رسموں پر بھی دینے لینے کا دستور تھا۔ غمی کے موقعہ پر بھی حاضری کے نام سے تین روز تو عزیزوں کے یہاں سے کھانا آتا تھا۔ باقی تمام عزیز نقد روپیہ دیتے تھے۔ اگر کوئی عورت بیوہ ہوتی تو میکے کے عزیز رنڈسالہ اور حسب حیثیت سونے یا چاندی کی چوڑیاں جنس اور نقدی لاتے تھے۔ یہ سب ایک قسم کا قرضہ ہوتا تھا۔ جو وقت پر نہایت آسانی سے مہیا ہو جاتا تھا۔ اور اس کی فہرست لکھ لی جاتی تھی کہ فلاں عزیز یا دوست نے فلاں موقعہ پر اتنا دیا۔ جس کی ادائیگی اس طرح ہوتی کہ دینے والے کے یہاں جب کوئی تقریب ہو تو اس میں اتنا ہی روپیہ یا ایک دو اپنی طرف سے بڑھا کر دیدیا جائے۔ اسی کو نیوتہ کہتے ہیں۔ پرانی رسموں کو خواہ کتنا ہی برا کہا جائے مگر ہمارے بزرگوں نے کسی نہ کسی مصلحت سے انہیں رائج کیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم ان کی خوبیوں پر نظر نہ ڈالیں۔ اور افراط و تفریط سے ان کو اپنے لئے مصیبت بنا لیں۔ نیوتے کی رسم میں یہ کتنی بڑی خوبی تھی کہ بغیر مانگے ضرورت کے وقت ہمیں بغیر سود کا قرضہ مل جاتا تھا۔ اور ادائیگی کے لئے کوئی میعاد نہ تھی۔ کہ اگر گزر گئی تو نالش ہو جائے گی۔ یا سود در سود کا حساب چلنے لگے گا۔ جب ہمارے قرضخواہوں کے ہاں کوئی تقریب ہو۔ اس وقت ہم قرضہ کی ادائیگی کے طور پر نہیں بلکہ جس طرح اس نے ہمارے یہاں کی تقریب پر دیا تھا۔ اسی طرح ہم بھی اس کے یہاں جا کر نیوتہ دیدیں۔ اور مزے سے دعوت دکھا کر چلے آئیں۔ اسی طرح باری باری سب عزیزوں کا قرضہ اترجاتا اور جو زیادہ پہنچ جاتا۔ وہ بھی ہمیں اپنے یہاں کی تقریبوں پر واپس مل جاتا تھا۔ اس قسم کی مفید رسموں کو چھوڑ کر ہمیں کوئی نفع نہیں پہنچا۔ اور اب ضرورتوں نے مجبور کیا کہ پھر انہیں پرانی رسموں کو نئی صورت میں رائج کیا جائے۔ چنانچہ "انجمن امداد باہمی یا کواپریٹو سوسائٹی" نے اسی قسم کے بینک کھولے ہیں۔ جو آپس کے چندے سے قائم ہوئے۔ اور بلاسودی قرضے کا لین دین کرتے ہیں۔ جہاں جہاں یہ مبارک چیز پہنچ گئی ہے۔ وہاں کے باشندے دن بدن خوشحال ہوتے اور سود خواروں کے پنجے سے نجات حاصل کرتے جاتے ہیں۔ لیکن غریب ہندوستان کو جس قدر زیادہ اس کی ضرورت ہے۔ اس کے لائق ابھی یہ تحریک وسیع نہیں ہوئی ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں سے لے کر کوئی گوشہ کوئی قریہ حتےٰ کہ کوئی محلہ اور کوئی گھر اس سے خالی نہ رہے کہ جہاں سے بلاسودی قرضہ کا لین دین نہ ہو سکے۔ ہمارے تعلیم یافتہ بھائی بہنوں کو پورے انہماک کے ساتھ اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ خاص کر اس گرانی اور مصیبت کے زمانے میں۔ کیونکہ شہری ہوں یا دیہاتی، امیر ہوں یا غریب یا متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ خواتین ہوں یا مرد۔ حتیٰ کہ لڑکے اور لڑکیاں جو طالب ہیں۔ ان کو بھی قرضے کی ضرورت آئے دن پڑتی ہے۔ اگرچہ کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر کے وہ اپنی ضروریات زندگی پوری کر لیتے ہیں لیکن اکٹھا روپیہ نہ ہونے کے سبب سے کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے۔ جس سے اپنی زندگی خوش حالی کے ساتھ گزار سکیں۔ مثلاً تجارت۔ زراعت۔ کسی قسم کا ٹھیکہ یا کارخانہ وغیرہ کھولنا۔ یا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا۔ بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس قسم کے کام اگر سودی قرضے سے کئے جائیں تو تمام منافع سود ہی کی نذر ہو جاتا ہے۔ اور اگر خدانخواستہ نقصان ہوا تو بساط ہی الٹ جاتی ہے۔ اور ان بدنصیبوں کا سوائے جیل کے کہیں ٹھکانہ نہیں ہوتا۔

اس اسکیم کو باقاعدہ اور وسیع پیمانہ پر چلانا تو ذرا مشکل کام ہے اور ہم پردہ نشینوں کے بس کا روگ نہیں۔ لیکن گھریلو طور پر کنبہ رشتہ یا محلہ کی بہت سی بیبیاں مل کر بہت کچھ کر سکتی ہیں اور دہلی علیگڈھ

پنجاب وغیرہ میں بہت کچھ اس پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اسی کو دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ کیوں نہ اس مفید تجویز کو رسالہ میں شائع کر کے عام رواج دینے کی کوشش کروں۔ طریقہ اس کا یہ ہے کہ چند بیبیاں مل کر ایک سوسائٹی بنا لیتی ہیں جس کا ہر ممبر ہر مہینہ ایک دو روپیہ سے لیکر دس بیس روپئے تک حسب قرارداد چندہ دیتا ہے۔ ایک بی بی بحیثیت سکرٹری کے ہر بہن سے چندہ وصول کرتی ہیں اور تاریخ مقررہ پر جب سب روپیہ وصول ہو جاتا ہے تو ایک ممبر کو دیدیا جاتا ہے۔ اسی طرح دوسرے ماہ دوسرے کو اور پھر تیسرے کو اسی طرح ہر ممبر کو اکٹھی رقم مل جاتی ہے مثلاً فرض کیجئے کہ دس بہنوں نے جنوری کے مہینہ سے نیوتہ ڈالنا شروع کیا اور دس روپیہ ماہوار ہر ایک نے ڈالا تو یہ رقم اکٹھی ہو کر سو روپیہ ہوئی جو ایک بہن کو مل گئی، دوسرے ماہ دوسری بہن کو اتنی ہی رقم ملی یہاں تک کہ اکتوبر تک سب بہنوں کو اپنا اپنا روپیہ مل گیا اور نیوتہ ختم ہو گیا۔ اسی کو چیٹھی ڈالنا یا نیوتہ ڈالنا کہتے ہیں۔ اس میں خوبی یہ ہے کہ دس روپیہ ماہوار دے کر یکمشت سو روپیہ ہمیں مل جاتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ دس روپیہ مہینہ جمع کر کے بھی ہم اتنی رقم اکٹھی کر سکتے ہیں۔ مگر اول تو دس ماہ انتظار کرنا پڑتا ہے دوسرے اپنے گھر میں آسانی سے جمع نہیں ہو سکتا۔ کوئی نہ کوئی ضروری غیر ضروری خرچ نکل ہی آتا ہے۔ اور یہ ایسی ہے کہ تاریخ مقررہ پر ہمیں روپیہ دینا ہی پڑتا ہے۔ پھر سود وغیرہ کا کوئی جھگڑا نہیں۔ دس بہنیں مل کر کام کر رہی ہیں جس کو جلدی ہے۔ اس نے پہلے لے لیا جس کو کوئی جلدی نہیں۔ اس نے سمجھ لیا کہ میرا روپیہ جمع ہو رہا ہے۔ جو لے چکیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ قرضہ ادا کر رہی ہوں۔ غریب طبقہ مثلاً بھنگی بہشتی۔ نائی۔ دھوبی۔ مامائیں اور خدمت گار عموماً قسط پر روپیہ لیتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دس روپیہ لے کر پورے سال بھر یعنی بارہ مہینہ تک ایک روپیہ ماہوار ادا کرتے رہتے ہیں ان غریبوں کو ایک روپیہ ماہوار ادا کرنا کچھ زیادہ گراں نہیں گزرتا مگر خیال کرنے کی بات ہے کہ اس طرح وہ بیچارے دس روپیہ پر دو روپیہ سود ادا کرتے ہیں یعنی بیس روپیہ سینکڑہ۔ یہ شرح سود کس قدر گراں ہے اگر ہم لوگ چھوٹے چھوٹے نیوتے ایک دو روپیہ کے ڈالیں اور اس میں ان بیچاروں کو بھی شریک کر لیں یا انہیں لوگوں کو جمع کر کے دس بیس ممبر بنا دیں تو بڑی آسانی سے وہ قرضہ بھی حاصل کر لیں اور اس بیس روپیہ سینکڑہ سود سے بھی نجات پائیں ٭

ظفر جہاں۔ بریلی

(بقیہ صفحہ ۲۳۲) مگر وہ فضول خرچی سے محترز رہی جب خسر کا انتقال ہو گیا۔ اور چار بھائیوں میں جائداد تقسیم ہو گئی تو علاوہ خاندانی فرنیچر کے تین سو روپیہ ماہوار کی جائداد ہر بھائی کو ملی۔ منجھلے کی بیوی بیگم عسکری کی نور نظر خانہ داری سے بے بہرہ بھلا اس قدر قلیل آمدنی میں کس طرح گزارہ کرتیں۔ میاں بیوی میں ناچاقی ہو گئی۔ شوہر ہر بات میں بڑی بھابی کی نظیر پیش کرتا کہ وہ کس طرح اسی قلیل آمدنی میں گزارا کر رہی ہیں۔ نوبت یہ آئی کہ وہ لڑ بھڑ کر اپنے میکے تقدیر کو کوسنے جا بیٹھیں۔ اور قمر جاہ کی بیوی نے اپنی حکمت عملی سے نہ صرف تین سو روپیہ ماہوار میں گھر چلایا۔ بلکہ نوابی وقت کے جو کچھ برتن بھانڈے اور قیمتی بیکار زیورات تھے ان کو اچھے داموں موقع سے فروخت کر کے ایک چھوٹا سا بنگلہ خرید لیا۔ جس سے سو روپیہ ماہوار کرایہ آنے لگا۔ اور بجائے تین سو کے چار سو روپیہ ماہوار کی آمدنی ہونے لگی۔
بچوں کی تعلیم کے لئے بھی کچھ روپیہ کی ضرورت تھی۔ بادی النظر میں قمر جاہ کی بیوی تقدیر کی اچھی کہلانے لگیں۔ ان کے حسن تدبیر کو کسی نے نہیں دیکھا۔ کریماً گھر میں میلی کچیلی بال بچوں سمیت نیم فاقہ زندگی بسر کرتی ہے اس کا شوہر صاحب کے یہاں ۲۵ روپیہ پر ملازم ہے اسی سے گھر کا کرایہ اپنے تین بچوں کا کھانا پہننا۔ ۵ آدمیوں کا گزارا کیا آسان ہے بڑی عسرت سے کٹتی تھی۔ مگر اس کے کمرے کے برابر والی زلفن نے اس آمدنی میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز کر کے مرغیاں پال رکھی تھیں دو آنہ فی انڈہ کے حساب سے روزانہ اس کی چار مرغیوں کے انڈوں کی قیمت آٹھ آنے الگ ہو جاتی ہے۔ اور فرصت کے اوقات میں آرام سے دوپہر کو سونے کی بجائے وہ مل میں کام کرنے والی عورتوں کی کرتیاں تاجرانہ نرخ سے ۵؍ فی کرتی کے حساب سے دن میں تین سی لیتی تھی۔ اور ہر چوتھے دن ایک درجن کنٹرکٹر کو دیدیا کرتی تھی اور ۱۲ روپے وصول کر لیتی ہے۔ اس طرح اس کو ایک خاصی رقم ماہوار مل جاتی تھی۔ اب بتلائیے کہ تقدیر سے زلفن کی زیادہ آمدنی ہو جاتی تھی یا محنت و تدبیر سے۔ حالانکہ دونوں کے شوہر پچیس پچیس روپیہ ماہوار پانے والے بیرے تھے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ ہماری قوم کو تدبیر منزل کی راہ خوش اسلوبی سے طے کرنے کی توفیق عطا کرے۔

جمیلہ بیگم۔ کلکتہ

تقدیر اور تدبیر

کچھ انسان کی سرشت میں بھی یہ بات داخل ہے کہ اپنے کو تمام الزامات سے بری قرار دے کر دوسرے پر اس کو تھوپ دے مثلاً قدرت قصوروار قسمت ذمہ دار۔ اور ذرائع ناقص وغیرہ مگر کبھی آپ نے غور سے مطالعہ کیا اور ٹھنڈے دل سے سوچا کہ ہر ایک نیک و بد انجام کار کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ اچھی قسمت اور بُری تقدیر پر تکیہ کئے رہنا سراسر حماقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل دے کر دنیا میں بھیجا کہ اس سے کام لے کر ہم انسانی صفت آشکارا کریں۔ اور ترقی کے تمام مدارج اعلیٰ طے کر کے اپنی ہستی کو واقعی انسان بنانے میں کامیاب ہوں۔ برعکس اس کے ہم دنیا کے لہو ولعب میں پھنس کر اپنی مقصد سے کہیں دور جا پہنچے اور اپنی نادانی اور سطح بینی سے جو کچھ خسارہ اٹھایا اس کو "تقدیر میں لکھا" سمجھ کر ٹال دیا۔ دنیا میں ہر ذی روح اپنی قسمت ساتھ لاتا ہے بعض ایسے ہیں۔ جو اپنی تدبیر عمل سے سنوارتے ہیں بعض لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھر بیٹھ کر اس کو بگاڑ دیتے ہیں۔ جب تک عقل کو بروئے کار لانے کا مادہ انسان میں پیدا نہیں ہوتا۔ وہ یا تو کچھ ہوتا ہے۔ یا سودائی اگر آپ عہد طفلی سے لے کر موجودہ دور زندگی تک اپنی مسلسل کارگزاریوں پر ایک اجمالی نگاہ ڈال کر دیکھئے تو واضح ہو جائے گا۔ کہ ہر کام کی اہمیت کے مطابق نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ میرے خیال میں مسلمانوں سے زیادہ شاید ہی اور کوئی قوم تقدیر پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہوں گی۔

فرض کیجئے کہ ہم بے روزگاری کا شکار ہیں۔ باوجود تلاش کے ملازمت نہیں ملتی لیکن پھر بھی تدبیر منزل کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے۔ افسری نہیں محنت مزدوری ہی سہی۔ سرمایہ دار نہیں ہیں۔ خوردہ فروشی ہی کر کے دو چار پیسے پیدا نہ کریں تو زندگی کی ضرورتیں کیسے پوری ہوں۔ ننھی ننھی چڑیاں۔ تتلیاں۔ مکھیاں۔ چیونٹیاں بھی تمام دن غذا کی تلاش میں سرگردانی کرتی ہیں۔ جب جا کے پیٹ بھر سکتی ہیں۔ کیا قدرت کی فیاضی میں ان کا حصہ نہیں۔ کیا تقدیر انہیں بلا دردسری کے کھلا پلا نہیں سکتی؟

اس تگ ودو و کشمکش کا نام ہے زندگی۔ دنیا میں زندہ روح کے لئے تدبیر کی ضرورت لازمی ہے۔ میری ایک سہیلی تقدیر کی بہت قائل ہیں۔ وہ کردگار حقیقی سے ہر دم من وسلویٰ کی امیدوار رہنے کے سوائے اور ہر کاموں میں تقدیر کو ذمہ دار بناتی تھیں۔ میں نے ایک دن ان سے کہا کہ بہن تقدیر کو کیوں اپنی تمام کمزوریوں کا ذمہ دار بناتی ہو۔ ہاتھ پاؤں ہلا کر بھی دیکھو۔ انہوں نے تیوری پر بل ڈال کر بڑی آزمودہ کاری سے جواب دیا: "دیکھو خود تدبیر ہی کرنے کے بعد دوسروں کو بیوقوف نہ بناؤ۔ دیکھو تمہارے بہنوئی بھی ایم اے ہیں اور ان کے دوست تم بھی۔ یہ دو سو روپیہ پر کئی سال سے پڑے ہیں اور تم آئی سی۔ ایس ہو گیا۔ مقابلے کے امتحان میں دونوں بیٹھے تھے تقدیر نے تم کو پاس اور تمہارے بہنوئی کو فیل کرا دیا۔" میں نے کہا کہ آپ غلطی کرتی ہیں۔ اول تو تم ریاضیات میں فرسٹ کلاس ایم اے تھا۔ اور دولہا بھائی تاریخ میں سیکنڈ کلاس ایم۔ اے۔ اس کے علاوہ تم کی سفارشیں معقول تھیں۔ اس کے ماموں ولایت کے آئی۔ سی۔ ایس تھے۔ پھر وہ کس قدر محنت سے امتحان کی تیاری میں ایم۔ اے سے لے کر آئی۔ سی۔ ایس تک مصروف رہا تھا۔ بس اس تدبیر کا ثمرہ سمجھو۔ بیکار قسمت ہی کو کیوں کوستی ہو۔"

بیگم عسکری رو رہی ہیں کہ ہائے سرور جاہ کے ہاں بیاہ کر میں نے لڑکی کی تقدیر پھوڑ دی۔ ایک دن بھی اس کا چین سے نہ کٹا اوّل اوّل جو نفاق پڑا وہ ہمیشہ کے لئے قائم رہا۔ آخر ان کی بڑی بہو قمر جاہ کی بیوی کس عیش و عشرت سے زندگی بسر کر رہی ہے۔ ہے تو غریب کی لڑکی مگر اپنی اپنی تقدیر۔ مگر ان کو کون سمجھائے قمر جاہ کی بیوی متوسط گھرانے کی لڑکی ہے۔ خیر سے اپنے ہاتھوں خانہ داری سنبھالنے کی عادی۔ سارے گھر کا کام خود کرتی آئی تھی۔ اس وقت سسرال میں صرف اپنے حسن لیاقت اور خدمت سے ایسا ہر شخص کو رام کر چکی تھی۔ پہلے ہر فرد چٹکے کہ ما ما اصیلیں بھی اس کو چار باتیں سنا دیتی تھیں۔ مگر وہ بُرا نہ مانتی۔ کنگال گھر کی تھی کسی کو دینا دلانا کیا جانے۔ اور قمر جاہ کی دُلھن آنکھ بند کر کے کشتی میں بیٹھ کر اپنا مال لٹاتا ہر گز گوارا کرنے والی نہ تھی۔ لوگوں نے نام دھرا سینکڑوں بار ماں باپ کی کم حیثیتی کے طعنے ملے۔

(باقی صفحہ ۲۳۱ کالم ۲ پر)

اے ماؤں بہنوں بیٹیوں!

جب اللہ تعالیٰ نے سب کچھ پیدا کر لیا تو پھر انسان کو پیدا کیا اور اس کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا۔ انسان کو پیدا ہی اس لئے کیا کہ اس کو زمین پر اپنا خلافت دے۔ اور آدم یعنی مرد کو پیدا کرنے کے بعد سب سے آخر میں عورت کو پیدا کیا۔ تاکہ وہ بنی آدم کی صحیح تربیت کرے۔ جہاں مردوں کو اللہ تعالیٰ نے "قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ" بنایا۔ تاکہ وہ اپنی زیادہ قوت، زیادہ طاقت اور زیادہ عقل سے عورت کی حفاظت کریں اور اس کو فکر معاش اور ہر طرح کے افکار اور تردداث سے آزادی دیں۔ وہیں عورت کو تمام وہ اوصاف بدرجہ کمال عطا کئے، جس سے وہ اپنے بچوں کی صحیح تربیت کر سکے۔ عقل مرد کو زیادہ دی تو عورت کو جذبات میں کمال عطا فرمایا یعنی محبت، ہمدردی، رحم، کرم، حیا، عفو وغیرہ میں اس کو مرد پر فوقیت دی۔ اور یہ اوصاف صحیح تربیت کے لئے ضروری ہیں۔ دین کا اساس بھی اللہ اور رسول کی محبت پر ہے اور اس اطاعت، تابعداری اور فرمانبرداری پر جو سچی محبت اور تقویٰ سے پیدا ہوں۔

مرد کی فلاح اور بہبودی اس دنیا میں اور آخرت میں بہت کچھ اسی تربیت پر منحصر ہے۔ جو بچپن میں اس کو اس کی ماں نے دی ہے۔ کیا تعجب ہے کہ حضرت آدم کی نافرمانبرداری اور عدم اطاعت کا راز بھی اسی میں ہو کہ ان کو ماں سے کسی قسم کی تربیت نہیں ملی۔ حضرت حوا کی بھی تو کوئی ماں نہیں تھیں۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر ماں ہمیشہ اچھی تربیت ہی دیتی ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جانوروں پر یہ امتیاز دیا کہ انسان اپنی عقل بڑھا سکتا ہے۔ اور ترقی بھی کر سکتا ہے۔ اور تنزل بھی مثال کے طور پر انسان پہلے کھوؤں میں رہتا تھا اور پھر ترقی کرتے کرتے جھونپڑوں، گھروں اور محلوں میں رہنے لگا۔ پیدل چلتا تھا۔ پھر گھوڑوں پر، گاڑیوں پر، ریلوں میں، موٹر کاروں میں اور ہوائی جہازوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے لگا۔ جانوروں کو جو ایک دفعہ مل گیا نہ اس میں چنداں ترقی ہوئی نہ تنزل۔ ایک چڑیا جیسے گھونسلہ پہلے بناتی تھی۔ ویسے ہی اب بھی۔ درندے جیسی کھوؤں میں پہلے رہتے تھے ویسے ہی کھوؤں میں اب بھی رہتے ہیں۔ اسی طرح جانور اپنے بچوں کو جیسی تربیت پہلے دیتے تھے۔ ویسی ہی اب بھی دیتے ہیں۔ نہ اس میں ترقی ہوئی نہ تنزل مگر انسان نے تربیت دینے میں ترقی بھی کی اور تنزل بھی۔ کوئی ماں اچھی تربیت دیتی ہے اور کوئی بری۔

جانوروں کی فطرت میں ہے کہ اپنے بچوں کو کیا تربیت دیں کس مقصد حیات کے لئے ان کو تیار کریں اور کس طرح تیار کریں۔ ان کو سوچنے کی ضرورت نہیں

انسان کو عقل دی ہے اور عقل کو ترقی اور تنزل کی قابلیت دی ہے۔ غالباً سب سے پہلے انسان کو فطرتاً معلوم ہوگا کہ اس کا مقصد حیات کیا ہے۔ اور اگر ہم مسلمان بموجب حکم خدا قرآن شریف میں "تدبر" کریں تو ہم کو بھی معلوم ہو جائے کہ ہماری زندگی کا کیا مقصد ہے۔ جب ہم کو یہ معلوم ہو جائے۔ تو پھر ہم کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ہماری تربیت اور تعلیم کا کیا مقصد ہے۔ اور اگر ہم پھر قرآن کریم میں تدبر کریں گے۔ اور حدیث وسیر و تاریخ اور حکم کا سوچ سمجھ کر مطالعہ کریں گے تو ہم کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ہماری تربیت اور تعلیم کا طریقہ کیا ہونا چاہیئے۔

مگر فی الحال یہ بدیہی اور یقینی ہے کہ صحیح تربیت فقط "ماں" ہی دے سکتی ہے۔ اس لئے ماؤں کی صحیح تربیت کا انتظام سب سے ضروری ہے۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم مسلمانوں میں لڑکیوں کی تعلیم ابھی تک اتنی عام نہیں ہوئی جتنی لڑکوں کی تعلیم۔ کیونکہ ہماری موجودہ تعلیم تربیت کا مقصد، کورس، طریقہ، معلمین و معلمات کے اوصاف سبھی غلط ہیں اور ہم کو ہماری زندگی کے مقصد کے لئے کسی طرح سے بھی تیار نہیں کرتے بلکہ حقیقت میں ہم کو دونوں جہانوں کے لئے نکما کر دیتے ہیں۔ اور یہ باوجود مسلم یونیورسٹی، اسلامیہ کالجوں اسلامی مدرسوں اور اسلامی مکتبوں کے ہے!

تو پھر اب کرنا کیا چاہیئے؟

سب سے پہلے ہم کو عین الیقین کے ساتھ اس بات پر اتفاق کرنا چاہیئے کہ انسان کی اور خاصکر مسلمان کی زندگی کا مقصد کیا ہے فقط عقل اور حکمت اور فلسفے سے یہ بات معلوم نہیں ہوسکتی۔ عقلاء اور حکماء اور فلاسفہ کے اس کے متعلق بے انتہا گروہ اور فرقے ہیں۔ مگر جو سچے مسلمان ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں اور اللہ کی کتابوں پر ایمان لائے ہیں۔ اُن کے لئے یہ بات کچھ مشکل نہیں۔ ہم قرآن شریف کو اللہ کا کلام مانتے ہیں۔ اور اللہ کے کلام سے زیادہ کس کا کلام سچا ہوسکتا ہے۔ نبی نباء یعنی خبر لانے والے کو کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں بہت سی خبریں (نباء) ہیں۔ مگر صرف ایک خبر کے بارے میں عظیم کا لفظ استعمال ہوا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ آدم کو پیدا کر کے اپنی خلافت زمین پر قائم کرنے کا ہے۔ اس پر فرشتوں میں کچھ بحث مباحثہ بھی ہوا۔ غالباً وہ چاہتے تھے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت ان کو ملے۔ گر وہ تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے تھے۔

کہیں اور اس کے متعلق بین کھلے ہوئے ثبوت پیش کئے جا ئیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی لئے پیدا کیا کہ وہ زمین پر اللہ کی حکومت قائم کرے۔ جتنے انبیاء علیہم السلام جہاں جہاں بھی آئے لوگوں کو اسی کے لئے تیار کرنے کے لئے آئے۔ ہر نبی نے یہ فرمایا کہ "میں امین ہوں۔ اللہ سے تقویٰ کرو۔ اور میری اطاعت کرو۔" امین تو اس کو کہتے ہیں جس پر پورا پورا بھروسہ کیا جاسکے۔ تقویٰ وہ تمام اخلاق اور اوصاف ہیں کہ جن میں وہ موجود ہوں تو وہی اللہ کی حکومت قائم کرسکتے ہیں۔ اور اطاعتِ رسول ہی اصل دین ہے۔

یہودیوں کو یہی تعلیم دی گئی وہ مسیح کا انتظار کریں جو آکر اللہ کی حکومت قائم کردیں گے۔ جس کو یہودی یہ سمجھتے رہے کہ ان کی یعنی بنی اسرائیل کی حاکمیت دنیا پر قائم ہوگی۔ اور اب تک یہی سمجھتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے تمام حواریوں کی یہی تعلیم تھی کہ اللہ کی حکومت قائم ہونے والی ہے۔ حضرت عیسیٰ نے بہت سے اُن اوصاف کا ذکر کیا کہ جن کے اختیار کرنے سے اللہ کی حکومت قائم ہوجائے گی۔ انہوں نے اپنے حواریوں کو صرف ایک دعا سکھائی ہے جس میں یہ ہے: "کہ اے اللہ تیری حکومت اور تیرا ارادہ زمین پر ایسا چلے جیسا آسمان پر چلتا ہے۔" اور ملکوں کی دینی کتابوں میں بھی یہی مذکور ہے۔ ہمارے نبی علیہ السلام نے اللہ کی حکومت اس زمانے کے مطابق قائم کردی اور ایسے بنیادی اور اساسی قوانین چھوڑ گئے کہ ان کے تکامل سے ہر زمانے کے مطابق اللہ کی حکومت قائم رہ سکتی ہے۔ مگر چند ہی سال کے بعد مسلمانوں نے اللہ کی حکومت کو اپنی سلطنت میں تبدیل کردیا۔ اور اب تو ہم بالکل بھول ہی گئے کہ اللہ نے ہم کو کس لئے پیدا کیا تھا۔

اللہ کی حکومت وہی لوگ قائم کرسکتے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو بالکل اللہ کے حوالے کردیا ہو اپنے آپ کو بالکل تسلیم کردیا ہو۔ جو کتاب میں اور حکمت میں اللہ کی مرضی تلاش کرتے ہوں اور اللہ کی مرضی کے مطابق اپنی زندگیوں کو چلاتے ہوں اور اللہ کی مرضی کے مطابق اُس کے نام سے دنیا کے کاروبار کا انتظام کرتے ہوں۔ اسلام اور مسلم عربی کے لفظ ہیں۔ دوسری زبانوں میں اُن کے مرادف دوسرے لفظ موجود ہیں۔ غرض جو بھی اپنے آپ کو اللہ کی مرضی پر چلائے۔ وہی مسلم کہلایا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں تمام نبیوں کو مسلم کہا گیا ہے۔ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ علیہم السلام سب کے سب مسلم تھے۔ اور جتنے ملکوں میں بھی نبیؑ آئے وہ سب مسلم تھے اور سب کی تعلیم اسلام ہی تھی چاہے ہر زبان میں اس کے لئے الگ الگ لفظ ہوں۔

جو پورے طور سے اللہ پر اور اُس کے نبیوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور فرشتوں پر، حشر و نشر پر اور جزا و سزا وغیرہ پر ایمان لائے اور اللہ کی اطاعت کرے وہ مسلم ہے چاہے وہ اپنی زبان میں اپنے آپ کو کچھ ہی کہے۔

لہٰذا اللہ کی حکومت وہی قائم کرسکتے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو بالکل ہی اللہ کو تسلیم کردیا ہو۔ ایسی حکومت میں انصاف، رحم، انتظام، اور بہبودیٔ خلق کے سارے کام اُسی کمال کے ساتھ ہوں گے۔ جو اللہ کی حکومت میں ہونے چاہئیں۔ اور وہ وہی لوگ کرسکتے ہیں۔ جن میں سچے اسلامی اخلاق (یعنی ایسے لوگوں کے اخلاق جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کو بالکل ہی

تسلیم کر دیا ہو) ہوں۔ مثلاً ان کا انصاف ایسا ہوگا جس میں نہ وہ اپنے باپ کی نہ بیٹے کی نہ بھائی کی، نہ بیوی کی نہ اپنے کسی فائدہ کی رُو رعایت کریں گے۔

اور سچے اسلامی اخلاق کتابوں کے پڑھنے سے نہیں آتے نہ وعظ و نصیحت اور تقریروں کے سننے سے۔ یہ تو فقط اس ماں کی تربیت سے آسکتے ہیں جس میں اول تو دیہ اخلاق موجود ہوں اور دوم اس میں یہ قابلیت ہو کہ وہ ان اخلاق کو اپنی اولاد میں پیدا کر سکے۔

میں یہاں تاریخ اسلام سے بہت سی مثالیں دے سکتا ہوں کہ ماؤں کا اپنے بچوں پر کیسا اثر پڑا ہے۔ مگر میں زیادہ تر عملی باتوں پر آنا چاہتا ہوں۔

لڑکپن سے مجھ کو یہ یقین تھا کہ ہماری ملت ہماری قوم کا مستقبل ہماری ماؤں کے ہاتھ میں ہے۔ بغیر ہماری ماؤں کی درستی کے ہماری تمام کوششیں کبھی پوری طرح کامیاب نہ ہوں گی۔ اس لئے میں نے اپنی تمام تعلیمی کوششوں، ملکوں ملکوں کے سفر اور ملاحظات میں اس کا ہمیشہ خیال رکھا ہے۔ مگر مجھ کو عین الیقین کے ساتھ یہ نہ معلوم ہوا تھا کہ انسان اور خاصکر مسلمان کی زندگی کا اصل مقصد کیا ہے۔ یہ مجھ کو فقط ۱۹۴۱ء میں جو رمضان شریف آیا تھا۔ اس کے بائیسویں روزے کے دن صبح سات بجے قرآن شریف کی تلاوت کرتے وقت معلوم ہوا ہے۔

میری بہت عرصہ سے خواہش تھی کہ ایک ایسا مدرسہ قائم کیا جائے جس میں ہم آیندہ یا موجودہ ماؤں کو تربیت دیں۔ اس کے متعلق میں نے بہت سا مواد جمع کر لیا تھا۔ مگر زمانہ مساعد اور موافق نہ ہوا اور اچھا ہی ہوا کہ میں شروعات نہ کر سکا۔ اب اللہ کے فضل سے مجھ کو وہ نقطہ معلوم ہو گیا کہ جس کے گرد ہم اپنی زندگی کی ہر فعالیت کو گھما سکتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ملک میں بھی اب اس کا احساس ہونا شروع ہو گیا ہے۔

مگر فی الحال میرے لئے ناممکن ہے کہ میں خود اس کام کو شروع کروں نہ یہ معلوم یہ حالت کب تک رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری بعض بہنیں جن کے دل میں اللہ اور نبیؐ کی سچی محبت ہے اور محبت کے ساتھ ہی ملت اسلامیہ کی خدمت کی تڑپ ہے اور اللہ نے ان کو علمی اور عملی قابلیت دی ہے وہ اس کام کو شروع کریں۔ اور مجھ کو امید ہے کہ جس طرح میرے بھائی علامہ راشد الخیریؒ نے میری بہنوں میں جاگ پیدا کر دی ہے اسی طرح عزیزی رازق الخیری سلمہ اللہ تعالیٰ ایک منظم کام اپنے ہاتھ میں لیں گے۔ اور لگاتار اور ان تھک کوشش سے عصمتی بہنوں میں یہ شوق اور جذبہ اور جوش پیدا کر دیں گے کہ ماؤں کا مدرسہ قائم ہو جائے۔

میں انشاء اللہ اس کی ایسی عملی ترکیبیں بتاؤں گا کہ یہ کام بغیر کسی سرمایہ اور بغیر دردر بھیک مانگے ہوئے فوراً جاری کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ بعض بہنوں میں سچا اسلامی درد ہو۔ اخلاص ہو اور خداداد قابلیت ہو۔

ایسا مرکزی مدرسہ ایک جگہ بھی قائم ہو سکتا ہے اس کے ساتھ دوسرے اس سے ملتے ہوئے مدرسے بھی قائم ہو سکتے ہیں اس مدرسے کے چلانے والے لوگ محلے محلے تین تین چار چار ہفتہ کے کورس کی تربیت تقریروں، بحثوں، نمائشوں وغیرہ کے ذریعہ سے دے سکتے ہیں۔ اور اسی طرح گاؤں گاؤں اور شہر شہر بھی سفری کورس جاری کئے جا سکتے ہیں۔ مرکزی مدرسہ کا کورس صرف ایک تعلیمی سال کا ہونا کافی ہے انشاء اللہ میں رفتہ رفتہ نہایت تفصیل کے ساتھ ایسے مدرسے کے قیام کے متعلق لکھوں گا مگر اس سے پہلے میں ایک آدھ مضمون چند بنیادی اور اساسی باتوں کے متعلق لکھنا چاہتا ہوں۔

"شہید"

(بقیہ صفحہ ۲۴۰) بہرحال اب تک تو وہ جاتی رہتی ہیں لیکن خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کس مشکل سے جاتی ہوں گی۔ ایسے موقعوں پر کم از کم سوتی لباس میں آنا چاہیئے۔ ہر طرف گرانی گرانی کا غل مچ رہا ہے لیکن اب تک امیروں کے رہنے سہنے پہننے اوڑھنے کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور غریبوں کی آن کی رئیس میں حالت ناگفتہ بہ ہے۔

معلوم نہیں کب ہمیں اپنے ملک کی اقتصادی حالت کا احساس ہوگا۔ اور ہم معاشرت کو اس کے مطابق بنائیں گے۔

شائستہ اختر سہروردی

ننھی کی امّاں

آج میں کالج سے آیا تو دیکھا حلیمہ برقعہ میں لپٹی ہوئی گود میں بچی کو لئے ہمارے دروازے سے نکل رہی ہے۔ میں نے اُسے چھیڑتے ہوئے کہا۔ "کیوں بی حلیمہ آخر تم نے ننھی کی امّاں بن کر ہی دم لیا۔" وہ میرے برابر سے یہ کہتی ہوئی نکل گئی۔ "تمہارے پیٹ میں کیوں چوہے دوڑ رہے ہیں۔ شادی کے بعد تم بھی ابا بن جاؤ گے۔"

دس سال پہلے حلیمہ اور ہم میاں بیوی کا پارٹ بڑی خوبی سے ادا کرتے تھے۔ اس وقت حلیمہ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ اور میری دس سال۔ حلیمہ کی ماں ہمارے پڑوس میں رہتی تھی۔ اور بے چاری بہت ہی تنگی ترشی سے گزارہ کرتی تھی۔ وہ بھی جب کہیں سے دو ایک کپڑے سلائی کے آگئے۔ ورنہ دو دو وقت اُس کا چولھا ہی نہیں سُلگتا تھا۔ گرمیوں کی لمبی دوپہروں میں۔ جب امّی جان سو جاتیں تو میں لپک کر حلیمہ کو بُلانے چلا جاتا۔ وہ میری ایک ہی آواز پر دَوڑ کر آجاتی اور گھر آکر ہم دونوں اپنے دلچسپ مشغلہ میں لگ جاتے۔ پہلے ہم کوٹھری کے سامنے درے میں دو چار پائیاں کھڑی کر کے اوپر سے ایک چادر ڈال کر اپنا گھروندا تیار کرتے اور خانہ داری کی خصوصاً باورچی خانہ کی مختلف چیزیں جمع کر کے میں اپنی کُرسی پر سرکنڈے کی عینک لگا کر کوئی پھٹی پُرانی کتاب سنبھال کر مطالعہ میں مصروف ہو جاتا اور حلیمہ اپنی گُڑیا کو گود میں لٹا کر گُھٹنا ہلانے لگتی۔ کچھ دیر تو وہ یونہی اُوں اُوں اللہ اللہ کر کے اپنی ننھی کو سُلانے کی ناکام کوشش کرتی۔ اور پھر میرے ادبی انہماک سے اُکتا کر کہتی:۔ "اٹھو بھی بہت پڑھ چکے۔ گوشت ترکاری لے بیٹھو ورنہ دفتر جانے میں دیر ہو جائے گی۔ پھر نہ کہنا کہ ننھی کی اماں آج تو ہم بے چارے بھوکے چلے۔"

میں کرخت لہجہ میں کہتا۔ "آتا ہوں بی۔ دیکھتیں نہیں، پڑھ رہا ہوں۔" وہ بھنویں مٹکا کر کہتی "پڑھے جاؤ میرا کیا ہے۔ جب سودا لا کر دو گے، پکا دوں گی۔"

آخر ان کی خفگی سے ڈر کر میں اپنی عینک اُتار کر جلدی سے کھڑا ہو جاتا۔ اور ہاتھ پھیلا کر کہتا۔ "اب لاؤ پیسے ویسے بھی دو گی یا مفت لے آؤں۔" وہ کہتیں "نہیں مفت کیوں لانے لگے۔ میری گود میں ننھی ہے۔ ذرا پٹاری اِدھر سرکا دو۔ میں پیسے نکال دوں۔"

میں پیسے لے کر سودا لینے چلا جاتا۔ اور ننھی کی امّاں مسالحہ پیسنے بیٹھ جاتیں۔ چار پائیوں کے گھروندے سے نکل کر میں باورچی خانہ میں جا گھستا۔ اور شلغم۔ مولی کے پتّے آلو کے چھلکے۔ نون۔ مرچ۔ خشکی کا بچا ہوا آٹا جمع کر کے الگ الگ پڑیاں باندھ کر رُومال میں لپیٹ لیتا۔ اور بغل میں لکڑی کی دو کھپچیاں دبا کر گھر کے دروازے پر پہنچ کر چیختا "لو اب کنڈی بھی کھولو گی یا یوں ہی کھڑا رہوں۔"

وہ اندر سے آواز دیتیں۔ "اجی آتی ہوں ننھی گود میں سو گئی ہے۔ ذرا اُسے تو لٹا دوں۔" جب وہ دروازے پر آکر جھوٹ موٹ کُنڈی کھولتیں۔ تو میں اندر آکر رومال پھیلا کر ایک ایک پُڑیا ان کو دے کر کہتا۔ "دیکھو بی اب تم سارا سودا دیکھ لو۔ پھر میں دمڑی دمڑی کے سودے کو نہیں بھاگونگا"

وہ نہایت اطمینان سے ایک ایک پُڑیا کو کھول کر دیکھتیں۔ اور ناک سُکیڑ کر کہتیں "دیکھو تو آٹا کیسا بُرا لائے ہو۔ تمام سُرسُریاں بھری ہیں۔ اور لکڑیاں تو چُوڑا ہیں۔ بھلا روٹی کیسے پکاؤں گی۔ اور یہ موٹے شلجم کس کام کے سارے پتّے سوکھے ہوئے ہیں۔"

میں جھنجھلا کر کہتا "تم عورتوں کا کیا ہے۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے باتیں بنانی جانتی ہو۔ ذرا باہر نکلو تو حقیقت کُھلے۔"

وہ بگڑ کر کہتیں "اُوئی بیوی مردوا تو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ میرا کیا ہے۔ جیسا لاؤ گے جھونک دوں گی۔"

میں کان دبا کر اپنی کُرسی پر جا بیٹھتا۔ اور ننھی کی امّاں پکانے ریندھنے میں مصروف ہو جاتیں۔ ابھی وہ آٹا ہی گوندھتی ہوتیں کہ ننھی جھوٹ موٹ جاگ اُٹھتی۔ اور وہ

چیخ کر کہتیں "اجی دیکھنا ذرا ننھی کو کندھے لگا لو میں آٹے میں دو مکیاں لگا کر ابھی آئی۔" میں ننھی کو اُٹھا کر دو چار منٹ ٹہل کر کہہ دیتا "لو بی یہ میرے بس کی نہیں ہے۔ سنبھالو اس کو!" وہ آٹے کی کنڈیلی پرے ہٹا کر ہاتھ دھوتے ہوئے کہتیں۔ "توبہ ہے۔ لیتی ہوں، تم تو بوکھلائے دیتے ہو۔"

یکایک ہمارے چھوٹے سے پُرسکون گھر میں زلزلہ سا آتا۔ دونوں چار پائیاں دھڑام سے گرگئیں اور امّی جان میرا کان گھسیٹ کر غصّہ میں کہتیں "کیوں بے مردود یہ کیا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔" اور ننھی کو بے دردی سے میری گود سے گھسیٹ کر زمین پر پٹخ دیتیں۔ ننھی کی اماں سہمی ہوئی نگاہوں سے امّی کو دیکھتیں۔ اور ننھی کو کُرتہ کے نیچے پیٹ سے چمٹا کر بے تحاشا بھاگتیں۔ اور امّی لکڑی ہاتھ میں لے کر ان کے پیچھے یہ کہتی ہوئی دوڑتیں "ٹھہر تو سہی چھتیسی، ایسی ارمان بھری ہے تو اپنی اماں سے کیوں نہیں کہہ دیتی۔ میرے بچے کا کیوں ناس اُڑانے آتی ہے۔"

آمنہ نازلی

بے قرار موجو!

بے قرار موجو! تم اس طرح آوارہ خرام کیوں ہو؟ کیا بحرِ بے پایاں میں کوئی بھی جائے آرام نہیں۔ یا کوئی غیر معمولی خلش تمہیں آمادۂ مسافرت کر رہی ہے۔ آخر وجہ حرکاتِ پیہم کیا ہے؟

جھاگ بہاتی موجو! کونسی تلخ حقیقت کے تجربے کے لئے تم ہر شئے کو ٹھکراتی آگے بڑھتی ہو۔ لیکن وہ کیا درسِ عبرت ہے۔ جسے ساحلِ سمندر سے سُن کر اپنے آپ کو بھی بھول کر فنا ہو جاتی ہو۔ اور سمندری جھاگ میں تبدیل شدہ ایک مُشت خاک!

یہ سمندر! آہ یہ شعلہ جوالہ سمندر! یہ تو نیستی و ہستی کے راگ الاپتا بہتا ہے۔ ابتدائے آفرینش کے قصّے اسے ازبر ہیں اور ہزاروں داستانیں اس کی تہہ میں پوشیدہ!

عناصرِ قدرت کی چڑھی ہوئی چنون بھی اس کے عزمِ راسخ میں خلل انداز نہیں ہوتی! ... تو پھر سیماب وار موجو! تم اپنے وجود کا راز پوچھنے کو کیوں مچل رہی ہو جب کہ "ماحصلِ حیات" ہی دم رہنے اور پراگندہ خوابی میں ہے! "صورتِ سوال" ہوتے ہوئے بھی یہاں "صدائے برنخواست" جواب ہے۔ ... اس لئے موسمِ سرما کا خوفناک سمندری طوفان دہر پر قیامت لائے یا ساکت و صامت سطح پر حباب رقص کناں ہوں +

یوں بن بن کے بگڑنے اور اُبھر اُبھر کر مٹ جانے سے کیا حاصل! جب کہ نظامِ کائنات ہی ہر ہر خستگیٔ حیات سے مقابلہ کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اس کی وسعتوں میں پنہاں!

محوِ خرام موجو! تم منزلِ مقصود تک پہنچتے پہنچتے اس طرح غائب کیوں ہو جاتی ہو جیسے شبِ دیجور کی سیاہی میں صدا آسیبی صورتیں نہاں ہو جائیں ...

شوریدہ سر موجو! عنصرِ زیست کا خیال چھوڑ دو۔ یہ بڑھی ہوئی سودائیت ہے۔ اور خلافِ قانونِ قدرت + ...

آنسہ محمودہ رضویہ

یثرب کے جانے والے سے

اے دیارِ شہِ ذی جاہ کے جانے والے
سرورِ خلق کی درگاہ کے جانے والے
ہم سے برگشتہ نصیبوں کی خبر لیتا جا
تجھ کو قسمت نے دکھائے ہیں یہ ایامِ سعید
تو ہے اور گلشنِ یثرب کی بہارِ جاوید
فرشِ رہ کے لئے تو میری نظر لیتا جا
شکر کر دل سے ادا بخت کی بیداری کا
ہاں مگر پاس رہے رسم وفاداری کا
ہو ضرورت تو مرے دیدۂ تر لیتا جا
ضَوفشاں جب تری قسمت کا ستارہ ہوگا
گنبدِ سبز کا جی بھر کے نظارہ ہوگا
اپنی رنگین بیانی میں اثر لیتا جا
جب ملے آہِ رسا کو تری اذنِ پرواز
کوئی تحفہ تو نہیں لائقِ سلطانِ حجاز
نذر کو چشمِ عقیدت کے گہر لیتا جا
ڈوبتی ناؤ کو ساحل پہ لگانے کے لئے
میری سوئی ہوئی قسمت کو جگانے کیلئے
روح میں سوز دعاؤں میں اثر لیتا جا
آہ میں طاقتِ پرواز نہیں ہو نہ سہی
نالہ تا بتر سے دمساز نہیں ہو نہ سہی
میری شب کرنے کو ہم رنگِ سحر لیتا جا
پہنچے جب سرورِ کونین کے کاشانے پر
تنگ ہے جامۂ ہستی ترے دیوانے پر
خیرہ شیفتہ خاکِ بسر لیتا جا
سر پہ ادبار کی گھنگھور گھٹا چھائی ہے
تیرے بدخواہ ہیں اور انجمن آرائی ہے
عرض پیشِ شہِ جن و بشر لیتا جا
السّلام اے شہ مکّی مدنی والعربی

خاص دربارِ شہنشاہ کے جانے والے
منزلِ رحمتِ اللہ کے جانے والے
جا سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا
کیوں نہ ہو، اوجِ افق پہ ترا نجمِ اُمید
میں نہیں جلوۂ جاناں کے اگر قابلِ دید
جا سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا
تو ہوا خیر سے موردِ کرمِ باری کا
شغل ہوتا درِ محبوب گہرباری کا
جا سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا
سامنے مسکنِ محبوبِ دل آرا ہوگا
باریابی کا سرِ بزم اشارا ہوگا
جا سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا
پہنچے تقدیر تجھے لے کے سرِ محفلِ ناز
مگر اک عرض ہو ناچیز کی اے بندہ نواز
جا سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا
بندِ آفت سے اسیروں کو چھڑانے کیلئے
قصۂ کاوشِ غم ان کو سنانے کے لئے
جا سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا
عشق میں جذبِ کامل نہیں ہو نہ سہی
دل تجلّی سے سرافراز نہیں ہو نہ سہی
جا سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا
کہیں اب روح ہو آمادہ نکل جانے پر
دل بے تاب بہلتا نہیں بہلانے پر
جا سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا
طاقتِ ضبط نہ یارائے شکیبائی ہے
تیرے خدام ہیں اور ذلّت و رسوائی ہے
جا سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا
السّلام اے قرشی ہاشمی و مطّلبی

السّلام اے مہِ اوجِ فلکِ خوش لقبی
السّلام اے گہرِ قلزمِ عالی نسبی
درِ آقا پہ عقیدت سے غلام آئے ہیں
ہند کے خستہ جگر بہرِ سلام آئے ہیں
لیجئے بندِ مصیبت کے اسیروں کا سلام
لیجئے بادشۂ کونین فقیروں کا سلام
فاقہ مستوں کا غریبوں کا امیروں کا سلام
قوم کے طفلوں کا، بیواؤں کا پیروں کا سلام
گر سلام اپنا قبولِ شہِ والا ہو جائے
شبِ تاریکِ مصائب میں اُجالا ہو جائے

(نوٹ) اگر خوش قسمتی سے کوئی عصمتی بہن اس سال حج کو جاتی ہوں اور مزارِ مقدس کی زیارت نصیب ہو تو مدنی آقا کے حضور میں میرا سلام عرض کر دیں۔ میں ان کی بہت ممنون ہوں گی۔

بیگم ڈاکٹر رفعت حسین صدیقی

آزادیٔ نکاح اور شادی

اکتوبر ۱۹۴۳ء کے عصمت میں جناب احتشام الدین صاحب دہلوی کا مفید مضمون "آزادیٔ نکاح اور شادی" نظر سے گزرا۔ فاضل مضمون نگار نے نہایت قابلیت سے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ مذہبی تعلیم سے بیگانگی ہی بیشتر ہندوستانی مسلم خواتین کی تباہی اور پستی کا سبب ہے۔ انہیں بہت کم علم ہے کہ مذہب اسلام نے ان کو مردوں کے برابر حقوق دیئے ہیں۔ انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح مردوں کے سپرد نہیں کیا وہ بھی انسان ہیں۔ بالکل ویسی ہی جیسے کہ مرد اپنے کو سمجھتے ہیں۔ انہیں اپنی پسند اور ناپسندی کی پوری آزادی ہے۔ وہ اپنے مصائب و تکالیف کا ازالہ خود نہیں تو عدالت کے ذریعہ کر سکتی ہیں۔ اپنے تمام حقوق حاصل کر سکتی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ مذہبی تعلیم سے ان کی ناواقفیت کا ذمہ دار کون ہے؟ مرد اور یقیناً مرد! مردوں نے تعلیمی ادارے قائم کئے مردوں ہی نے نصاب مرتب کئے۔ اور لطف یہ کہ اگر کسی لڑکی کی گھر پر تربیت اچھی نہیں ہوئی تو یہ مروجہ تعلیم نہ صرف لڑکیوں کے لئے ہی مضر ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ خاندان کے لئے بھی مصیبت ثابت ہوتی ہے۔ انکسار، سادگی اور سعادت مندی کے جذبے سے وہ قطعاً ناآشنا ہوتی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں ماں، باپ بھائی، بہن یا شوہر اور بچوں کے لئے ایسی لڑکی کہاں تک راحت کا سامان مہیا کر سکتی ہے؟ لیکن سچ تو یہ ہے کہ ہندوستانی مرد ابھی اس قدر فراخ دل نہیں ہوا کہ بخوشی عورت کو اس کے حقوق دیدے۔ اس کے ساتھ واقعی مساوی سلوک کرے۔

ایک شادی بیاہ کے معاملہ پر ہی کیا منحصر ہے۔ ہندوستانی عورت کا کس بات میں گلا نہیں گھونٹا گیا؟ اس کے کیا کیا حقوق غصب نہیں کئے گئے؟ حق وراثت ہی کو لے لیجئے لڑکی ماں باپ کے ہاتھ سے دی ہوئی چیز کے سوا باپ کے ترکہ میں حق دار مانی جاتی ہے؟ جن صوبوں میں برائے نام لڑکیاں شرعی حصہ کی حقدار ہیں۔ وہاں پر کتنی ایسی ہیں جنہوں نے حقیقت میں اپنا یہ حق حاصل کیا ہو؟ شادی کے سلسلہ میں تو خیر پھر بھی اب اکثر ماں باپ لڑکی کی پسند کا خیال رکھنے لگے ہیں مگر کیا شادی کے بعد اگر کوئی پیچیدہ حالت پیدا ہو جائے یا لڑکی اپنی اس نئی زندگی میں کسی وجہ سے مصائب میں گھر جائے تو اس کی کہاں تک مدد کی جاتی ہے؟ بیشک وہ جانتی ہے کہ اسلام نے اسے خلع کا حق دیا ہے لیکن ساتھ ہی اُسے یہ بھی تو علم ہے کہ ہندوستانی معاشرت میں یہ فعل کس قدر قابل نفرت اور مذموم ہے۔ ایسی عورت یہاں کی سوسائٹی میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے؟ ہرگز نہیں! اور یہی رسم و رواج کی بیڑیاں عورت کو ناقابل برداشت تکالیف جھیلنے پر مجبور کرتی ہیں۔ بیوہ کے لئے بھی اس ملک میں مصیبت ہے خدا نہ کرے کہیں اور اس کا وجود پایا جائے اگر خدانخواستہ بیوہ بے اولاد ہے تو بس جھگڑا ختم! لیکن اگر بیٹے پوتے بھی موجود ہیں تب بھی اس کے ساتھ کہاں تک انصاف کیا جاتا ہے؟ غریب عورت کس کس کے خلاف عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے؟ باپ بھائیوں کے شوہر کے عزیزوں کے؟ بیٹے کے اور پھر اگر فرض کیجئے کوئی صاحب عزم عورت ہمت کرے بھی تو اس کی کہاں تک امداد کی جاتی ہے؟ کیا اپنے بیگانے سب اُس سے متنفر نہیں ہو جاتے؟ بس یہی وہ بلند چٹانیں ہیں جو ہندوستانی عورت کی راہ میں حائل ہیں کسی قوم کے معتقدات اساسی کا تبدیل کرنا آسان کام نہیں اس لئے عورت کے متعلق ہندوستانیوں کے نظریہ کو بدل ڈالنا تنہا عورت کے بس کا نہیں اس کے لئے پہلے مردوں کو اپنی عالی ہمتی اور فراخدلی کا ثبوت دینا چاہیئے باپ بھائی بہنوں کے حقوق تسلیم کریں، شوہر بیوی کو گوشت و پوست کا بنا ہوا انسان سمجھے بیٹا ماں کے حقوق حقیقی معنوں میں ادا کرے تو عورت کی قسمت بدل سکتی ہے ورنہ حق یہ ہے کہ حقوق نسواں کے محض زبانی حمایت (وہ بھی اس وجہ سے کہ یہ انگریزی تہذیب کا ایک جزو ہے) عورت کو پستی سے نہیں نکال سکتی اور آجکل کی بی اے۔ ایم اے خاتون بھی درحقیقت اسی قدر بے بس دکھائی دیتی ہے جتنی آج سے ۵۰ برس پہلے کی جاہل عورت!

بلقیس جہاں آرا

سوتی لباس

جب میں شروع شروع میں دہلی آئی تو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ یہاں سوتی لباس کا قطعی رواج نہیں تھا اور اب ۹ سال بعد بھی یہی حالت ہے سوتی لباس پہننا معیوب سمجھا جاتا ہے مجھ کو یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کیونکہ ہمارے بنگالہ میں تو امیر سے امیر گھرانوں میں بھی روزانہ سوتی ساریاں پہنی جاتی ہیں اور سوتی ساریاں وہاں ملتی بھی طرح طرح کی ہیں۔ ڈھاکہ، سانتی پوری، ٹینگائل غرض بہت ہی فینسی قسم کی سوتی ساریاں پہنی جاتی ہیں اور معمولی مل کی ساریاں پہننا بھی عیب نہیں سمجھا جاتا بلکہ روزانہ گھر میں زیادہ تر یہی پہنی جاتی ہیں اور آنے جانے کے موقع پر ڈھاکہ وغیرہ کی ساریاں۔ جب سے جارجٹ کا رواج ہوا ڈھاکہ سانتی پوری کا رواج کم ہو گیا لیکن نئی دہلی، شملہ اور شمالی ہند کے دو ایک شہروں میں دیکھا کہ ریشمی کے سوا دوسری چیز پہننی حرام۔ مجھ پر اعتراض بھی ہوئے اور اشارۃً بتایا بھی گیا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے لیکن میں اپنی عادت سے مجبور تھی صبح گھر پہ ہوائے سوتی ساریوں کے ریشمی میں آرام ہی نہیں ملتا اور نہ میں اس کو صفائی کے لحاظ سے اچھا سمجھتی ہوں کہ ریشمی ساریاں استری کر کے سینکڑوں دفعہ پہنی جائیں۔ ہندوستان جیسے گرم ملک کے لئے تو سوتی کپڑوں کا ہی استعمال زیادہ موزوں ہے اور پھر خاص طور پر کام کاج کے وقت تو یہی اچھی ہیں۔ ہاں گھڑی دو گھڑی کو آنے جانے کے موقعوں کے لئے ریشمی کپڑوں کا مضائقہ نہیں۔ میں نے نئی دہلی میں عورتوں کو ہر وقت ریشم میں ہی دیکھا مگر جب میں پرانی دہلی گئی تو معلوم ہوا کہ وہاں بھی عام طور سے سوتی لباس پہنا جاتا ہے مگر پر چکن، جالی، تن زیب غرض اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کے سوتی کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ ریشمی کپڑے پہننا مجھ سے کہا گیا کہ پنجابی رسم ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے۔ مجھے نہیں معلوم لیکن میں نے اب تک پنجابیوں میں سے کسی کو بھی سوتی کپڑے پہنتے نہیں دیکھے بہر حال یہ رسم اب کافی عام ہو چکی ہے اور میری ناچیز رائے میں بری ہے خاص کر اس زمانہ میں جب ہر چیز پر آگ برس رہی اور گرانی نے حالت تباہ کر رکھی ہے۔ اگر یہ عادت چھوڑی نہیں گئی تو سخت مشکل کا سامنا ہوگا مشکل کیا دیوالہ نکلنے لگے گا۔ اس لئے چاہیئے کہ بنگال، مدراس اور یو پی کی رسم کے مطابق سوتی کپڑے پہننا شروع کیا جائے۔

سوتی کپڑا جس قدر آرام دہ ہوتا ہے۔ ریشمی نہیں ہو سکتا۔ سوتی کپڑا ہزار دفعہ دھل سکتا ہے اور خراب نہیں ہوتا صبح پہنئے شام کو اتار کر دھوبی کو دے دیجئے یا گھر پر دھو کر استری کر لیجئے۔ صفائی کے لحاظ سے سوتی کپڑا بہترین ہے۔

خوبصورتی میں بھی سوتی ساریاں ریشمی سے کم نہیں اگرچہ رواج کم ہونے کی وجہ سے شمالی ہندوستان میں ایسی نفیس سوتی ساریاں نہیں ملتیں جیسی بنگالہ اور مدراس میں۔ تاہم مل کی ساریاں بھی بہت ہی خوبصورت ہوتی ہیں۔ طرح طرح کی رنگوں اور کناروں کی ملتی ہیں۔ مدھورا اور مرہٹی ساریاں بھی بہت دیدہ زیب ہوتی ہیں۔ بلاوز کے لئے بھی ہزاروں قسم کے چھوٹے اور رنگین کپڑے ملتے ہیں۔ یہ بھی دھلنے والے اور پکے رنگوں کے ہوتے ہیں اور رنگ ملا کر پہننے سے نہایت ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں بچوں کا لباس تو ضرور ہی سوتی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جہاں بڑوں کے کپڑے ایک دفعہ دھلتے ہیں۔ بچوں کے چار دفعہ دھلوانے پڑتے ہیں۔ اور سوتی کپڑا ہی اپنا رنگ و روپ کھوئے بغیر بار بار دھل سکتا ہے سوتی کپڑوں کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ اب زیادہ تر اپنے ملک ہی کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ دوسرے ہمارے ملک کی مالی حالت کو دیکھتے ہوئے ہمارے لئے موزوں بھی یہی ہے کہ ہم کم قیمت لباس پہنا کریں۔ اور جب سب سادہ لباس پہنیں گے تو جو واقعی قیمتی کپڑے پہننے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ ان کو جھجک نہیں ہوگی۔ جلسوں اور پارٹیوں تک میں۔ امیروں کی پارٹیوں میں آج کل بے چارے غریبوں کو نہیں پوچھا جاتا۔ لیکن جلسوں میں اب تک یہ شرط نہیں لگائی گئی ہے (اگرچہ حالات کو دیکھتے ہوئے تعجب نہیں کہ بہت جلد بے چاری کم حیثیت عورتوں کو تو ہی جلسوں میں آنے کی اجازت بھی شاید نہ ملے)

(باقی صفحہ ۲۲۵ کالم ۲ پر)

عصمت دہلی

گمشدہ چیز کی تلاش

سنتے ہیں کیا بلکہ اکثر پڑھ چکے ہیں کہ ہمارے شعرا کے دل جب غائب ہو جایا کرتے تھے تو وہ ان کی تلاش میں در بدر مارے مارے پھرتے تھے۔ آدمی آدمی سے سوال کرتے تھے۔ در و دیوار سے پوچھتے تھے۔ شجر و حجر سے دریافت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کوچۂ دلدار کی خاک تک چھان ڈالتے تھے کہ دل گمشدہ ہاتھ آجائے۔ لیکن بدنصیبی سے ان کو اس جستجو میں ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا تھا اور دل ایسے غائب ہوتے تھے جیسے گدھے کے سر سے سینگ دل کے غائب ہونے کے بعد ان کا مشغلہ یہی رہ جاتا تھا کہ دن بھر کوچہ گردی کریں اور راتوں کو مجبور ہو کر نالہ و فریاد کریں۔ ان کی آہ و فغاں میں تاثیر ہو یا نہ ہو۔ لیکن ہمسایوں کی نیند تو ضرور حرام ہو جاتی تھی۔

لیکن آپ کو تعجب ہوگا کہ ہماری حلیمہ کی چیزیں جب غائب ہوتی ہیں۔ تو ان کی تلاش اس سرگرمی سے ہوتی ہے کہ متقدمین نے اپنے دل بھی کیا ڈھونڈے ہوں گے۔ آپ نہایت اطمینان سے بیٹھی کسی دلچسپ کتاب کے پڑھنے میں محو ہوں یا اگر مضمون نگار ہوں تو کوئی نیا مضمون لکھ کر اپنے دل کے آبلے پھوڑتی ہوں یا اگر شاعرہ ہوں تو فرضی عشق کے گیت گاتی ہوں، یا فیشن زدہ بیٹی کی والدہ ہونے کا فخر حاصل ہو تو اپنی صاحبزادی کے حالات پر غور کرتی ہوں یا ریڈیو کے عورتوں کے پروگرام کے لئے کوئی ایسی اصلاحی بات چیت لکھتی ہوں جس پر عمل کرنے کا نہ تو خود آپ کا ارادہ ہو اور نہ اس ناممکن امر کی آپ دوسروں سے خواہشمند ہوں یا اسی قسم کے کسی اور مرحلے پر غور کرتی ہوں کہ یکایک آپ کے کانوں میں ایسی پریشان کن آوازیں آتی ہیں کہ آپ کے خیالات تو بے وفا دوستوں کی طرح آپ کا ساتھ چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اور آپ یہی سوچتی رہ جاتی ہیں کہ "ایں! یہ کیا ہوا؟" یہ آواز اکثر تو حلیمہ کی ایڑی دار جوتے کے زمین سے تصادم سے پیدا ہوتی ہے یا (اگر کمرے میں فرش بچھا ہوا ہو اور پاؤں پٹخنے سے اتنی کرخت آواز پیدا نہ ہو سکتی ہو) تو ایک کتاب دوسری کتاب پر اتنے زور اور دھماکے سے پٹخی جاتی ہے، جیسے بیچاری کتاب ہی کا سارا قصور تھا۔ جب آپ کے حواس ذرا ٹھکانے ہوتے ہیں۔ تو آپ سنتی ہیں "

"میں کہتی ہوں آخر ہو کیا گیا؟"

اب آپ کی سمجھ میں آنا شروع ہوتا ہے کہ شاید کوئی چیز غائب ہو گئی ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ آپ اس کے آگے کچھ غور کر سکیں۔ آپ سنتی ہیں:-

"میں تو بالکل پریشان ہو گئی ہوں۔ آج صبح ہی کو تو بیٹھی لکھ رہی تھی۔ آخر ہو کیا گیا، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ رکھی رکھائی چیز کہاں اُڑ جاتی ہے۔ توبہ اللہ! گھر کیا ہو گیا مسافر خانہ ہو گیا چیز رکھی اور غائب!! (پھر میز پر کی تمام کتابیں الٹ پلٹ کر) یہیں تو میں نے رکھا تھا۔ کس نے اٹھایا؟ کون آیا تھا یہاں؟ (اتنی خراب عادت ہے ان بدتمیز گستاخوں کی (چھوٹے بھائی بہنا زد میں آجاتے ہیں۔) جس چیز کی ضرورت ہوئی بغیر پوچھے اٹھا لے گئے۔ (پکار کر) "کیوں سلیم! یہاں آؤ تم ہی میرا قلم لے گئے ہو!"

اب آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ قلم غائب ہوا ہے۔

"تمہارے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں آیا تھا۔" (سلیم بیچارہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ لیکن بار بار منہ کھول کر رہ جاتا ہے۔ کیونکہ حلیمہ کی تقریر کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتی) "اتنی دفعہ تم لوگوں سے منع کیا کہ ہمارے کمرے سے کوئی چیز نہ لے جایا کرو۔ لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ابھی امی سے کہہ کر تم لوگوں کو اچھی طرح پٹواتی ہوں۔ .. یہ بھی کوئی بات ہے کہ میری چیزیں اس طرح غائب ہو جایا کریں ... ہونہہ!! ... اچھی رہی ... !! (پھر سلیم کی طرف گھور کر) اب کھڑا منہ کیا دیکھتا ہے۔ جا کے ڈھونڈتا نہیں!!"

سلیم بیچارہ اپنی جان لے کر چلا جاتا ہے تو پھر تلاش شروع ہوتی ہے۔ میز کے اوپر نیچے، میز پوش کے نیچے، سنگھار میز کے اندر، درازوں کے منہ جمائیاں لینا شروع کر دیتے ہیں۔ کرسیاں اپنی اپنی جگہ تبدیل کر لیتی ہیں، بستر الٹ جاتا ہے تکیہ

اپنا لباس اُتار دیتا ہے مینٹل پیس کی تمام چیزیں بلندی سے اُتر کر
زمین کی پستی پہ آ رہتی ہیں۔ کتابوں کو جواب تک الماریوں میں اپنی اپنی
جگہ اطمینان سے کھڑی تھیں ان کی بے نیازی کی سزا ملتی ہے کہ
مالکہ تو اس طرح پریشان ہو اور وہ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کریں!
۔۔ جوتے بسینڈل۔ چپل جھاڑ جھاڑ کر دیکھے جاتے ہیں کہ قلم
انتہائی محنت سے گھبرا کر کہیں ان میں تو نہیں چھپ گیا ہے تصویروں
کے پیچھے اچانک جھانک کر دیکھا جاتا ہے۔ نماز کی چوکی اپنی جگہ سے
کھسک کر کمرے کے بیچوں بیچ میں آ رہتی ہے۔ جانماز گھبراہٹ
میں میز پہ جا کر دم لیتی ہے۔ چٹائی کے کونے ہر طرف سے اپنے کان
کھڑے کر لیتے ہیں۔ اور فرش کے جسم پہ مارے خوف کے جھریاں
پڑ جاتی ہیں۔

اس سب کے بعد بھی جب قلم کا کہیں پتہ نہیں چلتا تو تلاش
پھر از سرِ نو شروع ہو جاتی ہے۔ اگر اتفاق سے آپ وہیں بیٹھی
اپنے کام میں دل لگانے کی ناکام کوشش کرتی ہوں اور بدقسمتی سے
علیمہ سے سال دو سال چھوٹی بھی ہوں تو پھر تو شامت ہی آ جاتی ہے

" بیٹھی ہوئی ہیں بیگم صاحبہ۔ میں تو اتنی دیر سے حیران
ہو رہی ہوں اور ان اخلاق کی دیوی سے اتنا بھی نہیں ہوتا
کہ ذرا اُٹھ کر قلم تلاش کرنے میں میرا ہاتھ ہی بٹا لیں۔ اسی وقت
کی پڑھائی لکھائی ۔۔ سب فلاں من (علامہ کی تانیث) ہو
ہی جائیں گی۔ جب اتنی تمیز نہیں کہ بڑوں کے لحاظ ہی سے اُٹھ
کر کھڑی ہو جائیں۔ تو ایسی تعلیم سے فائدہ کیا؟ ۔۔
میرا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ اور یہ بیٹھی تماشہ دیکھ رہی ہیں"

یہ سننے کے بعد ہر حساس چھوٹی بہن اپنا کام چھوڑ کر ضرور
اُٹھ جاتی ہے۔ اور وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے قلم کی تلاش میں
مشغول ہو جاتی ہے۔

"میں کہتی ہوں آخر ہوا کیا قلم؟" پھر سے شروعات
ہوتی ہے۔ "اس کے پیر تو لگ نہیں گئے تھے کہ خود بخود ٹہلتا
ہوا یہاں سے چلا گیا۔ ۔۔ اس کمرے میں تو میں نے
ڈھونڈ ڈالا کہیں ہے نہیں۔ ۔۔ حامدہ!!
اری او حمّو!! ۔۔ بیٹھی گڑیا کھیل رہی ہے!! ۔۔
پڑھنا لکھنا تو ہے نہیں۔ دن رات کھیل کود ہے اور یہ میں!

ثریا کہاں ہے؟ وہی ہر وقت کمر ہنڈ ڈالنے کے لئے میرا قلم
لے جاتی ہے۔ وہ نہیں تو شبیہہ لے گئی ہوگی۔ ۔۔ اُس
روز جو میرا قلم کھو یا تھا تو اسی کے جوڑے میں سے نکلا تھا۔
۔۔ ممّو جا کر نسیم سے تو پوچھو وہ تو اُٹھا کر نہیں لے گیا؟"

ان احکام کے بعد گھر کا نقشہ یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کے
پاؤں میں جیسے پہیا لگ گیا ہو۔ کوئی ادھر ہے تو کوئی ادھر۔
کوئی کھانے کے کمرے میں ہے تو کوئی ڈرائنگ روم میں۔ کوئی
ریڈیو کے کمرے میں ڈھونڈھ رہا ہے تو کوئی ڈریسنگ روم میں
یہاں تک کہ غسل خانہ اور باورچی خانہ تک کا کونہ کونہ چھان
مارا جاتا ہے۔ لیکن قلم کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔

"یا اللہ توبہ!! میں تو اس قلم کے پیچھے ہلکان ہو گئی"
حالانکہ صرف وہی نہیں بلکہ سارا گھر پریشان رہتا ہے۔

"مل جائے اب تو توڑ کر نہ پھینک دوں تو علیمہ نام نہیں! نہ قلم
رہے گا۔ نہ ہر وقت غائب ہوا کرے گا۔ دیکھوں پھر گھر بھر کا کام
کیسے چلتا ہے۔ ۔۔ اور کسی کے پاس قلم نہ ہو تو صبر بھی
آ جائے۔ لیکن نہیں وہ تو میری چیزوں سے ضد ہے!! ۔۔
۔۔ اپنے قلم کی کہیں نب ٹیڑھی ہے۔ تو کبھی روشنائی نہیں۔
کبھی کیپ غائب تو کبھی پورے قلم کا پتہ نہیں۔ ۔۔ وہ تو سیدھا
راستہ میرا کمرہ ہے۔ ۔۔ جس چیز کی ضرورت ہوئی اُٹھا لے
گئے۔ ۔۔ ٹھیر جاؤ آج تم لوگ سب۔ ابھی جا کر اتی جان سے
شکایت کرتی ہوں۔ تو تم لوگوں کو معلوم ہوگا۔ ۔۔ میں جو ہمیشہ
خاموش رہتی ہوں، اسی کا نتیجہ ہے۔ ۔۔ ایک قلم ہی پر
کیا منحصر ہے۔ میری تو ہر چیز غائب ہوا کرتی ہے۔ کنگھا ہے تو
وہ کبھی اپنی جگہ پر نہیں رہتا۔ کریم ہمیشہ میز کرسیوں کی چھائیاں
اور کہاسے دور کرتی رہتی ہے۔ تیل سے زمین کے سر کو ٹھنڈک
پہنچائی جاتی ہے۔ پاؤڈر ہمیشہ میز کے حسن کو دوبالا کرتا رہتا
ہے۔ رہا برش تو اس سے ایک روز جھاڑو دی جائے گی۔
۔۔ یہ گت ہے میری چیزوں کی۔ میری تو جان ضیق
میں ہے۔ ایک دن غصہ آئے گا۔ تو سب چیزیں اُٹھا کر
پھینک دوں گی۔ تب ان لوگوں کو پتہ چلے گا۔"

میزوں کی گھڑ گھڑاہٹ۔ کرسیوں کی چوں چوں۔

دروازوں کا دھڑاکے سے کھلنا اور بند ہونا - ہماری حلیمہ کے چیخنے کی آواز سے مل کر جب عجیب کورس پیدا کرتے ہوتے ہیں۔ تو امّی جان کو بھی خبر ہو جاتی ہے - وہ وجہ دریافت کرنے کے لئے جو تشریف لاتی ہیں - تو حلیمہ ذرا ڈھیلی پڑ تی ہیں -

"امّی جان میرا قلم معلوم نہیں کہاں غائب ہو گیا ؟"

وہ رونی آواز میں شکایت کرتی ہے۔

"غائب کیوں ہونے لگا بیٹی اس کی کلپ ٹوٹ گئی تھی - تو تم نے ہی تو ایک گھنٹہ ہوا بنوانے کے لئے بھیجا ہے۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ بھول گئیں ؟"

حلیمہ کھسیانی ہنسی ہنس کر اپنے کمرے پر نگاہ ڈالتی ہیں۔ جس کو دیکھ کر یہی گمان ہوتا ہے کہ اس میں بگولا گھس گیا تھا - اور تمام چیزوں کو تہ و بالا کر کے ابھی نکل کے بھاگا ہے - وہ اس کی درستی میں مشغول ہو جاتی ہیں لیکن اس دفعہ نہایت خاموشی سے !! ۔۔ ۔۔

گھر بھر میں ایسا سکوت چھا جاتا ہے جیسے ایک قیامت خیز طوفان کے گزر جانے کے بعد ۔۔ ۔۔ !!

اُمِ سلمیٰ فیاض علی

بچّوں کی تربیّت

یوں تو ہر زمانے میں اہلِ بینش نے بچّوں کی تعلیم و تربیت پر زور دیا ہے۔ ... وسیع معلومات کی روشنی میں اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے لیکن ... کا مطالعہ شروع ہوا ہے اور نئے نئے انکشافات ظہور میں ... ہیں بچّوں کی تربیت ہماری متمدّن زندگی کا ایک اہم عنصر بن گئی ہے۔ چونکہ ہمارے اقتصادی حالات کو بچوں کی تربیت میں بہت کچھ دخل ہے اس لئے میں ہندوستانی سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے بچّوں کی تربیت پر علیحدہ علیحدہ روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گی :-

۱۔ **مزدور طبقہ**۔ ہمارے یہاں کی مزدور جماعت کا عموماً یہ حال ہے کہ مزدور اپنے تمام گھر میں فردِ واحد ہے جس کے ذمّہ تقریباً نصف درجن اشخاص کے اخراجات کی کفالت ہے۔ معاش کی پریشانیاں اس کو بچّوں کی تربیت کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتیں اور نہ اس کا اتنا شعور ہوتا ہے کہ وہ فرصت کے وقت اس مسئلہ پر غور کر سکے اور نہ اس کی رفیقۂ حیات اتنی تعلیم یافتہ ہوتی ہے کہ وہ بچوں کی تربیت کے فرض سے کما حقہٗ عہدہ برآ ہو سکے علاوہ ازیں اس کے گھر کی ذمّہ داریاں ہی اس کو سانس لینے کا موقع نہیں دیتیں۔ بہرحال ایک مزدور کا بچہ ابتدائے ولادت ہی سے بعینہٖ اس طرح پرورش پاتا ہے جس طرح کسی پہاڑ یا بیابان میں چھوٹا سا پودا جس طرح کہ اس پودے کی نگہداشت کے لئے نہ کوئی مالی ہوتا ہے اور نہ اس کی باقاعدہ آبیاری ہوتی ہے اور نہ اس کو مناسب کھاد ملتا ہے بلکہ لُو کے تُند جھونکوں اور بارش کے طوفانوں میں بھی وہ اپنی نازک ٹہنیوں اور کمزور جڑوں کے باوجود زندگی کا ثبوت ہے اُسی طرح مزدور کے بچّے کے لئے موسمی تبدیلیاں، ماں کے دودھ میں صحیح غذا نہ ملنے کی وجہ سے مُضر اثرات بظاہر کوئی وقیع حیثیت نہیں رکھتے۔ جاڑوں کے موسم میں یہ بات عام طور پر مشاہدہ میں آتی ہے کہ غریبوں کے بچے نہایت آزادی سے برہنہ سرگشت کر رہے ہیں نہ ان کو سردی ستاتی ہے اور نہ وہ نمونیہ کا شکار ہوتے ہیں یا یوں کہئے کہ وہ ان تکلیفوں کے عادی ہو گئے ہیں۔ بہرحال قدرت ان کی نگہبان ہوتی ہے اور وہ ہی ان کے مستقبل کی ضامن، اس لئے کہ غریب کے بچّے کے سامنے کوئی تجویزہ مستقبل تو ہوتا نہیں وہ تو اپنے مستقبل سے اس طرح دوچار ہوتا ہے جس طرح کہ بیابان میں پودا جو خود بخود بڑھ کر درخت بن جاتا ہے اور برگ و بار دینے لگتا ہے۔ بہرنوع اس طرح مزدور کے بچہ میں بعض قابلِ قدر خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً خود اعتمادی مشکلات کے مقابلہ کے لئے تاب و تواں۔ قوتِ ارادی کا استحکام۔ اور یہی صفات اس کے مستقبل کی تعمیر کرتی ہیں۔ غریبوں کے بچّوں کی تربیت حقیقی معنوں میں اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ ہمارے ملک میں کوئی قومی حکومت معرضِ وجود میں آئے اور وہ قوم کے ہر فرد کے بچّہ کی نگہداشت اپنا فرضِ اولین سمجھتے ہوئے مزدوروں کے بچّوں کی تربیت کے واسطے پبلک نرسریوں وغیرہ کا انتظام کرے۔

۲۔ **اوسط درجہ کے لوگ**:۔ ان لوگوں کو ہماری زبان میں خوش حال کہتے ہیں یعنی وہ طبقہ جس کو معاش کی طرف سے بہت کم پریشانی ہوتی ہے اور جس میں تعلیم کا بھی چرچا ہے اس طبقہ کے ہر فرد کے ذمّہ بالعموم چند اشخاص کی خوراک کا انتظام ہوتا ہے اور یہ اشخاص خود اس کے بیوی بچے ہوتے ہیں۔

اس طبقہ میں تعلیم کی موجودگی اور سیاسی شعور کی وجہ سے اس بات کا احساس پایا جاتا ہے کہ بچوں کی معقول تربیت ہونی چاہیئے لیکن یہ احساس عملی صورت بہت کم دیکھتا ہے اس کے مختلف وجوہ ہیں۔ اول تو یہ کہ بچوں کی نفسیات کا مطالعہ اور اس کے جبلی میلانات کا پتہ لگانا بڑے دشوار امور ہیں۔ اور اگر بچوں کے رجحانات کا پتہ بغور مطالعہ کے بعد لگا بھی لیا جائے تو اس کے بعد کا قدم اور بھی زیادہ مشکل ہے اس لئے کہ بچوں کے جبلی میلانات کے مطابق اس کے نفسی قویٰ کے ارتقا کا انتظام کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ علاوہ ازیں اس طبقہ کے افراد کے محدود ذرائع آمدنی اور محدود لمحات اس بات کی کہاں اجازت دیتے ہیں کہ اس سلسلہ میں جن افراد کی مدد کی ضرورت ہے ان کو بہم پہنچایا جا سکے۔ جمہوری حکومتوں میں البتہ اس قسم کے وسائل موجود ہیں مثلاً نفسیاتی مشورہ دینے والے ادارے۔ جہاں ماہرین فن اپنی وسیع معلومات و تجربات کی روشنی میں عوام کو مفت مشورہ دیتے ہیں۔ یہ ادارے بعض مقامات پر بچوں کی درسگاہوں۔ نرسریوں وغیرہ سے ملحق ہوتے ہیں اور اس الحاق کا فائدہ یہ ہے کہ بچوں کے نفس (Personality) کا مناسب نشو و نما ہوتا ہے بہرحال چونکہ ہمارے ملک میں اس نوعیت کے اداروں کا قحط ہے اس لئے اوسط درجہ کے افراد کے بچوں کا بھی کچھ حال نہیں ہے۔ بچوں کی زندگی کے ابتدائی چار سال (جس کے بعد بسم اللہ ہوتی ہے) والدین کے غیر مرتب میلانات کے مطابق گزر جاتے ہیں۔ اس چار سالی کی مدت میں بچوں کی نگہداشت بہت کچھ ماں کرتی ہے۔ بشرطیکہ اس کو گھر کی ذمہ داریوں سے فرصت مل جائے ورنہ بچہ کسی آیا یا کسی غریب لڑکے کے پلے پڑتا ہے۔ اس طبقہ کے لوگ آیا یا کسی غریب لڑکے کو اس لئے ملازم رکھ لیتے ہیں تاکہ بچے کی ماں کو امور خانہ داری کی طرف توجہ کا موقع مل جائے۔ چنانچہ ان آیاؤں یا غریب ملازموں کے ہاتھوں بچوں کی جو گت ہوتی ہے اس پر افسوس ہوتا ہے میں نے بعض بڑے بڑے شہروں میں دیکھا ہے کہ آیائیں بچوں کو لیکر فٹ پاتھ (foot path) پر بیٹھ جاتی ہیں۔ اور یہ آیائیں آپس میں باتوں میں مصروف ہوتی ہیں۔ درآں حالیکہ بچہ راستے کی خاک چاٹتے رہتے ہیں۔ بچوں کے ساتھ یہ رویہ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ بچہ کی تربیت مقصود نہیں ہے بلکہ اس کو وبال جان سمجھ کر اس سے کسی طرح چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے تاکہ اپنے بعض غیر ضروری امور کی طرف توجہ کی جا سکے۔ ابتداء میں بچہ کی اس طرح تربیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ گھر کے لئے مصیبت ہے اور اس طرح والدین غیر شعوری طور پر بچہ میں آوارہ گردی کی بنا ڈالتے ہیں۔ جاہل آیاؤں کے ساتھ رہکر بچہ میں بعض خراب اخلاق عادتیں تدریجاً پیدا ہو جاتی ہیں اور جب بچہ گھر کے قیام کے چند لمحات کے دوران میں بعض برے الفاظ اپنی زبان سے نکالتا ہے تو والدین کے غم و غصہ کا شکار ہوتا ہے اور چونکہ بچوں کے فطری میلانات کا علم نہیں ہوتا اس لئے اس کو بعض چیزوں کے کرنے سے روکا جاتا ہے اور بعض کاموں کے کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے جس کا کوئی تعمیری نتیجہ نہیں ہوتا۔ اس طبقہ کے افراد کو چاہیئے کہ وہ اپنے سیاسی شعور اور محدود وسائل کو کام میں لاتے ہوئے بچوں کی مناسب تربیت کریں اور جاہل آیاؤں وغیرہ کے مسموم اثرات سے بچوں کو محفوظ رکھیں۔

۳۔ سرمایہ داروں کا طبقہ اس طبقہ کی حالت دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ غالباً والدین کی ذمہ داری صرف اس حد تک ہے جس حد تک کہ بچہ کی پیدائش کا تعلق ہے۔ بعد ازاں بچہ کی تربیت سے والدین کو کوئی سروکار نہیں بلکہ بچہ کی تربیت ان چند کرایہ کے اشخاص کے ذمہ ہے جو اس کام کے لئے ملازم رکھے جاتے ہیں۔ مثلاً نینی۔ آیا اور بیرا۔ ان اشخاص کے سپرد بچہ کی تربیت و خدمت ہوتی ہے۔ سرمایہ دار بالعموم کسی انگریز یا اینگلو انڈین نینی کی خدمات بچوں کی تربیت کے لئے حاصل کر لیتے ہیں چنانچہ جب بچہ آنکھ کھولتا ہے تو بجائے حقیقی ماں کے نینی کو اپنا مربی پاتا ہے نینی کی خدمات حاصل کرنے کے کئی مقاصد ہیں۔ اول تو یہ کہ ماں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ وہ بچہ کی ہر چھوٹی چھوٹی ضرورت کی طرف متوجہ ہوکر اپنی آزادی اور راحت میں فرق ڈالے۔ دوسرے "الناس علیٰ دین ملوکہم" کے مطابق اینگلو انڈین نینی کے ذریعہ بچہ میں وہ صفات و خصوصیات پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جن سے وہ مستقبل میں ان کے نظریہ کے مطابق مہذب انسان بنے چنانچہ یہ دیکھا ہے کہ دو سال کی عمر کے بعد بچہ کی زبان پر چند ٹوٹے پھوٹے انگریزی کے الفاظ ہوتے ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے مفہوم کو ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ کہ وہ اپنی مادری زبان کا ایک لفظ بھی نہیں جانتا۔ حیرت تو یہ ہے کہ والدین (جن کو بچہ کی صورت دیکھنے کا بہت کم موقع ملتا ہے) بچہ کی زبان سے انگریزی کے الفاظ سن کر بیحد مسرور ہوتے ہیں۔ بلاشبہ بچہ اپنی نینی کی تربیت کے سایہ میں مقررہ اوقات پر سونا۔ کھانا کھانا اور انگریزی کے چند الفاظ وغیرہ سیکھ لیتا ہے۔ سرمایہ داروں کا بچہ جب اپنے گرد ہر وقت ملازموں کو دیکھتا ہے جو ہر وقت اس کے اشارہ کے منتظر رہتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس میں خود اعتمادی

اور اپنا کام خود کرنے کی عادت کبھی نہیں پیدا ہوتی۔ میں نے تو یہاں تک دیکھا ہے کہ سرمایہ دار کا بچہ ۹ سال کی عمر میں بھی اپنا کمربند نہ باندھ سکتا تھا۔ وہ اپنے پاجامہ کو اس وقت تک ہاتھ میں لئے کھڑا رہتا تھا جس وقت تک کہ بیرا یا خیتی آن کر اس کی مدد نہ کرے۔ بچہ کی تربیت کی طرف سے والدین کی کنارہ کشی نہایت افسوسناک ہے اور خصوصاً ماں کی بے رخی سخت مضر ہے بچہ کی تربیت کو قطعی طور پر غیر کے سپرد کر دینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ سرمایہ داروں کے طبقہ میں ماں اگر چاہے تو بچے کی تربیت کے لئے کافی دولت نکال سکتی ہے اور بچے کے اندر وہ تمام خصوصیات پیدا کر سکتی ہے جو بچہ کی آئندہ زندگی کے بنانے کے ضامن ہیں۔ اس لئے کہ ماں کو امور خانہ داری میں زیادہ وقت صرف نہیں کرنا پڑتا۔ ماں کو اپنے ذہن سے یہ خیال نکال دینا چاہیئے کہ انگریزی کے چند جملے سیکھ کر یا انگریزی طرز معاشرت ہی سے بچے مہذب کہلائیں گے۔ ہم مشرقی تہذیب کے علمبردار ہیں۔ اور ہمیں اپنی مشرقی تہذیب و تمدن ہی پر فخر کرنا چاہیئے اور جہاں تک ہو سکے بچے میں اپنا کام خود کرنے کا جذبہ پیدا کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ خود اعتمادی ہی اپنے امور میں فیصلہ کی استعداد پیدا کرتی ہے اور یہ قوت فیصلہ ہی ہے جو بچہ کی فائز المرامی کی ضامن ہوگی۔

افضل النساء بیگم اسرائیلی

عورت سے

اوراق پہ ماضی کے نہیں اس کی نگاہ
شاہد تری طاقت کی ہے اکبر کی سپاہ
دنیا تجھے کہتی ہے کہ ہے عضوِ ضعیف
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

اک آتش رنگیں میں جلی جاتی ہے
بے سوچے نئی رہ پہ چلی جاتی ہے
اجداد کی تہذیب سے پھر کر یکسر
یورپ کی مشینوں میں ڈھلی جاتی ہے

سمجھی ہے کہ ہر قید سے آزاد ہوئی
معصوم تھی صدیوں سے تو اب شاد ہوئی
افسوس نسائیت کو مٹا کر اپنی
ایمان کی تو یہ ہے کہ برباد ہوئی

تو زہر کی تاثیر بدل سکتی ہے
ہر بخت کی تحریر بدل سکتی ہے
ہے تجھ میں وہ جوہر کہ اگر تو چاہے
تو قوم کی تقدیر بدل سکتی ہے

قوت کا تری ہو مرے لب پہ اقرار
عظمت سے تری کو نہیں سکتا انکار
ہوں منتظر اے روح روان عالم
پھر شان نسائی سے تو آجا اک بار

وقار واثقی

(بقیہ صفحہ ۲۴۸)

شہد کھا جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مگس بان اگر اس موم کا بنیادی حصہ اگر بنا بنایا دے تو مونوں کا وقت بچ جائے گا اور محنت بھی کم پڑے گی۔ اسی مقصد سے جدید مگس بانی میں ہر فریم پر موم کی ایک ایسی پرت چسپاں کر دی جاتی ہے جس پر (Cells) خانوں کی جسامت کے برابر نشان بنے ہوں اس کو کومب فاؤنڈیشن کہتے ہیں۔ موم کی اس تہ پر نشان بنانے کی مشین سب سے پہلے مہرنگ نے ۱۸۵۷ء میں ایجاد کی۔ یہ جدید مگس بانی میں ایک زبردست ایجاد تھی۔ اب ہندوستان میں دو تین کومب فاؤنڈیشن ملز (Comb Foundation mills) موجود ہیں۔ لیولیگوٹ اسپری سے تیار کی ہوئی کومب فاؤنڈیشن دستیاب ہو سکتی ہے۔ ہمارے ملک کی مونیں ۵½ سے ۵¾ خانے فی انچ کی لمبائی میں بناتی ہیں۔

مونیں خالص موم سے ہی تیار کی ہوئی کومب فاؤنڈیشن کی بنیاد پر اپنے خانے بناتی ہیں۔ حالانکہ امریکہ میں روٹ کمپنی نے کسی قدر آمیزش کے ساتھ موزوں کومب فاؤنڈیشن تیار کرنا شروع کیا ہے، جسے کامیابی کے ساتھ مونوں نے قبول کیا ہے۔ یورپ اور امریکہ میں اب کومب فاؤنڈیشن بنانے کے بڑے بڑے کارخانے موجود ہیں۔ جہاں پر روز میلوں لمبی کومب فاؤنڈیشن کی پرتیں (Sheets) تیار کی جاتی ہیں۔ اس طرح سے پیمانہ پر کومب فاؤنڈیشن بنانے کا طریقہ (Weeds Process) ویڈس پروسس کہلاتا ہے۔ (ختم شد)

بیگم م۔ ح۔ ہاشمی

مگس بانی

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

ہنی فلو ہر جگہ وہاں کے پھولوں کے مطابق سال میں ایک یا دو مرتبہ چند دن ایسے ہوتے ہیں جب ہر طرف پھول ہی پھول بہ افراط نظر آتے ہیں اور مونیں تمام دن جلدی جلدی خوشی میں جھوم جھوم کر نکٹر اور پولن کے بوجھ لا لا کر شہد کا انبار لگا دیتی ہیں۔ اسی موسم کو (HONEY FLOW) ہنی فلو کہتے ہیں۔ جب ہنی فلو کا زمانہ قریب ہو اس کے ایک ہفتہ قبل مضبوط کالنیز کے اوپر سُپر (SUPER) چڑھا دینا چاہیئے۔ سُپر جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ ہائیو کے اس اُوپری حصے کو کہتے ہیں۔ جس میں شہد اکٹھا کیا جائے۔ عموماً سُپر دو طرح کے ہوتے ہیں۔ (۱) پوری اونچائی کا (FULL DEPTH) جس کی بلندی بالکل برودچیمبر کے برابر ہو۔ اور (۲) ہاف ڈیپتھ (HALF DEPTH) جس کی اونچائی نصف ہوتی ہے۔ سُپر کے فریموں کا ¾ حصہ جب شہد سے بھر جائے اس وقت سُپر اتار لینا چاہیئے۔ اور مونوں کو ہائیو کے اندر جھاڑنے کے بعد شہد سے بھرے فریم ایپیری کے اس الگ اور بند کمرے میں لے جانا چاہیئے جسے ہنی روم (HONEY ROOM) کہتے ہیں۔ کمرہ بند رہنے کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ مونیں شہد پر حملہ کرنے کے بعد اپنی عادت کے مطابق لوٹ مار (ROBBING) نہ شروع کریں۔

شہد نکالنا شہد سے بھرے مومی خانے زیادہ تر مُہر بند ہوتے ہیں۔ ان کی مُہر علیحدہ کرنے کے لئے ایک لمبا چاقو ہوتا ہے جسے ان کیپنگ نائف (UN-CAPPING KNIFE) کہتے ہیں۔ اس چاقو کو گرم پانی میں تھوڑی دیر رکھنے کے بعد شہد سے بھرے فریموں کی سطح پر آہستہ سے ہوشیاری کے ساتھ پھیرنے سے شہد کے خانوں کی مہر بند ٹوپیاں چھیل لی جائیں۔ اب ان شہد کے فریموں کو ہنی ایکسٹریکٹر (HONEY EXTRACTOR) میں رکھ کر چکر دیا جائے۔ اس دائرہ نما طاقت سے جسے انگریزی میں (CENTRIFUGAL FORCE) کہتے ہیں قریب قریب سارا شہد مومی خانوں سے نکل کر مشین میں آجاتا ہے۔ جس کے [illegible] چھوٹے پیمانے پر شوقیہ کام کرتا ہو وہ سولر ہنی ایکسٹریکٹر (SOLAR HONEY EXTRACTOR) خرید سکتا ہے۔ یہ ایک چھوٹے بکس کی طرح ہوتا ہے جس کا ڈھکن شیشے کا بنا ہوتا ہے۔ تاکہ سورج کی شعاعیں گزر سکیں اور دھوپ کی گرمی سے رکھے ہوئے چھتے سے شہد پگھل پگھل کر بکس کی تہ میں جمع ہو جائے۔ موم ہلکا ہونے کے سبب سے شہد کے اوپر تیرتا رہے گا۔ اس طرح شہد حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ طریقہ اس لئے بُرا مانا جاتا ہے کہ یہ جدید طرز سے مگس بانی کرنے کے ایک زبردست اصول کو رد کرتا ہے یعنی اتنی محنت و مشقت سے تیار کئے ہوئے مومی چھتے برباد ہو جاتے ہیں۔ جبکہ ہنی ایکسٹریکٹر سے شہد نکالنے میں وہی چھتے فریموں پر جوں کے توں چسپاں رہتے ہیں۔ اور ہر سال بار بار استعمال میں آتے ہیں۔

شہد کو چھان لینے کے بعد ۱۴۰ سے ۱۶۰ درجہ فارنہائٹ پر نصف گھنٹہ تک گرم رکھنا چاہیئے۔ اس عمل کو پروسنگ (Processing) کہتے ہیں۔ اس ترکیب سے شہد ایک عرصہ تک خراب نہیں ہو سکتا۔ پروسس کرنے کا طریقہ یہ ہے:- ایک برتن میں چند لکڑی کے ٹکڑے ڈالے جائیں اور پھر پانی اس قدر لیا جائے کہ جن بوتلوں یا ٹینوں میں شہد ہو ان کی گردن سے ذرا نیچے پانی کی سطح ہو۔ اب نیچے سے گرمی پہنچائی جائے اور ۱۴۰ سے ۱۶۰ درجہ حرارت (فارنہائٹ) پر نصف گھنٹہ تک گرم رکھا جائے۔

شہد کو بوتلوں میں بھرنا اب شہد کو پانی میں گرم کی ہوئی صاف شفاف بوتلوں میں بھر لیا جائے۔ بھرتے وقت خیال رہے کہ بوتلوں کو کسی قدر ترچھا رکھنا چاہیئے تاکہ ہوا کے بلبلے نہ شامل ہو سکیں۔ اس کے بعد صفائی سے عمدہ اور رنگین قسم کے حسب خواہش لیبل لگا کر بوتلیں کسی ٹھنڈی اور خشک جگہ رکھنی چاہیئے۔ شہد کے لئے اگر ½ پونڈ، ایک پونڈ اور ½ ۲ پونڈ کی بوتلیں استعمال کی جائیں تو بہت اچھا ہے تاکہ ان کی فروختگی میں آسانی ہو۔ شہد ٹین کے ڈبوں میں بھی رکھا سکتا ہے۔ لیکن شیشے کی بوتلوں میں [illegible] خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ فروختگی کا سوال نہایت آسان [illegible] شہد کے دلدادہ ایپیری میں خود آکر شہد خریدتے [illegible]

[illegible]ات کے ذریعہ شہد خوب تھوک پر فروخت ہو سکتا ہے۔ ہندوستان میں شہد پیدا کرنا مشکل ہے لیکن فروختگی نہایت آسان ہے۔

شہد کے فوائد

شہد انسان کے لئے ایک نہایت ہی بیش قیمت عطیہ ہے۔ یہ بذات خود ایک مکمل غذا ہے جس میں دنیا کی بہترین مٹھاس، مادی اشیاء اور حیاتین موجود ہیں۔ شہد میں وہ قدرتی شکر موجود ہیں، جو روز کے استعمال والی چینی سے ہزار درجہ بہتر اور صحت بخش ہیں۔ زمانۂ قدیم سے شہد انسان کی مختلف بیماری میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ پرانے زمانہ میں مونوں کو شہد کے ساتھ پیس کر آنکھ کی بیماریوں، دانت کے درد، مسوڑھوں اور گلا پکنے میں نہایت کامیابی سے لگاتے تھے۔ چینی تو مونوں کو جلا کر ان کی راکھ شہد میں ملاتا تھا اور ہر مرض میں استعمال کرتا تھا۔ موجودہ زمانہ میں بھی شہد کے بکثرت فوائد بتائے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر بک کا قول تھا کہ دماغی اور جسمانی تھکاوٹ اور کام کی زیادتی میں شہد سے زیادہ مفرح یا طاقت بخشنے والی چیز ڈاکٹروں کے پاس نہیں۔ اس لئے جرمنی کے باشندے خوب شہد کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کے یہاں شہد کسی دوسرے ملک کے لئے بھیجنا قانوناً منع ہے۔ جرمنی کے لوگ شہد کے اتنے دلدادہ ہیں کہ وہ گرم پانی میں چند چمچے شہد ملا کر پیتے ہیں اور اس لطیف و مفرح دل کو جرمن شہد کی چائے کے نام سے پکارتے ہیں یعنی (German Honey Tea)
دنیا کی مشہور تیرنے والی ایتھل ہرٹل (Ethyl Hertel) نامی خاتون نے ٹورونٹو (toronato) میں تیرنے کا مقابلہ کرتے وقت یہ بیان دیا کہ وہ برابر شہد کا استعمال کرتی رہیں اور تیرنا شروع کرنے سے قبل اور تیرنے کے بعد بھی شہد کھایا۔ انھوں نے اپنی کامیابی سے دنیا بھر میں شہرت حاصل کی۔ کھیل کود حصہ لینے والے دوسرے لوگ بھی برابر شہد کا استعمال کرتے ہیں اور اپنے ذاتی تجربے سے اسے بہترین صحت بخش نعمت قرار دیتے ہیں۔

شہد بوڑھے، جوان اور بچوں سب ہی کے لئے مفید ہے اس سے ہاضمہ اچھا رہتا ہے۔ بدن میں طاقت اور چستی آتی ہے۔ موٹے آدمی اگر اپنا موٹاپا [illegible] ایک گلاس پانی میں ایک یا دو چمچے شہد [illegible] شہد لینا چاہئے [illegible]

شہد میں بہت سی مادی اشیاء موجود ہیں۔ اور لوہے کا جزو بھی موجود ہے۔ یہ خوراک کمزور آدمیوں کے لئے نہایت موزوں ہے۔ شہد خون کی کمی کو بھی دور کرتا ہے۔

پرانے وقتوں سے شہد کا استعمال فن جراحی میں بکثرت ہوتا آیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ لڑائی کے زمانے میں سپاہیوں کے تلوار کے گھاؤ شہد ہی سے پُر کئے جاتے تھے۔ پھوڑے پھنسیوں اور کاربنکل میں تو شہد اکسیر قرار دیا جا سکتا ہے۔ محض شہد کا لیپ لگانے سے پھوڑے ٹوٹ جاتے ہیں اور مواد کی اچھی طرح صفائی ہو جاتی ہے۔

رات کو سوتے وقت آنکھوں میں شہد لگانے سے بینائی پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے اور آنکھ کے تمام امراض کے لئے شہد مفید ہے۔ بچوں کے دانت نکلتے وقت شہد کا استعمال ہر گھر میں ہوتا ہے۔ اگر چینی کے بجائے بچوں کو شہد کی مٹھائیاں کھلائی جائیں یا صرف شہد دیا جائے تو ان کے دانت اور مسوڑھے نہ خراب ہوں گے۔ اہل یونان کا عقیدہ تھا کہ شہد کھانے سے عمر دراز ہوتی ہے۔ تواریخ میں بہتری مثالیں اس بات کو ثابت کرنے کے لئے موجود ہیں۔ جس بات کی حیات عموماً بڑی دیکھنے میں آتی ہے۔

اسلامی نقطۂ نگاہ سے شہد کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے مضمون کے شروع میں ہی سورۂ النحل کا حوالہ دیا جا چکا ہے۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلعم شہد کو ہر مرض میں مفید بتایا کرتے تھے اور اسے پاک صاف متبرک اور مقوی غذا قرار دیتے تھے۔ کلام پاک میں اس نعمت کا ذکر بار بار آیا ہے۔ شہد جیسی عمدہ اور بہترین نعمت کے لئے خداوند عالم کا جس قدر بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ انجیل مقدس میں بھی شہد کا ذکر اور اس کے مفید ہونے کا بیان بارہا آیا ہے۔ رگ وید جو کہ تقریباً ۳۰۰۰ برس قبل مسیح لکھی جا چکی ہے۔ اس میں بھی شہد کی تعریف کی گئی ہے۔

مصری شہد کی اتنی اہمیت تھی کہ رسماً شادی کے وقت دولہا سے اس بات کا عہد لیا جاتا تھا کہ وہ اپنی دلہن کو ہر سال ۳۲ پونڈ شہد دیا کرے گا۔ ہندو مذہب کے رسم و رواج میں بھی شادی کے وقت شہد کام میں لایا جاتا ہے۔ غرضکہ پیدائش، زندگی اور موت تینوں حالتوں میں شہد کا استعمال ہوتا ہے۔ روم کی خواتین صدیوں افزائش حسن کے لئے شہد کا استعمال کرتی رہیں۔ اور اب بھی ہر ملک میں یہ رواج جاری ہے۔ چہرے کی صفائی، رونق اور رنگت کے لئے شہد [illegible] استعمال نہیں بلکہ اسے کھانے سے بھی حسن میں اضافہ ہوتا ہے [illegible]

عصمت دہلی

ایک دلچسپ حادثہ

جس کمپارٹمنٹ میں شاہدی چچا چڑھے تھے حسن اتفاق سے وہ اس قدر کھچا کھچ بھرا ہوا تھا کہ سانس لینے تک کی گنجائش نہ تھی اور جو کوئی اترتا اس کی جگہ آنے والا پُر کر دیتا تھا اور بیچارے شاہدی چچا سے یہ نہ ہو سکتا تھا کہ پھرتی سے اُترنے والے کی جگہ پر بیٹھ جاتے۔ شاہدی چچا دُبلے پتلے چھوٹا قد، لمبا چہرہ اور اس قدر پتلا تھا کہ دُور سے آپ کا چہرۂ مبارک خربوزے کی پھانک تصور کریں تو زیادہ مناسب رہے گا۔ اس پر سونے پر سہاگا یہ کہ آپ کی چھوٹی چھوٹی مونچھیں جو کہ سُرخی مائل زیادہ تھیں، گیہواں رنگ پر عجب لاأبالی شان رکھتی تھیں بظاہر تو میں شاہدی چچا کے ساتھ بمبئی کا لمبا سفر طے کر رہی تھی مگر حقیقت میں میں ان کو لئے جا رہی تھی۔ میں جانتی تھی کہ اگر سامان ان کے پاس رکھوایا تو خیر نہیں۔ سامان تو سامان اگر وہی بمبئی تک بعافیت پہنچ جائیں تو بہت جانئے۔ جب کوئی اُترتا شاہدی چچا آہستہ سے کھسک کر بیٹھنا چاہتے کہ اتنے میں دوسرا آدمی سرعت کے ساتھ اس جگہ پر جماں نظر آتا۔ میں ہر اسٹیشن پر ان کا انتظار کرتی درجہ میں صرف میں اور ایک صاحبہ تھیں۔ ہاتھ میں بٹوہ اور پانوں کی ڈبیہ تھی ذرا کچھ غیر تعلیم یافتہ ہی معلوم ہوتی تھیں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ "آپ کہاں جا رہی ہیں" میں نے جواب دیا بمبئی۔ ابھی وہ کچھ اور سوال کرنے ہی والی تھیں کہ اتنے میں پونا کا اسٹیشن آگیا۔ ایک ادھیڑ عمر عورت اور ایک لڑکی درجہ میں داخل ہوئیں۔ لڑکی نہایت تمکنت کے ساتھ کھڑکی سے منہ نکالے جھانکنے لگی۔ شاہدی چچا آئے میں نے ان سے پوچھا کہ جگہ مل گئی، کہنے لگے "بیٹی جگہ کیسی یہاں تو دم لینے تک کا چین نہیں" کہ اتنے میں گاڑی نے سیٹی دی اور وہ یہ کہہ کر کہ "اب کسی بڑے سے اسٹیشن پر آؤں گا" چلے گئے۔ بیچارے گھبرائے ہوئے تھے۔

اب میں نے اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ میری جانب دیکھ رہی تھی وہ عورت جو کہ پہلے سے [illegible] سے یوں مخاطب ہوئی کہ "آپ کہاں جا رہی ہیں؟" اس سوال پر [illegible] کے ساتھ مسکرائی اور جواب ندارد۔ وہ بھولی عورت [illegible] کہ یہ میرے سوال کا مضحکہ اڑا رہی ہے۔ اس عورت نے [illegible] پان پیش کیا اور بجائے شکریہ کے ساتھ ایک الائچی اور چھالیہ کے تھوڑے حصے سے دلینے دفع الوقتی کے لئے منہ میں ڈال لئے۔ اور پھر اس لڑکی کی طرف بڑھایا لیکن اس نے نہایت ناز کے ساتھ کہا "معاف کیجئے مجھے ان واہیات چیزوں کا شوق نہیں" بیچاری وہ عورت کھسیانی ہنسی ہنس کر چپ ہو گئی۔ مجھے اس لڑکی کی یہ نامعقول حرکت سخت ناپسند آئی اور میں اس کی طرف سے پیٹھ کر کے اپنے ٹیگور کے افسانوں کے ترجمے پڑھنے میں محو ہو گئی۔ رات کے گیارہ بجے کا وقت ہوگا اور چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا اتنے میں پل آیا اور ٹرین ذرا آہستہ ہو گئی میں نے جو کھڑکی سے منہ نکالا تو وہ منظر مجھے بہت ہی پسند آیا کہ چاند اور تاروں کا عکس پانی میں پڑ رہا تھا اور ریت کے ذروں کی چمک پر یہ گمان ہوتا تھا کہ کہیں ہیرے تو نہیں چمک رہے ہیں۔ ایسی حالت میں مجھ سے نہ رہا گیا اور میں کچھ گنگنانے لگی۔ جب تک پل آ رہا میں باہر منہ نکالے قدرت کی نیرنگیوں سے محو رہتی رہی۔ جب پل ختم ہو گیا تو میں بدستور پھر اپنی جگہ پر بیٹھ کر مطالعہ میں مشغول ہو گئی۔ "کیا آپ سے کچھ پوچھ سکتی ہوں؟" یہ الفاظ تھے جو میرے پڑھنے میں مانع ہوئے۔

میں: "جی فرمائیے کیا کہنا چاہتی ہیں؟" وہ: "معلوم ہوتا ہے کہ آپ گانے سے بھی شوق رکھتی ہیں؟" میں نے اس سوال پر صرف اتنا کہا کہ گانا اور رونا دنیا میں کون ایسا ہے جو ان چیزوں سے واقف نہ ہو۔

وہ: "یہ کونسی کتاب ہے؟ کیا از قسم افسانہ و ناول میں ہے"

میں: "جی" وہ: "کیا میں دیکھ سکتی ہوں؟" میں: "ضرور دیکھئے"

وہ: "آپ کہاں تشریف لئے جا رہی ہیں؟" میں: "بمبئی جا رہی ہوں"

وہ: "میں بھی، چلئے خوب ساتھ ہوا۔ سفر میں جب تک کوئی ہمسر سہیلی وغیرہ ساتھ نہ ہو لطف نہیں آتا۔ کہئے آپ کا کیا خیال ہے؟" میں: "ٹھیک ہے۔" وہ اس قسم کے بہت سے سوالات کر رہی تھی اور مجھے نہ معلوم کیوں شاہدی چچا کا خیال ستا رہا تھا کہ اب یہاں ٹرین میں کوئی نیا گل نہ کھلائیں۔ ابھی انہیں خیالات میں مستغرق تھی کہ ٹرین ایک دم آہستہ ہوتی چلی گئی۔ رات کے ایک بجے اس سنسان جنگل میں ٹھیرنا کیا معنی رکھتا ہے کہ اتنے میں اس آواز نے کہ "زنجیر کھینچی گئی ہے۔ ایکسیڈنٹ

ہوگیا ہے" ہم سب کو چونکا دیا۔ میں نے منہ نکال کر جو جھانکا تو شادی چچا کی شکل شریف نظر پڑی وہ دو تین آدمی اور گارڈ وغیرہ آتے دکھائی دیئے میں نے نہایت تشویشناک لہجہ میں پوچھا کہ شادی چچا کیا بات ہوئی۔ روتی صورت بنا کر بولے "اے بیٹی کچھ نہ پوچھو ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ ہمیں نہ چلاؤ اور تم زبردستی سیر و تفریح کرانے لائی ہو اچھی تمہاری سیر ہوئی" اور یہ جملہ کہتے ہی دو موٹے موٹے آنسو آنکھوں میں ڈبڈبا آئے۔ میں نے بمشکل تمام ہنسی کو ضبط کرتے ہوئے کہا کہ "آخر بتایئے تو کیا ہوا؟" اس پر گارڈ نے جو کہ اُن کے قریب ہی کھڑا تھا کہا۔ "کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے ان میں اور ایک پشاوری میں جگہ کے پیچھے لڑائی ہوئی اور نوبت مار پیٹ تک پہنچی۔ یہاں تک کہ اس نے انہیں دروازہ سے نیچے دھکا دیدیا۔ چونکہ لوگوں کے چڑھنے و اترنے کی وجہ سے کھلا رہا تھا۔ اس پر اور لوگوں نے ان کو کھینچ لیا تو خیریت سمجھئے جو کوئی چوٹ نہیں آئی۔ اچھا چلئے بیٹھئے۔ میں اس پشاوری کو بھی جاکر ڈانٹتا ہوں۔ اس طرح تو جانیں تلف ہونے کا ڈر ہے۔"

شادی چچا غریب با دل نخواستہ اپنی جگہ سے ہلے۔ اس وقت کی حالت کو دیکھ کر دل چاہتا تھا کہ خوب زور زور سے قہقہے مار کر ہنسوں لیکن مجبور تھی جب وہ چلے گئے تو جتنا مجھ سے ہو سکتا تھا ہنسی اور ہر شخص ان کی کیفیت و شکل دیکھ کر بغیر ہنسے نہ رہ سکا ہوگا۔ [illegible] تخیر [illegible]

چشمہ

(لارڈ ٹینی سن کی شہرۂ آفاق نظم "برک" کا لفظی ترجمہ)

بگلوں مرغابیوں کے اڈوں سے آتا ہوں میں — کودتا جست لگاتا ہوا، اٹھلاتا ہوا
ننھیں راجوں کو بھی زدیں بناتا ہوں میں — وادیوں میں بھی ٹھہرتا ہوا لہراتا ہوا

جست بھرتا ہوا کرتا ہوں پہاڑوں سے گزر — میں چٹانوں سے بھی ٹکرا کر نکل جاتا ہوں
بیسیوں قصبے ہوں یا شہر ہوں رستے میں اگر — نصف صد پل بھی جو آئیں تو اُچھل جاتا ہوں

کشت زاروں سے نکلتا ہوں کلیلیں کر کے — پور دریا کی طرف جو کہ ہے سنگم میرا
آدمی آئیں گے اور آ کے چلے جائیں گے — میری رفتار میں کچھ فرق نہ آئے گا ذرا

گنگناتا ہوا سنگین گزرگاہوں میں — لرزش ساز کے ترحم سے بھنوروں میں اکثر
اور طوفان زدہ کھاڑیوں کی راہوں میں — ہلکے ہلکے سے تبسم کا دکھاتا ہوں اثر

بجروی سے میں کناروں کو پریشاں کرتا — لہلہاتے ہوئے کھیتوں سے گزر جاتا ہوں
روش و جادۂ محبوب کو حیراں کرتا — شاہ بلوط کی شاخوں سے اُبھر جاتا ہوں

میں بہا کرتا ہوں گاتے ہوئے لہراتے ہوئے — پور دریا کی طرف جو کہ ہے سنگم میرا
آدمی آئیں گے اور آ کے چلے جائیں گے — میری رفتار میں کچھ فرق نہ آئے گا ذرا

میں سرکتا ہوں پھسلتا ہوں نظر کرتے ہوئے — اُن ابابیلوں پر جو آتی ہیں دھاروں کے قریب
رقص کرتا ہوں شعاعوں کو نچانے کے لئے — میرے اُتھلے ہوئے ریتیلے کناروں کے قریب

گنگناتا ہوں تہہ محفل ماہ و اختر — خار زائیدہ بیابانوں کو ٹھکراتا ہوا
ننھی تاروں کے جھرمٹ میں بھی کرتا ہوں گزر — دیر کرتا ہوا رُکتا ہوا ٹکراتا ہوا

اور پھر مڑتا ہوا بہتا ہوا ملنے کے لئے — پور دریا کی طرف جو کہ ہے سنگم میرا
آدمی آئیں گے اور آ کے چلے جائیں گے — میری رفتار میں کچھ فرق نہ آئے گا ذرا

صادق اندوری

ص اس دفعہ اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم اور جانے کہاں کا لیا دیا سامنے آگیا جو موت کے چنگل سے چھٹکارا نصیب ہوا ورنہ ہم تو چل دیئے تھے تم اور سب رو پیٹ کر بیٹھ رہتے اور سننے والے افسوس ظاہر کر کے خاموش ہو جاتے اور جان سے جاتا تو بندہ اور ہماری جوان موت پر [illegible] آہ آہ پھول تو چند دن بہار جانفزا دکھلا گئے حسرت تو ان غنچوں [illegible] مرجھا گئے [illegible] یہ سب باتیں سنتی رہی کہ کیا کہتے ہیں [illegible] [illegible] اور وہاں سے اٹھ آئی کہ کیا فائدہ [illegible] [illegible] افشانی کرتے۔

([illegible])

میری ڈائری کا ایک ورق

۱۵۔ جولائی ۱۹۴۲ء

آج صبح میں اپنے محترم باپ مرحوم شوہر اور پیاری بچی کی قبر پر جانا چاہتی تھی مگر نہ جا سکی۔ قبرستان گھر سے دو میل ہے۔

اس وقت میرے تصور میں وہ زمانہ تھا۔ جب میری شادی ہوئی تھی۔ پھر خدا نے مجھے تین خوبصورت بچے دیئے پھر جب میں اپنے شوہر کے ساتھ پہلی دفعہ پہاڑ پر گئی، تو گرمی اور سردی کا اتنا بڑا فرق دیکھ کر میں کس قدر متعجب ہوئی تھی۔ پہاڑی نشیب و فراز۔ لمبے لمبے درخت اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں، مئی، جون کی گرم لو کی بجائے ٹھنڈی فرحت بخش ہوائیں۔ بادلوں کے سائے۔ گیندے کے پھولوں میں میری بچی کا تتلی کی طرح کھیلنا۔ اور اس کی پھوپی کا خوش ہونا۔ اللہ! وہ وقت کتنا دل آویز تھا۔ کچھ مدت بعد میرے شوہر اور پھر بچی کی موت!!

باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، اسی تصور میں جنگ کے لئے سوئٹر بنتی رہی۔ آہ! وہ پُر مسرت زمانہ پھولوں میں بسی ہوئی ہوا کے لطیف جھونکے کی طرح بہت جلد گزر گیا۔ اب میرا سر چکرانے لگا تھا۔

دوپہر کو دو گھنٹے سوئی رہی۔ جب آنکھ کھلی تو تین بج چکے تھے۔ ایک بیمار بچے کی عیادت کے لئے ہسپتال جانا تھا نہ جا سکی۔

آج کا تمام دن گویا پریشانی میں ہی گزر گیا۔ اب عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاؤں گی۔

۱۶۔ جولائی ۱۹۴۲ء

صبح چائے کے بعد نیچے کی منزل میں کتاب لینے گئی۔ یہ نہایت ہی پُرسکون ٹھنڈا کمرہ ہے۔ [illegible] دروازے کے صحن میں [illegible] مردانہ ڈرائنگ روم ہے [illegible] کتاب لے کر بیٹھی [illegible]

شوکت سے ملنے آ گیا۔ جو لفٹیننٹ کی ٹریننگ کے لئے جا رہا ہے نہایت شریف لڑکا ہے۔ اس کی عادتیں میرے بھتیجے شوکت سے ملتی ہیں۔

ان بہن کی لڑکی کو میں نے اپنی بہن بنا رکھا ہے۔ یہ شوکت سے چھوٹی ہے۔

دوپہر کے بعد موسم ٹھنڈا ہو گیا۔ دل کو افسردہ اور روح کو پژمردہ کر دینے والی گرمی کے بعد برسات کی آمد خاص طور پر مسرت کا پیغام لاتی ہے۔ آسمانوں سے نزولِ رحمت، پرندوں کا بولنا۔ کتاب رکھ کر میں اوپر چلی گئی۔ ابابیلیں مسرت سے تیر رہی تھیں۔ یہاں ابابیلیں کثرت سے ہوتی ہیں۔ شام کی شفق کی رنگین شعاعیں دن کی تجلیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ رہی تھیں۔ مطلع صاف ہو گیا تھا۔ نیا چاند دیکھا۔ دعا مانگی۔

پونے گیارہ بجے ہیں۔ تاروں بھری رات میں کہکشاں صاف نظر آ رہی ہے۔

۱۷۔ جولائی ۱۹۴۲ء

آج جمعہ ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کے بعد ریڈیو میں تلاوتِ قرآن سنتی رہی۔ اور پھر گھر کا کچھ کام کیا۔ عورت کے لئے گھر سے زیادہ کوئی پُر امن جگہ نہیں ہو سکتی۔ عورت کے لئے گھر کا انتظام سب سے بڑا کام ہے۔ جس کی عظمت کا مقابلہ کوئی دوسرا مشغلہ نہیں کر سکتا۔ بدقسمتی سے بعض عورتیں یہ سمجھ بیٹھی ہیں کہ برتن دھونا۔ کپڑے سینا۔ اور گھر کے دوسرے ادنیٰ کام کرنے میں ان کی ذلت ہے۔ میرے خیال میں تو گھر کی دنیا دلچسپیوں سے بھری ہوئی ہے۔ عورت کے لئے گھر کے اندر رہ کر قابلیت کے جوہر دکھانے کا کافی موقع ہے۔ عورت کی سرگرمیوں کا بڑا میدان گھر ہے۔ عورت دنیا کو سنوارنے میں مرد سے زیادہ حصہ لیتی ہے۔ عورت کی نزاکت ہر کام کی متحمل نہیں۔ اس لئے عورت کو ان کاموں میں جو مردوں کے لئے مخصوص ہیں خواہ مخواہ دخل نہیں کرنی چاہیے۔ آج کا دن نہایت ہی دلچسپ رہا۔

ایس بی طاہرہ پشاور

دالیں

یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ہر روز ایک ہی قسم کے کھانے کھاتے کھاتے انسان کی طبیعت اکتا جاتی ہے۔ اور نئی نئی چیزیں کھانے کو جی لپچاتا ہے اب اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ چیزیں عمدہ اور گراں قدر ہوں۔

کہتے ہیں ایک سلیقہ شعار لڑکی اگر نمک مرچ کی چٹنی پیستی ہے تو وہ بھی دو طرح سے پیستی ہے۔ آج اسی اصول کو مدنظر رکھ کر میں چند ترکیبیں لکھ رہی ہوں۔ دال پکانا کسے نہیں آتا۔ مگر اسے طرح طرح سے پکانا بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔

رکھوچے

سامان :- ماش کی دال ایک سیر، گھی آدھ پاؤ، دہی ایک پاؤ، پیاز، ایک آنڈی (گھی) لہسن ایک پوتھی مرچیں آٹھ عدد۔ ہلدی دو گٹھی۔ دھنیا دو تولہ۔ ادرک دو تولہ اور تھوڑی سی میتھی وحسب پسند نمک۔

ترکیب :- دال دھو کر بھگو دیں تین چار گھنٹہ بعد دھو کر چھلکے صاف کر دیں۔ اب نچوڑ کر دال باریک پیس لیں اور ایک کھلے منہ کی پتیلی میں تقریباً دو سیر پانی خوب اچھی طرح کھولائیں۔ اس کے بعد دال پیس کر اس میں ادرک پیس کر ملا دیں۔ اب تھوڑی سی دال ہاتھ میں لے کر لانبے گول گول کیلے کی سی شکل بنا کر پانی میں ڈال دیں۔ اسی طرح ساری دال کے بنا کر ڈال دیں جب یہ سخت ہو جائیں تو نکال کر ٹھنڈے ہونے کو رکھ دیں۔ ایک پتیلی میں میتھی اور گھی ڈال کر بگھائیں۔ پھر تمام مصالحہ ڈال کر بھونیں۔ دہی بھی شامل کر دیں۔ جب مصالحہ بھن جائے تو اس میں جو کیلے ایسے آپ نے بنا رکھے ہیں۔ ان کے پتلے پتلے ورق (کچالو جیسے) کاٹ کر ڈال دیں۔ پھر جتنا شوربہ رکھنا مقصود ہو اس سے ڈیڑھ پیالی زیادہ پانی ڈال لیں۔ جب گل جائے۔ اور گھی چھٹ جائے تو اتار لیجئے۔ مزے سے رکھوچے نوش فرمایئے۔ یہ چنے اور مونگ کی دال کے بھی بنتے ہیں

نوٹ :- جس پانی میں رکھوچے پہلے پکائیں وہی پانی مصالحہ بھوننے کے بعد پکانے میں استعمال کریں۔

موچھین

سامان :- مذکورہ بالا پورا سامان۔ بس گھی ایک پاؤ سیر استعمال کریں۔

ترکیب :- دال کو اسی طرح خوب اچھی طرح پھینٹیے لیکن اس میں تھوڑا سا پانی بھی ملایا جائے گا۔ جب اس قدر پھٹ جائے کہ اس میں بلبلے سے اٹھنے لگیں تو نمک و مرچ ملا کر چھوٹی چھوٹی پھلکیاں سی تل لی جائیں۔ پھر پہلے والی ترکیب سے مصالحہ بھون کر اس میں شامل کر دیں۔ گلنے پر موچھین اتار لیں۔

کباب

سامان :- دھلی ہوئی دال ایک سیر۔ گرم مصالحہ تھوڑا سا۔ دہی دو چھٹانک۔ ہرا دھنیا ہری مرچیں۔ ادرک کتری ہوئی۔ گھی پاؤ بھر۔ نمک حسب ذائقہ پیاز ایک گٹھی۔

ترکیب :- دال۔ نمک۔ گرم مصالحہ۔ پیاز۔ سب ایک ہی میں ابال کر پیس لیں۔ دہی اس میں ڈال کر متھ لیں۔ اب ہرا دھنیا۔ مرچ، ادرک باریک کتر کر دال کی ٹکیاں سی بنا کر ان کے اندر بھر لیں۔ پھر کڑھائی میں گھی پکا کر ٹکیاں دو عدد پھٹے ہوئے انڈوں میں ڈال کر نکالیں۔ اور دونوں طرف سرخ سرخ تل لیں۔ اوپر سے پیاز کا لچھا، دھنیا ادرک باریک کتر کر چھڑک لیں۔

کوفتہ

کباب کی مثل اس کا سامان بھی تیار کیجئے اور بجائے ٹکیوں کے لڈو سے بنا لیجئے۔ اس کے بعد مصالحہ بھون کر اس میں کوفتہ ڈال کر دم پر دیدیجئے۔

نوٹ :- اگر بہنوں نے یہ چیزیں پسند کیں تو انشاء اللہ آیندہ انہیں دالوں سے عمدہ عمدہ مٹھائیوں کی ترکیب بتاؤں گی +

ناھید الہاشمی

پتہ کی تبدیلی کی اطلاع خریداری نمبر کے حوالہ سے دفتر کو فوراً دے دینی چاہیئے۔

نوائے درد

رفیقۂ حیات کی وفات پر

صفحۂ قرطاس پر کرتا ہوں درد دل رقم
قلب کا سوز نہاں آتا ہے بر نوک قلم

آہ کیا اشعار کے کاغذ سے اٹھا لیں گے یہ غم
جس کے ناقص ترجماں ہیں روئے زرد و چشم نم

برق تڑپی آسماں رو دیا زمیں تھرا گئی
جب ہوئی میری رفیقہ راہی ملک عدم

مجھ سے رخصت ہو گئی وہ حور خصلت مہ جبیں
جس کے دم سے تھی یہ دنیا مجھ کو رشک صد ارم

اس کی صورت اس کی سیرت اسکی الفت اسکا اُنس
قلب کو تڑپا رہے ہیں لحظہ لحظہ دم بدم

چٹکیاں لیتی ہے جب رہ رہ کے دل میں اسکی یاد
آنکھ سے اُٹھتا ہے سیل اشک گانگوں یم بہ یم

ہائے کیا معلوم تھا یہ دن بھی ہے تقدیر میں
میرے آب دیدہ سے ہو اس کی خاک تر بہ نم

مٹ گیا نقش دوئی باقی اکائی رہ گئی
آج تنہا "میں" ہوں کل تک جو کہ جانتے تھے ہم

اک اُداسی سی نمایاں ہے در و دیوار پر
کوچہ و بازار پر چھایا ہوا کیف الم

ہر دو خاموش ہیں ساری فضا خاموش ہے
زندگی کا ساز ہے ناآشنائے زیر و بم

بجھ گئی ہے سینۂ ویراں میں شمع آرزو
اب نہ جینے کی خوشی باقی نہ کچھ مرنے کا غم

کیوں جیا تھا مجھ کو صد رنج اپنے ماتم کے لئے
لے کے آئی تھی ازل ہی سے گر اتنی عمر کم

اس طرح کیوں پھیر لیں نظریں لگا کر دل میں آگ
آفت کرم بھی گاہ بن جاتا ہے بنیاد ستم

آفتاب عمر افق سے کچھ ابھی ابھرا ہی تھا
مثل شبنم باغ ہستی سے کیا تو نے بھی رم

"ابر الفت دامن از گلزار من برچید و رفت
اند کے بر غنچہ ہائے آرزو بارید و رفت"

عزیز الحق بی اے، بی ٹی

شمع کُشتہ

کبھی یہ مہر و ماہ و انجم و گل سب ہمارے تھے
انہیں آنکھوں میں رقصاں کل گلستاں کے نظارے تھے

یہ ذرے اور یہ صحرا، یہ قطرہ اور یہ دریا
پہاڑوں وادیوں سب پر جما تھا اپنا ہی سکا

رہا ہے شرق سے تا غرب سب زیر نگیں برسوں
گھسی ہے دولت کو ہمیں نے اپنی جبیں برسوں

کیا ہی ہم نے اکثر شبنم کم مایہ کو دریا
دمن سے تختۂ گل بیشتر ہم نے کیا پیدا

مگر جب سے گیا سینوں سے وہ جذب عمل اپنا
حقارت سے ہمیں ہی دیکھتی ہے محفل دنیا

ہمیں عالم میں اب نا آشنائے بزم راحت ہیں
فلک سے دور اک ٹوٹے ہوئے تارے کی صورت ہیں

یہ کہہ کر بزم سے یاران محفل نے نکالا ہے
تو شمع کشتہ ہے تجھ میں کہاں اب وہ اُجالا ہے

طالب مراد آبادی

دولت

دولت سب کچھ لے سکتی ہے
دنیا والوں کے تن من
کوئی نہیں دنیا میں تیرا
پاس نہیں گر تیرے دھن
دنیا کے مالک ہیں بنئے
باقی دوزخ کا ایندھن
اطلس کے پردوں کے پیچھے
چھپ کے بیٹھے ہیں رہزن
انسانوں کا خوں پیتے ہیں
دشمن دنیا کے دشمن
قاروں کے آگے ہے نادم
افلاطوں کا پاگل پاپن
دل کی دھڑکن سے اچھی ہے
سونے چاندی کی چھن چھن
کون کہے جھوٹی ہے مایا
سچا ہے سچا ہے دھن
مول لئے جاتے ہیں اس سے
نازک تن اور پتھر من
دنیا پر ہے راج اسی کا
لکشمی ہو یا چندر راجن

احمد شجاع پاشا

پڑھے لکھوں کی جہالت

۱۔ میں نے آج ہی اخبار میں دیکھا تھا کہ اس ہفتہ لوگوں کی مردم شماری ہوگی۔
۲۔ ہر ذرّہ ذرّہ اور ہر پتہ پتہ ...
۳۔ اس نے یہ کہہ کر چاء کی پیالی رکھ دی۔ شکر بالکل پھیکی ہے۔
۴۔ کبوتروں کو ڈربہ میں بند کیا ہی تھا۔

یہ چند فقرے اور جملے ہیں۔ ایک ادبی رسالہ کی ایک کہانی کے
۱۔ مردم شماری کے معنی ہیں۔ آدمیوں کی گنتی کرنا۔ جو افسانہ نگار آج "لوگوں کی مردم شماری" لکھ سکتا ہے تعجب نہ کرنا چاہیئے اگر کل اس کے قلم سے یہ الفاظ نکلیں: "کتّوں کی مردم شماری" اور "عورتوں یا بچّوں کی گھوڑ دوڑ"!
۲۔ ذرّہ ذرّہ یا پتہ پتہ کے معنی ہیں۔ ایک ایک ذرّہ اور ایک ایک پتّہ۔ لہٰذا ذرّہ ذرّہ اور پتّہ پتّہ لکھنا چاہیئے تھا۔ "ہر" کی قطعی ضرورت نہیں یا یوں لکھا جاتا "ہر ذرّہ اور ہر پتّہ"۔
۳۔ کہنا چاہیئے تھا "چاء پھیکی ہے" یا "شکر کم ہے"۔
۴۔ کبوتر کابک میں بند کئے جاتے ہیں۔ ڈربہ مرغیوں کا ہوتا ہے۔

اس افسانہ میں چند اور خوبیاں بھی ہیں۔
(۱) ہیرو کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ لیکن دو مرتبہ وہ صریحاً جھوٹ بول رہا ہے۔ (۲) ہیروئن کو جاہل بتایا گیا ہے۔ لیکن وہ گفتگو کرتی ہے کتابی زبان میں۔ اس کی باتیں۔ اس کا لباس۔ اس کا ملاقات کا کمرہ صاف بتا رہا ہے کہ وہ کافی تعلیم یافتہ ہے۔ (۳) ہیرو صاحب اپنی والدہ معظمہ سے اس طرح گفتگو کرتے ہیں جس طرح برابر کی بہنوں سے۔

ایک خط کا ایک فقرہ
"انشاءاللہ ... کبوتر ... [illegible] دوں گی"۔

اور پڑھا گیا اس طرح:۔
"انشاءاللہ چند روز کبوتر بھیج دوں گی"۔

کسی صاحب نے اپنی تقریر میں یہ الفاظ اس طرح ادا کئے:۔
غلط (غل طِ) اِدھر (اِدھ ڑ) مرض۔ قادر۔ عابد۔
ان الفاظ کا صحیح تلفّظ یہ ہے:۔
غَلَط (غ لَط) اِدَھر۔ مَرَض (مَ رَض) قادِر۔ عابِد۔

ماسٹر صاحب بچّہ کو پڑھانے آئے تھے اور اسے آواز دے کر بیٹھک میں جا رہے تھے۔ ماں نے بچّہ کی بڑی بہن سے کہا "ماسٹر جی سے کہہ دو کہ آتے ہوئے فیس لیتے جائیں"۔
تعلیم یافتہ ماں کا فقرہ بچّی کے ان الفاظ نے صحیح کر دیا۔
"ماسٹر صاحب جاتے ہوئے فیس لیتے جائیے"۔

جج صاحب افسانہ لکھ رہے تھے کبھی کبھی اپنی لکھی ہوئی عبارت ذرا اونچی آواز سے پڑھنے لگتے۔ کسی کام سے ان کی بیوی اُدھر آ نکلیں۔ تو پڑھ رہے تھے "دھاگہ کمزور تھا اس نے کتابوں کا پیکٹ رسّی سے باندھ کر رکھ دیا" بیگم جج بولیں "کتابوں کا پیکٹ تھا یا صندوق جو رسّی سے باندھا جاتا۔ رسّی بڑے عدد کے لئے ہوتی ہے اور دھاگہ کسی چھوٹی سی چیز پر لپیٹا جاتا ہے۔ کتابوں کے پیکٹ کے لئے ڈوری یا سُتلی ہونی چاہیئے"۔
چند منٹ بعد پھر جج صاحب اپنی لکھی ہوئی عبارت پڑھ رہے تھے "اس کے ہاتھ میں موچ آگئی تھی"۔ پھر بیگم جج نے ٹوکا "موچ ہاتھ میں نہیں پاؤں میں آتی ہے"۔ اور تھوڑی دیر بعد جج صاحب کی خفّت غصّہ کی صورت میں نظر آ رہی تھی۔

نومبر کے رسالہ میں عید کا چاند ... [illegible] ... پریس والوں نے اسے ... [illegible] ... کی بجائے اپنی طرف سے ... [illegible]

خانہ داری

(جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے)

دلکشی کی بنیادیں آپ کے سنگھار کی دیکھنے والیاں تعریف کر دیں تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ موزوں اور درست ہے آج کل کی سنگھار کی اشیا بالکل اصلی رنگ پیدا کر دیتی ہیں بناوٹ کا پتہ بھی نہیں چلتا البتہ ٹھیک طرح نہ لگانے سے معاملہ بگڑ جاتا ہے مگر اصلیت کا حصول آسان کام نہیں پہلی ضروری بات یہ ہے کہ آپ کی جلد عمدہ ہو کیونکہ شفاف یا ہلکی سنگھاری بنیاد (Transparent or light foundation) صرف اس لئے استعمال کی جاتی ہے کہ دن میں بناوٹ ظاہر نہ ہونے دے اور یہ ہلکی بنیادی کریمیں بھاری کریموں کی طرح نقائص کو چھپا نہیں سکتیں۔

آپ کی جلد کو دو باتیں بڑی حد تک خوشنما بنا دیں گی اور ان پر کچھ خرچ نہیں آتا۔ ایک تو کہ پانی خوب پیا جائے ایک وقت میں ڈیڑھ پاؤ۔ شروع میں آپ اتنا نہ پی سکیں گی مگر مشق سے اس قدر پانی آسانی سے پیا جا سکے گا۔ اور اتنا پانی دن میں تین چار دفعہ پیا جائے۔ دوسری ورزش ہے سیر بہترین ورزش ہے۔ اس سے جلد تازہ اور گردش خون منظم رہتی ہے سنگھار غور و تدبر سے چنا جائے اور احتیاط سے ہی لگایا جائے بات معمولی ہے مگر عام طور پر اس سے غفلت کی جاتی ہے۔ بنیادی کریم نرم اور شفاف قسم کی ہونی چاہیئے اگر آپ کی جلد بہت زرد ہے تو ہلکی گلابی بنیادی کریم لیں جس سے جلد میں شفاف رنگ آ جاتا ہے۔ کریم روژ اصلی روپ پیدا کرتا ہے۔ لگانے سے پہلے ذرا سا روژ (سرخی) تھوڑی سی بنیادی کریم میں ہتھیلی میں ملائیں اور ہلکے ہلکے رخساروں پر تھپکیں کاغذ کو مروڑ کے اس سے اسے پھیلائیں۔ حتے کہ جلد کے رنگ میں مل جائے پوڈر بھی نہایت عمدہ اور باریک ہونا چاہیئے۔ ہونٹوں پر پہلے نہایت ہوشیاری سے کولڈ کریم لگائیں۔ بعد میں لپ اسٹک استعمال کریں ہونٹوں پر بھی پہلے کریم لگائیں بعد میں آئی شیڈو Eye shadow لگائیں۔ آخر میں جلد پر خوشبو برش پھیر کے سنگھار ہموار اور موزوں کر دیں تاکہ چہرہ پر سلیقہ و تمیز نہ معلوم ہو۔

ناخنوں کی [illegible] لباس اور صورت شکل کی زیبائش میں چھوٹی چھوٹی [illegible] سے نتائج پیدا کرتی ہیں تفصیلات کی [illegible] دلکش و حسین بن سکتی ہے۔

چنانچہ یہی حال ناخنوں کا ہے اگر ناخنوں کی طرف کافی توجہ نہ کی جائے تو ہاتھوں کا کیسا ہی سنگھار کیا جائے ان میں شخصیت پیدا نہ ہونے پائے گی آج کل حقیقت میں ہر ایک بنی سنوری عورت ناخنوں کا وارنش استعمال کرتی ہے اور جو نہیں کرتیں صرف وہ جن کے پاس اتنا وقت ہے کہ وہ مخمل وغیرہ کے ٹکڑے سے ناخنوں کو رگڑ رگڑ کر چمکا دیں۔

ناخنوں کو قدرتی یا بے رنگ وارنش لگا دیا جائے تو ان میں خوب چمک پیدا ہو جاتی ہے جو عام طور پر ان میں نہیں ہوا کرتی خشک اور کھردرے ناخن کبھی اچھے نہیں معلوم ہوا کرتے۔ ان پر خوبصورت بنانے کا عمل کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ وہ مضبوط اور تندرست ہیں اکثر یہ کیفیت عام صحت کی حالت سے نمودار ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ غذا کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے مچھلی کا تیل جادو کا کام کرتا ہے کیونکہ وہ نظام عصبی کو وہ چربی مہیا کر دیتا ہے جس کی اعصاب نسوں کی پرورش کرنے اور جلد اور ناخنوں کو تیل پہنچانے کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ اکثر بیرونی طور سے بھی چکنائی پہنچانی ضروری ہے۔ کبھی کبھی لگاتے رہنے سے ہر قسم کا ناخن ویسے بھی اچھا معلوم ہونے لگے گا مگر گرم پانی میں اس خیال سے انگلیاں ڈبوئی جایا کرتی ہیں کہ ناخنوں کے ارد گرد کی باریک چھلکا سی کھال ملائم اور صاف ہو جائے اس طرح پوروں میں انجذابی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اب جو تیل بھی ان پر لگائیں گے اس وقت ان میں جذب ہو جائے گا۔ جب آپ اپنی انگلیاں گرم پانی سے باہر نکالیں تو ایک تیل دانی میں روغن بادام مہیا رکھیں تاکہ انگلیاں خشک کر کے پورے چند منٹ اس میں ڈبوئے رکھیں اور بعد میں ان کو دھو ڈالا جائے۔ بازار میں ایسی دوائیں مل سکتی ہیں جن سے ناخن خشک ہو کے تڑخ جانے سے رک جاتے ہیں۔ ایسی دوا ناخن کے برش سے ناخنوں پر دھوتے وقت ملیں اس سے ناخنوں کے گرد کی کھال یعنی چھٹ درست حالت میں رہتی ہے ناخن مضبوط ہو جاتے ہیں اور پورے سفید اور بے دھبہ نکل آتے ہیں

طرح طرح کی کریمیں بھی میسر آ سکتی ہیں۔ جن میں سے کوئی آپ رات کو پوروں پر ملا کریں۔ باقاعدہ لگانے سے ناخنوں کی چھٹیں صاف اور ملائم رہیں گی اور آپ کو کوئی نوکدار چھٹ ایسی نہ نظر آئے گی جسے کاٹنے

ضرورت پڑے۔ اس کا آپ کو بخوبی تجربہ ہوگا کہ ناخنوں کے گرد کی کھال
کا حصہ کاٹ دینے سے وہ دوبارہ پہلے سے زیادہ مضبوط اور موٹی اُگ
آتی ہے۔

آجکل وارنش مختلف رنگوں کے دستیاب ہوتے ہیں اس لئے
ان کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیئے تاکہ لباس اور سنگھار
سے مطابقت ہو جائے۔ وسطاریہ ([illegible]) قسم کا
وارنش جاری ہوا ہے، اس میں گہری سرخی اور ارغوانی رنگ سے ملی جھلی پائی
جاتی ہے۔ ارغوانی یا گہرے سرخ اور برساتی خاکستری لباس پر یہ
پھب جاتی ہے۔ ایسی گہری سرخی کے بھی ملتے ہیں جن میں سنہری جھلک
پائی جاتی ہے۔ مخملی ارغوانی رنگ کے بھی ملتے ہیں۔ سنہری جھلک والا
وارنش بھورے اور تازہ سبز رنگ پر جچتا ہے۔ نیلگوں ارغوانی سرخی
مائل لباس پر اور "انار دانہ" کے رنگ کے وارنش "نازمانی" پوشاک پر
زیب دے جاتا ہے۔

ابروؤں کے خم

ابرو کس قدر گھنے اور بھاری رکھے جائیں۔ بڑا
اہم سوال ہے کیونکہ عورتوں میں انتہا پسندی
اس معاملہ میں بھی
جاری ہے۔ قدرتی
ابرو رکھنے کے شوق
میں بعض بیبیاں
مبالغہ کر جاتی ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا انہوں
نے بہت باریک یعنی کمان ابرو کا
رواج پیدا کر دیا تھا جو بلاشبہ ظلم کی
ان عورتوں پر سجتا تھا جن سے اوروں
کو اس کا شوق ہوا۔ اب بہت کھنچے
ہوئے کمان ابرو کا شوق کم ہو گیا ہے
اور اس کی جگہ بھاری اور اصلی قدرتی ابروؤں نے لے لی ہے۔ باریک
خم دار ابرو اوسط درجہ کی بیبیوں پر بالکل نہیں کھبتے۔ مگر اس کے یہ
معنی نہیں کہ قدرتی ابروؤں کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے کہ بال جدھر
چاہیں بڑھ جائیں اور پھیلتے چلے جائیں۔ بعض پنسل سے ان کے گھن
[illegible] چوڑائی کو اور بڑھا دیتے ہیں عقل سلیم ان سب انتہا پسندیوں
[illegible]۔ قدرتی ابروؤں کی زیبائش توجہ اور دیکھ بھال
سے زیادہ کی جا سکتی ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ قدرت چہرے کے لئے جو ابرو
مہیا کرے وہ اس کے لئے موزوں ہی ہوتا ہے اگر اس خیال کو رنگ روپ
اور خد و خال وغیرہ پر بھی عائد کیا جائے تو حسن و دلکشی کی قیل و قال ہی
ختم ہو جاتی ہے اور انہیں سنگھار وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بہت سی
ابروؤں کے بال بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ بعض چہرہ کا لحاظ رکھتے ہوئے
بہت بھاری معلوم ہوتی ہے۔ ایسے حالات میں دستکاری کی ضرورت ہے
جو ابروئیں باہم بہت قریب ہوں دلکش نہیں معلوم ہوا کرتیں۔ بال
اس قدر اکھاڑے جائیں کہ درازوں کے بیچ میں ایک آنکھ کے برابر فاصلہ
ہو جائے۔ زینت کا باعث نظر آئے گا۔ اگر ابرو سروں پر چھوٹی رہ جائیں
تو اظہاری وقت فوت ہو جاتی ہے۔ عام طور سے ابروئیں ایسی ہی
پائی جاتی ہیں۔ بہت نوک دار پنسل سے ان کے سرے گہرے کر دیئے
جائیں اور مدھم سی لکیر بڑھا دی جائے تاکہ ان میں لمبی ہونے کا شائبہ
پیدا ہو جائے۔ قدرتی حالت میں ابرو رکھنے سے دو چار بال ایسے
ضرور پیدا ہو جاتے ہیں جو ادھر اُدھر باہر کو نکل پڑتے ہیں اور اس سے
ابرو کا تسلسل بگڑ جاتا ہے۔ ایسے بال اکھیڑ دینے چاہئیں تاکہ
باقیماندہ ابرو زیادہ بھلی معلوم ہو۔

خانگی ٹوٹکے

پنیر کے جس ٹکڑے کو دیر تک رکھنا ہو تو اسے صاف
ململ کے ٹکڑے میں لپیٹ دینا چاہیئے۔ کپڑا پہلے
سرکہ سے نم دار کر کے نچوڑ لیں۔ یہ گرم موسم میں دوسری رکابی سے ڈھک
کے رکھیں تو اس میں پھپھوندی کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے بورا کی ڈلی
پاس رکھ دیں نمی کو جذب کرتی رہے گی۔ جب بالکل بھیگ جائے تو
دوسری ڈلی رکھ دیں۔

صفائی اور ورزش خوبصورتی کے بہترین معاون ہیں ہر وہ چیز
جس سے جلد کے مسام کھل جائیں اور پٹھے ملائم ہو جائیں رخساروں
کو گلابی جلد کو نرم اور مضبوط اور جسم کو خوشنما اور چھریرہ بناتی ہے۔

خوشبو ہمیشہ اعتدال سے لگائیں۔ ایسی خوشبو جو بہت ہی ہلکی معلوم ہو
دل کو خوش کر دیتی ہے۔ زیادتی سے دل گھبرا جاتا ہے اچھے مذاق کی
بیبیاں خوشبو لگانے کے معاملہ میں غور و فکر سے کام لیتی ہیں اپنی
شخصیت کے لئے موزوں خوشبو [illegible] کر کے احتیاط سے
لگائیں۔ زیادہ مقدار مختلف خوشبوئیں [illegible]

بہت کمیاب ہے۔ جہاں کہیں سمندری پانی سے وہاں [illegible] نمک حاصل ہو جاتا ہے۔ چونکہ ہر جگہ یہ تھوڑا بہت حاصل ہو سکتا ہے اس لئے اس پر کسی حکومت کو خاص طور سے اقتدار حاصل نہیں لوگوں کے پاس آسانی سے یہ پہنچ جاتا ہے۔ مقامی حکومتوں نے البتہ اس کے انتظام کے سلسلہ میں لائسنس وغیرہ کے قواعد جاری کر رکھے ہیں۔ چنانچہ مقاومت مجہول کے سلسلہ میں بہت سے ہندوستانی سمندر کا پانی اڑا کے نمک بنانے کے الزام میں سزایاب ہوئے۔ اگر نمک بنانے کا کام کسی خاص رقبہ یا ملک سے مخصوص ہوتا تو فی الواقع اس وقت اس صنعت کو نمایاں خصوصیت حاصل ہوتی۔ نمک حاصل کر کے اسے موجودہ طریقوں سے صاف کرنے کا عمل عام طور سے منظر عام پر نہیں آتا۔

نمک دو طرح سے میسر آتا ہے۔ چٹان کا نمک یا سمندری پانی یا کھاری چشموں کے پانی کا محلول نمک۔ خشکی میں نمکین پانی کے بڑے بڑے قطعے عمل تبخیر سے نمک کی چٹانوں کی شکل میں باقی رہ گئے یا انہیں کسی بالو ریت کے بہت بڑے ٹیلے نے سمندر سے کاٹ کے رکھ دیا یا سمندر زمین کاٹ کے کہیں اندر تک چلا آتا ہے اور اندر آنے کا راستہ پھر کسی طرح اٹ کے بند ہو گیا۔ نمکین پانی بعض رقبوں میں کنوؤں سے نکال کے جمع کیا جاتا ہے اور عمل تبخیر سے سانبھر ہاتھ آتا ہے۔ پہلی صورت کھاری جھیلوں کے پانی سے پیدا ہوتی ہے۔ بحیرہ مردار اور اڈہا کی بڑی جھیل ان بڑے پانی کے قطعوں کی مثال ہیں جن کا تعلق سمندر سے کسی طرح منقطع ہو کے رہ گیا۔ نمک کی کیاریاں ان کی تہوں میں جم جم کے قائم ہوتی رہتی ہیں۔ بہرحال نمک سمندری پانی سے ہی اصل میں ہم کو ملا ہے۔ کھاری جھیلوں۔ کنوؤں وغیرہ کا تعلق ابتداء میں سمندر ہی سے ثابت ہوا ہے۔

زمین دوز دنیا

رومانیہ اور گلیشیا کی نمک کی کانیں دنیا میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ رومانیہ میں چار ہیں جن میں سے سلانیکا کی کان دنیا بھر میں مشہور اور سب سے بڑی ہے اس سے ہر سال ۲۱۹۵۰۰۰ من نمک نکلتا ہے۔ ایک ہزار سال سے اس میں سے بڑی مقدار میں نمک کھودا جا رہا ہے۔ اگر اس کی مقدار ۲۰ لاکھ من بالاخر کی بھی جائے تو بھی یہ کان پوری دو صدیوں تک کام دیئے جائے گی [illegible] حکومت کی ملکیت ہے اور [illegible] اسی وجہ سے

میں [illegible] انگلستان کی چھوٹی چھوٹی کانوں میں رائج ہیں۔

بلاشبہ سب سے زیادہ حیرتناک نمک کی کانیں پولینڈ کی آسٹریا کے شہر کراکو سے چھ میل کے فاصلہ پر وائی لک زا میں واقع ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان کا وجود ۱۰۰۰؁ سے دریافت ہوا تھا۔ تاتاریوں کے حملوں اور غارت گریوں کی بدولت کچھ عرصہ وہ ویران پڑی رہیں کیونکہ علاقے غیر آباد ہو گئے اور بستیاں مفلوک الحال ہو گئیں۔ بولیس لاس کے زمانۂ حکومت میں ہنگری کے کان کھودنے والے یہاں آباد ہوئے اور کانوں کا کام پھر جاری ہو گیا۔ ۱۷۷۲؁ء میں آسٹریلیا کی حکومت میں شامل ہونے کے بعد وہ حکومت کے ہاتھ میں آ گئیں اور اس کے انتظام میں کام ترقی پر ہو گیا۔ تاریخ کے انقلابوں میں ان کے انتظامات میں بھی نمایاں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ اب بجلی سے وسیع پیمانہ پر مزدوری جاری ہے۔ ریلیں کانوں میں جاری ہیں۔ نئی نئی کلیں قائم کر دی گئی ہیں۔ ایسی ایسی دلچسپیاں بھی ہیں جن کو دیکھ کر سیاح دنگ رہ جاتے ہیں۔ ایک طرح کی وہ زمین دوز دنیا ہے جس میں سڑکیں۔ گلیاں۔ مکانات یادگاریں نمک کی چٹانوں میں کاٹ کاٹ کے بنائی گئی ہیں۔ جو از منہ گذشتہ کے فن اور کاریگری کی داد دیتی ہیں۔ بجلی کی روشنی میں یہ سب کچھ الف لیلہ کے عجائبات کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ اندر جانے سے پہلے سیر کرنے والوں کو کان کنوں کے سے کپڑے اور ٹوپ پہنا دیئے جاتے ہیں اور اندر پہنچانے والے چھینکے کی بالائی اور زیریں منزل میں پانچ پانچ کی تعداد میں بٹھا دیئے جاتے ہیں۔ چھینکا دو سو فٹ کی گہرائی پر پہلی منزل میں پہنچا دیتا ہے۔ اس میں صرف آدھ منٹ لگتا ہے۔ وہاں پھر ہر تین سیاحوں کے ساتھ ساتھ ایک ایک کان کن بطور رہبر کے ساتھ ہو لیتا ہے۔ لالٹین اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ کان میں گرجا۔ ناچ گھر نمک کی جھیلیں موجود ہیں جن کا ذکر پھر کبھی کیا جائے گا۔

پھلجھڑیاں

سمندری مچھلی ہیرنگ کی جلد کے چھلکوں پر ہر سال ایک جلد بڑھ جاتی ہے سائنس دان ان کو گن کر اس کی عمر بتا سکتے ہیں۔ یورپی اخباروں کے اندازہ کے مطابق چہرہ کی خوبصورتی میں انگریز عورتوں کا نمبر اول ہے اور دوسرے درجہ [illegible] ہر سال برطانوی ساحل پر موسم [illegible] کے عجائب خانہ کا مالی [illegible]

عصمت کے چندہ میں اضافہ

کاغذ کے حصول کے سلسلہ میں قریباً دو سال سے عصمت کو جن دقتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اُردو رسائل میں وہ غالباً ۹۰ فیصدی کو بھی پیش نہ آئی ہوں گی۔

کاغذ کی بیحد گرانی اور نایابی کی وجہ

چندہ میں ایک پائی کا بھی اضافہ اس خیال سے نہیں کیا گیا کہ ہر چیز کی قیمت پر آگ پڑ رہی ہے اور عصمتی بہنوں کو اشیاء کی گرانی نے سخت پریشان کر رکھا ہے۔ ممکن ہے کہ عصمت کے چندہ میں اضافہ بعض بہنوں کو بار معلوم ہو۔ لیکن نقصانات کی بھی ایک حد ہوتی ہے عصمت کی سب سے بڑی مد بک ڈپو کی آمدنی ہے۔ مگر ۱۹۴۲ء میں کتابوں کے اشتہارات کے ۸ صفحے جو ہمیشہ شائع ہوتے تھے کاغذ نہ ملنے کی وجہ سے مجبوراً بند کرنے پڑے۔ اسی طرح باہر کے اشتہارات جن کی اُجرت سے کسی قدر مدد مل جاتی تھی ان کی تعداد محدود کر دی گئی۔ کاغذ ہی کی پانچ پانچ چھ چھ گنی گرانی کی وجہ سے رسالہ نے صفحات کافی کم کر دئے گئے اور کاغذ کی نایابی کی بنا پر ریلوے اسٹیشنوں کے بک سٹالز اور متفرق ایجنٹوں وغیرہ کے نام تمام پرچے بند کر کے اشاعت کافی گھٹانی پڑی لیکن ان سب باتوں کے باوجود کاغذ کی جو مصیبت پہلے تھی آج بھی ویسی ہے۔ اس سال خریداروں کو چار روپیہ میں جو پرچہ دیا گیا ہے۔ اس پر لاگت چھ روپیہ سے کچھ زیادہ ہی آئی ہے۔ اور اب ہم میں ۴ روپیہ چندہ میں پرچہ جاری رکھنے کی بالکل سکت نہیں رہی۔ اس لئے مجبور ہو کر اعلان کرنا پڑتا ہے کہ

جنوری ۱۹۴۳ء سے عصمت کا سالانہ چندہ پانچ روپیہ ہوگا

یہ چندہ منی آرڈر کے ذریعہ ہوگا اور وی پی سوا پانچ روپیہ کا بھیجا جائے گا۔ چندہ میں اضافہ ہونے کے اس اعلان کے بعد بھی ہم یہ وعدہ نہیں کر سکتے کہ رسالہ کبھی کم صفحوں پر ہی شائع ہوگا۔ کاغذ کی مشکلات کو دیکھتے ہوئے کچھ تعجب نہیں کہ باوجود چندہ میں اضافہ کرنے کے ہم رسالہ کی ضخامت اور کم کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس لئے عصمتی بہنیں جہاں یہ نوٹ کر لیں کہ ۱۹۴۳ء میں ان کو وی پی سوا پانچ روپیہ کا بھیجا جائے گا۔ وہاں پرچے کی ضخامت اور کم دیکھنے کے لئے بھی تیار رہیں۔ مگر یہ بھی یقین رکھیں کہ جس وقت حالات نے اجازت دی پرچہ کی موجودہ ضخامت میں اضافہ ہو جائے گا۔

منیجر

عصمت بک ڈپو دہلی

عصمت کی کہانی

اخبار دین و دنیا مکتلہ مولانا راز ق الخیری ہندوستان کے پہلے مدیر اور اہل قلم ہیں جنہوں نے اس چیز کی کوشش کی ہے کہ ہندوستان کو اپنے مشہور نسوانی رسالہ عصمت کی تاریخ سے باخبر کر دیں۔

ہندوستان میں کسی اخبار یا رسالہ کا جاری کرنا اور پھر اسے قائم رکھنا اور چلانا اتنا دشوار کام ہے جس کا عام لوگ تصور ہی نہیں کر سکتے۔ مولانا راز ق الخیری نے رسالہ عصمت کی ۳۰ سالہ زندگی پر روشنی ڈال کر یہ بتا دیا ہے کہ علمی اداروں کے لئے ہندوستان کی سرزمین کس قدر غیر موزوں ہے عصمت کی کہانی پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اس مشہور رسالہ کو زندہ رکھنے کے لئے مولانا راشد الخیری مرحوم نے کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں۔ اس کے باوجود آپ اردو لٹریچر اور عورتوں کے مظلوم طبقہ کی خدمت کرتے رہے۔ کاغذ، طباعت اور کتابت نہایت اعلیٰ۔ ۹۰ صفحات ۲ فوٹو قیمت بارہ آنے (۱۲/)

شہید وفا

سلمہ نے دنیا کے سامنے محبت اور وفا کا جو دردناک نمونہ پیش کیا ہے شہید وفا میں پڑھئے دل لرز جائے گا۔ آنکھیں پرنم ہو جائیں گی اور ایک بہادر لڑکی کی تصویر آپ کی نگاہوں کے سامنے آجائے گی۔ ہندوستان کی مشہور فسانہ نگار محترمہ امۃ الوحی صاحبہ کا یہ مشہور افسانہ ہے جس کے ساتھ موصوفہ کے آٹھ اور دلچسپ افسانے بھی آپ کی دلچسپی کیلئے حاضر کئے گئے ہیں۔ عنوانات یہ ہیں (۱) بہنے کی تمنا (۲) نکاح کا افسوس (۳) مجذوب کی سرگزشت (۴) سیاہ نقاب پوش (۵) تصویر عبرت (۶) بیگم کا راز (۷) جوہری کی دکان (۸) بین خون۔ یہ معمولی افسانے نہیں دلکش اور پر تاثیر ہیں عصمت۔ تہذیب۔ الخلیل۔ انقلاب جیسے بلند پایہ رسالوں، اخباروں نے شاندار ریویو کئے ہیں۔ دوسری دفعہ شائع ہوئی ہے ضخامت ۲۰۰ صفحوں کے قریب ہے قیمت عہ

دولت پر قربانیاں

تعلیم یافتہ اور روشن خیال لڑکے کی اس وجہ سے کہ غیر کفو میں شادی کرنے سے ترکہ پدری دینا ہوگا برادری کے لڑکے سے جو لڑکی کے لئے عمر و قابلیت وغیرہ کے لحاظ سے موزوں نہیں اور مذاق و خیالات جداگانہ رکھتا ہے۔ شادی کرنے کے دردناک نتائج۔ اور دولت کے لالچ میں سوکن پر بیٹی بیاہنے کا عبرتناک انجام۔ ہندوستان میں لاکھوں بے زبان لڑکیاں جہالت اور دولت کی بھینٹ پر قربان کی جا رہی ہیں۔ انہی [illegible] کے یہ پانچ بہترین افسانے ہیں۔ قیمت ۱۲ آنے (۱۲/)

محصولڈاک بذمہ خریدار　　منیجر عصمت کوچہ چیلاں دہلی

بزمِ عصمت

بزم عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں خریداری نمبر کا حوالہ ہو۔ (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جواب عصمت میں پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو۔ (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔

ایڈیٹر

ایک ضرورت مند بہن صاحبہ نے بال بھورے ہونے کا نسخہ منگایا ہے۔ بہن صاحبہ سے میری گذارش ہے کہ وہ بالوں میں ہائیڈروجن اتنا ملیں کہ سب بال گیلے ہو جائیں۔ جب سر بالکل خشک ہو جائے تو صابن سے دھو ڈالیں۔ سب بال بھورے ہو جائیں گے۔ اور چار پانچ ماہ تک ویسے ہی رہیں گے۔ بال بالکل نہیں جھڑتے۔ میرا آزمودہ ہے۔

ثریا سلطانہ نمبر خریداری ۶۶۹۴

نومبر ۱۹۴۳ء کے عصمت میں بیگم انور صاحب نے منہ پھٹنے کا نسخہ دریافت کیا ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ وسلین کے استعمال سے منہ نہیں پھٹتا۔

مس نوشابہ سموئیل خریداری نمبر ۱۴۱ ۶

میری خالہ کے بچوں کا ... سال سے سر کے بال سفید ہو چلے ہیں بیچاری بہت فکر مند ہیں۔ ... بہن کو اپنا آزمودہ نسخہ یا کوئی دوا معلوم ہو تو بذریعہ بزم عصمت مطلع کریں۔ بہت شکرگزار رہوں گی۔

صدیق النسا بنت خان بہادر محمد ظفر صاحب الہ آباد

میرے چہرے پر گذشتہ ایک دو سال سے سیاہ تل نکل رہے ہیں جن کی وجہ سے چہرہ بدنما معلوم ہوتا ہے۔ کوئی عصمتی بہن یا بھائی صاحب کوئی ایسی کریم یا صابون کا نام بتائیں جس سے یہ بدنما تل دور ہو جائیں نیز یہ بھی مطلع فرمائیں کہ ... کسی بہن نے استعمال کی ہے وہ تلوں کے لئے مفید ہے کہ نہیں۔

خریداری نمبر ۶۴۸۹

میرے بھتیجے (عمرہ سال) کے گلے میں دونوں جانب ... ٹونسل میں ڈاکٹر آپریشن کرکے نکلوانے کو کہتے ہیں۔ ان کے علاج سے متعلق بہت عرصہ قبل "عصمت" میں کسی بہن نے ایک مجرب دوا یا طریقہ لکھا تھا جس سے بغیر آپریشن کے ٹونسل اچھے ہو جاتے تھے۔ اس لئے گذارش ہے کہ ناظرین و ناظرات "عصمت" میں سے کسی کو اگر مذکورہ بالا علاج معلوم ہو۔ یا کوئی دوسرا مجرب علاج معلوم ہو جس سے بلا آپریشن ٹونسل اچھے ہو جاتے ہوں تو وہ مہربانی فرما کر بذریعہ عصمت اطلاع دیں۔

خریدار نمبر ۸۰۰

مجھے ان چند حیدرآبادی کھانوں کی ترکیب میں وزن درکار ہے اگر کوئی عصمتی بہن بذریعہ عصمت معلوم کریں تو بڑی عنایت ہوگی۔ اور میں ممنون ہوں گی (۱) حلیمیاں (۲) نہاری (۳) جاکنا (۴) گلاب جامن

خریداری نمبر ۴۰۱۸۵

خریدار نمبر ۵۰۴۸ سے عرض ہے کہ جو نسخہ آپ نے اکتوبر کے پرچہ میں لکھا تھا۔ کیا میں اس کو گرمی و سردی میں استعمال کر سکتی ہوں نیز یہ بھی لکھیں کہ اس کے پینے سے پرہیز بھی ہے یا نہیں۔ ایک بوتل تیل کی کیا قیمت ہے۔ جواب بزم عصمت میں درج کرا کے ممنون فرمائیں۔

خریدار نمبر ۱۶۹۹

محترمہ نجمہ مرزا ادیب نے ایک خط معرفت ایڈیٹر صاحب عصمت میرے والد صاحب کپتان نصیر الدین احمد صاحب کے نام بغرض ڈاکٹری مشورہ بھیجا ہے۔ مگر آپ نے اپنا پتہ نہیں لکھا جس کے باعث جواب نہ دیا جا سکا۔ لہذا بہن صاحبہ اپنا پتہ حسب ذیل پتہ پر روانہ کردیں تاکہ ان کو جواب دیا جا سکے۔ والد صاحب کا پتہ یہ ہے:۔

کیپٹن این احمد۔ ڈویژنل میڈیکل آفیسر ایسٹ انڈین ریلوے الہ آباد

الیس بانو بنت این احمد صاحب الہ آباد۔

دورِ زمن

روسی معرکہ - روسی فوجیں برابر پیش قدمی کرتی رہیں۔ خیف کو بڑی زبردست لڑائیوں کے بعد روسیوں نے فتح کرلیا دریائے نیپر کے موڑ پر سے اُتر کے نیپرو پیٹرووسک پر قبضہ کرتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئے۔ اس جگہ روسیوں کا وہ مشہور عالم بند تھا جس سے یوکرین کا سارا علاقہ سیراب ہوکر زرخیزی حاصل کرتا تھا۔ روسیوں نے اسے خالی کرنے سے پہلے اس بند کو بارود سے اُڑا دیا تھا۔ تاکہ جرمن اس علاقہ سے فیض یاب نہ ہوں۔ معلوم ہوتا ہے جرمنوں نے اس کی مرمت نہیں کی۔ چنانچہ اب تا اختتام جنگ بند نہ ہونے سے نقصان اُٹھانا پڑیگا روسی فوجیں حرکسی کے قریب پہنچ گئی ہیں۔ روسی اطلاعوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ روسی پولینڈ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ مگر روسی سفیر متعینہ میکسیکو امریکہ کے بیان سے پایا جاتا ہے۔ کہ اب یہ منزل بقدر ۵۰ میل دور ہے پرپی پٹ کی دلدلوں کے شمال اور جنوب میں بھی روسی پہنچ گئے ہیں۔ یہ وہ مشہور مقام ہے جہاں طنین برگ کی لڑائی ہوئی گذشتہ جنگ عظیم میں ہنڈنبرگ نے روسیوں کو نہایت زبردست شکست دیکر نہایت کمزور کردیا تھا۔ روسیوں کی پیشقدمی سے جرمن کریورنگ کی کچے لوہے کی پیداوار سے محروم ہوگئے ہیں۔ ممکن ہے جرمن اس کے ہاتھ سے نکل جانے کے امکان کی وجہ سے بہت کچھ لوہا اس میں سے نکال لے گئے ہوں۔ اور کانوں کو کچھ عرصہ کے لئے چھوڑ گئے ہوں کریمیا کی جرمن فوج کو اصل صدر مقام سے روسیوں نے منقطع کردیا ہے۔ کیونکہ اُن کی اطلاعوں کے مطابق اُنہوں نے پیری کوپ اور کرچ فتح کرلئے ہیں۔ روسی قراسطین کی طرف بڑھتے جارہے ہیں اُنہوں نے ژتومیر لے لیا مگر چند روز کے بعد جرمنوں نے تندجوابی حملے شروع کردیئے جس کی وجہ سے روسیوں کو یہ مقام خالی کرکے ۳۰ میل پیچھے ہٹ جانا پڑا۔

جنگ اطالیہ روم کی طرف اتحادیوں کی پیش قدمی جاری ہے۔ گو اب بمقابلہ سابق بہت ہلکی ہے۔ ہٹلر نے اپنی تقریر میں اسے ورہ برنیر کی طرف رینگنا قرار دیا ہے۔ اتحادی اطلاعوں سے پایا جاتا ہے کہ جرمنوں کے مقابلہ میں سختی آتی جاتی ہے اور تازہ دم فوجیں وہاں برابر پہنچ رہی ہیں۔ روم کے نیچے پہاڑی علاقہ کے قریب ایک محاذ قائم کرکے سردی سردی جرمن وہاں جم کر مدافعت کرنا چاہتے ہیں۔ مسولینی اپنی حکومت کی تشکیل میں مصروف ہے۔ اُس نے برلن کا سفر بھی کیا کیونکہ خیال ہے کہ اُسے اُس اطالوی علاقہ کا انتظام مشکل نظر آتا ہے۔ جسے جرمن اپنا مقبوضہ علاقہ کہتے ہیں۔ چنانچہ اس جنگی صورت کے پیش نظر خود کچھ کام نہیں کرسکتا۔ دوسری طرف شاہ اٹلی تقریباً تخت سے علیحدہ ہوگیا ہے اور اُس کے بیٹے امبرٹو کو باپ کی جانشینی نصیب نہیں ہوتی۔ شاید اُس کا بچہ پوتا ملک کا بادشاہ قرار دیا جائے۔ اور انتظام کے لئے ایک کونسل بنادی جائے بدولیو وزیر نے اپنی وزارت بنالی ہے۔ مگر وہ برائے نام چیز ہے کیونکہ جس علاقہ پر اُسے اپنی حکومت کا اظہار مقصود ہے وہ اتحادیوں کا مقبوضہ جنگی علاقہ ہے لہٰذا مسولینی اور بدولیو کی اصلی حالت میں بظاہر کوئی فرق نہیں۔ پانچواں اور آٹھواں اتحادی لشکر اپنی کامیاب پیشقدمی میں مصروف ہے۔

مشرقِ وسطیٰ اطالویوں کے جزائر دوسوم زروس کا نی پر اٹلی کے ہتھیار ڈال دینے کے وقت اتحادیوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ جن میں سے کاس وغیرہ جرمنوں نے واپس لے لئے۔ اب جزیرہ لروس پر چھتریوں سے فوجیں اُتار کر اُس نے زبردست جنگ کی۔ اور امداد نہ پہنچنے کی وجہ سے انگریزوں اور اطالیوں کو مقابلہ بند کرنا پڑا۔ اب یہ جزیرہ بھی جرمنوں کے پاس چلا گیا۔ جرمنی درہ دانیال کے راستہ کے ان سب جزائر کو کسی قیمت پر بھی اتحادیوں کے قبضہ میں رہنے دینا نہیں چاہتا۔ اس نقشۂ جنگ سے پایا جاتا ہے کہ وہ یونان اور ترکی کے علاقوں میں اپنا غلبہ بلا شرکت غیرے قائم رکھنا چاہتا ہے تاکہ مشرق وسطیٰ میں اتحادی کوئی کارروائی اُس کے علی رغم انف نہ کرسکیں۔ خیال ہے کہ اتحادی بلغاریہ پر حملہ آور ہوں۔ مگر بحیرہ روم کے مشرقی حصہ پر جرمنوں کا زبردست اقتدار پایا جاتا ہے۔ روسی علاقوں سے ہٹنے کی وجہ سے جرمنوں کی بیشمار فوجیں بلقان میں مامور کردی گئی ہیں۔ یگوسلاویہ میں محب وطن رولینڈ محل میں چاود نی تو جرمنوں سے دست بگریبان ہیں۔

ترکی بڑی عقلمندی سے اپنی غیر جانبداری قائم کئے ہوئے ہیں کبھی تعلقات کو امکانات کا خوشگوار مستقبل نظر آنے لگتا ہے کہ ترکی اُن کے ساتھ شامل ہوگیا ہے۔ باکم از کم اُس نے اپنے بڑے بڑے ہوائی اڈے ان کو دیئے ہیں کبھی جرمنی اُمید و بیم کی حالت میں پڑ جاتا ہے اور اُس کا سفیر وان پاپن

انقرہ اور برلن کے درمیان ہوائی تگ و دو میں مصروف ہو جاتا ہے غرضکہ آجکل اس علاقہ کی طرفین کی شطرنجی چالیں دیکھنے کے قابل ہیں کیونکہ ہیں کوئی نیا شگوفہ کھلتا نظر آتا ہے۔ ادھر لبنان میں فرانسیسی آزاد حکومت نے ساری وزارت کو قید کر لیا جس سے ملک میں بغاوت کی حالت نمودار ہو گئی ہے جو قطو کو وہاں کا منتظم کر کے بھیجا جاتا ہے۔ تاکہ وہ سکون پیدا کر سکے۔ وہ کہتا ہے کہ شام پر اتحادیوں کا جنگی قبضہ ہے، یہ ردعمل ہی فساد کا باعث ہے۔ ساری عرب دنیا برہم ہو گئی ہے۔ لبنان والے خودمختاری چاہتے ہیں وزیر سب کے سب بعد میں رہا کر دیئے گئے۔

جاپان سے جنگ

بحر الکاہل میں سمندری مقابلے بدستور جاری ہیں۔ جزیرہ بوگاویل پر اتحادی حملہ قائم رہا۔ سمندر میں مقابلے ہوئے طرفین کو نقصانات برداشت کرنے پڑے۔ گو جاپان بہت خسارہ میں رہا۔ اتحادی بمبار ہندوستان سے اڑ اڑ کے برما پر برابر حملے کر کے جاپانی استحکامات کو سخت نقصان پہنچاتے رہے۔ چین میں جاپان نے کہیں کہیں دباؤ ڈالا۔ اور وسط چین میں اس نے پیش قدمی کی۔ اور لنکا پر اس کے چند ہوائی جہاز حملے کرنے آئے۔ مگر انہیں مار کے بھگا دیا گیا یا گرا لیا گیا۔ اتحادی برما کو فتح کرنے کے لئے تیاریاں کرنے میں مصروف ہیں۔ امریکہ اس کے ساتھ جنگ کو سخت اور طویل بتا رہا ہے۔ گویا وہ یورپ کی جنگ کے مقابلہ میں اس کی جنگ کو زیادہ اہمیت دے رہا ہے۔

تاروں کا جھرمٹ

جرمنوں نے لندن اور انگلستان کے دیگر مقامات پر ہوائی حملے کر کے جان و مال کا کچھ نقصان پہنچایا۔ اس کے مقابلہ میں اتحادیوں نے جرمنی اور اس کے مقبوضہ مختلف علاقوں پر بم پھینک پھینک کر بہت نقصان پہنچایا۔ برلن پر بڑے زور کی بمباری کی گئی۔

شاہ مصر فاروق کو موٹر کی سواری میں حادثہ پیش آیا اب رو بصحت ہیں۔

ماسکو میں اتحادی سفراء کی جو کانفرنس ہوئی اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ روس کے بضد رہنے پر اتحادیوں کو اس کا یہ دعویٰ دبی زبان سے ماننا پڑا کہ نصف پولینڈ اس کے قبضہ میں رہیگا۔ اتحادیوں نے تردید میں کہا ہے کہ پولینڈ کے متعلق کسی قسم کا کوئی خفیہ سمجھوتہ روس سے نہیں ہوا۔ بات بھی تعجب انگیز ہے اس نے نصف پولینڈ کیوں مانگا۔ باقی نصف کس کے پاس رہے گا۔

ستمبر و اکتوبر میں سرکاری اعداد کے مطابق فاقہ سے بنگال میں حسب ذیل اموات ہوئیں۔ ستمبر۔ فاقہ سے اموات ۷۳۴۔ مفلس و محتاج کی اموات ۲۱۸۵۔ اکتوبر میں فاقہ سے ۲۰۱۴ مرے اور مفلسوں میں ۵۷۷۵ موتیں واقع ہوئیں۔

مارشل پیتاں صدر فرانس نے اپنی صحت کی خرابی کی وجہ سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ پہلے اسے قید کر لیا گیا۔ بعد میں اُسے ایک مقام پر نظربند کر دیا گیا ہے۔ مگر یہ خبر محتاج تصدیق ہے۔

ہٹلر اور گوئرنگ وغیرہ کی تقریروں کے خلاصوں سے جو اخباروں میں چھپے پایا جاتا ہے کہ وہ اپنی قوم کو ہمت باندھے رکھنے پر زور دے رہے ہیں تاکہ لڑائی دیر تک جاری رکھی جا سکے۔ ان کے نزدیک یہ جنگ موت و زیست کا مسئلہ ہے۔ شکست لڑائی کے مصائب سے زیادہ خوفناک ہوگی کہا جاتا ہے کہ جرمن قوم اب جنگ سے تھک گئی ہے اور امن کی متمنی ہے

موسم خزاں میں امریکہ کے صدر کا انتخاب ہونے والا ہے۔ ایک فریق موجودہ حکومت کے خلاف ابھی سے ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گیا ہے۔ مگر صدر روزولٹ کے پھر دوبارہ منتخب ہو جانے کے امکان موجود نظر آتے ہیں۔

ہر چیز کو زیادہ سے زیادہ چلائیے

اور

آئندہ کے لئے

روپیہ بچائیے

جنگ کے زمانے کی خریداری سے آپ کے روپے کی پوری قیمت نہیں وصول ہوتی۔ اپنے کپڑوں اور اپنی ہر چیز کو زیادہ سے زیادہ دن چلانے کی کوشش کیجئے کیونکہ اس وقت آپ جو چیز بھی خریدیں وہ اپنی اصل قیمت سے بہت زیادہ مہنگی پڑتی ہے۔ تکلفات سے ہاتھ اٹھا لیجئے۔ صرف ان چیزوں پر خرچ کیجئے جن کے بغیر گزارا نہیں ہو سکتا۔ ایک ایک آنہ جو بچ سکے اس وقت کے لئے بچا لیجئے جب چیزیں سستی ہو جائیں گی۔

[illegible]

قوم کے لئے قومی جنگی محاذ کی اپیل